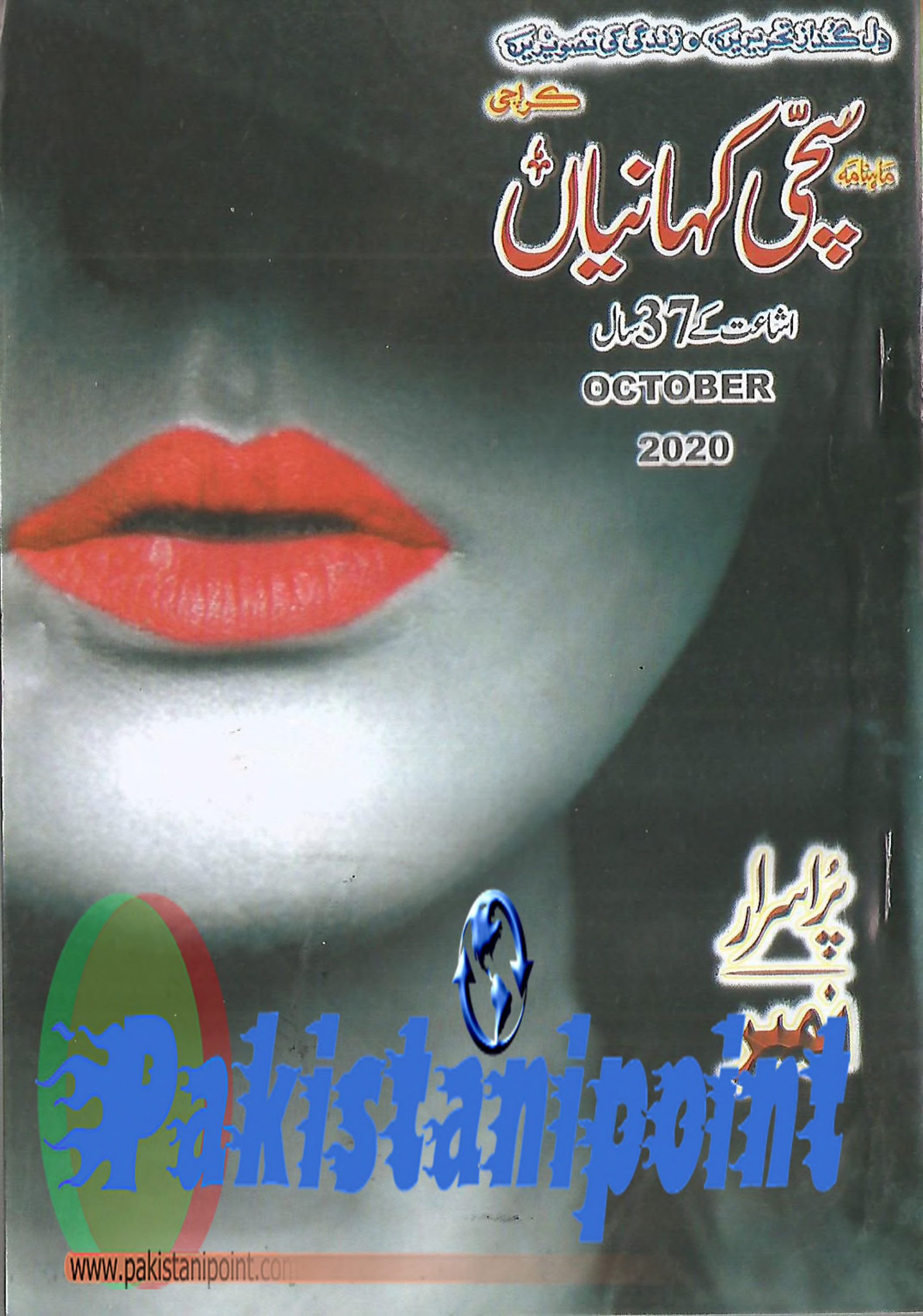
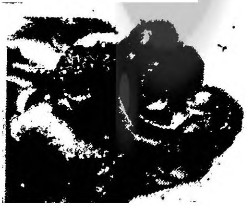

دل گداز تحریریں ٭ زندگی کی تصویریں
کراچی
ماہنامہ
سچی کہانیاں
اشاعت کے 37 سال
OCTOBER
2020
Pakistanipoint
www.pakistanipoint.com



فون: 021-35893122-35893123 / پرنٹر: حسام محی الدین عباسی، سٹی پریس، OB-7 تالپور روڈ۔ کراچی

سالانہ بذریعہ رجسٹری پاکستان 1500 روپے افریقہ 75 ڈالرز کینیڈا آسٹریلیا 75 ڈالرز ایشیا یورپ 65 ڈالرز

خیر البشر پر لاکھوں سلام

ربیع الاول کے مبارک مہینے کی آمد آمد ہے یہ وہ مہینہ ہے جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہماری رہبری اور کونین کی سرداری کے لیے، تشریف لائے تھے۔

نہ میری زبان میں وہ طاقت گفتار ہے جو ختم المرسلین کا مکمل مرتبہ بیان کر سکے نہ میرے قلم میں وہ قوت ہے جو ان کے تمام تر محاسن کو ورطۂ تحریر میں لا سکے۔

نامِ محمد ﷺ بلند ہے اور جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں یہ مبارک نام ہر اذان میں گونجتا ہے۔ یہ نام دنیائے اسلام کے ایک سرے سے دوسرے تک ایک ایسی قدر مشترک ہے جو قوم، نسل، رنگ اور زبان کے اختلافات کے باوجود مسلمان عالم کو ایک لڑی میں پرو دیتی ہے۔

زندگی کے ہر شعبے میں، ہر قدم پر رسول مقبول ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے انہوں نے ہمیں اللہ کی پسند اور ناپسند سے آگاہی بخشی اور مثالی زندگی گزارنے کے سلیقے سے آگاہ کیا۔ یہ سلیقہ فرد کی نجی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ قوم اور معاشرے کی اجتماعی حیات پر بھی محیط ہے۔ اس لیے میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہماری زندگی ہیں اور ان سے دوری ہماری موت ہے لہٰذا اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسوۂ محمد ﷺ کی پیروی کریں۔

اس دورِ پُر آشوب میں صرف اسوۂ محمد ﷺ ہی ہمیں حیات بخش سکتا ہے۔

منزہ سہام مرزا

احوال

قارئین کے درمیان رابطہ' آپ کے خطوط اور اُن کے جواب

عزیز احوالیو! پُراسرار نمبر2 کے ساتھ حاضر خدمت' شمارہ جن کٹھن حالات میں دیا ہے وہ میں ہی جانتی ہوں بارشوں نے کراچی شہر کو تقریباً ڈبو دیا میں تو حیران ہوں کہ ابھی اور کیا کیا دیکھنا باقی ہے۔ یہ شہر کبھی عروس البلاد کہلاتا تھا اور اب ...... الفاظ نہیں شہر کراچی اور اس میں بسنے والوں کا دکھ بیان کرنے کے لیے...... اس دفعہ سے سچی کہانیاں کے پڑھنے والوں کے لیے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے تاریخی کہانیوں کا اور اگلے ماہ سے جرم وسزا کے موضوع پر بھی ایک کہانی شامل ہوگی۔ شمارہ آپ کی نظر ہے پڑھ کر اپنی رائے ضرور دیجیے گا۔

❁ ملازم حسین شیرازی' کراچی سے لکھتے ہیں۔ پیاری بہن منزہ سہام صاحبہ سلامت باشد' ماڈل کی خوبصورتی نے سرورق کو چاند چاند لگا دیا اور سرورق نے اپنی چمک دمک سے ماڈل کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا یہ سب سچی کہانیاں کی جادوئی کمالات ہیں۔ اداریہ دکھ بھرے سانحے پر اداریہ کی شکل میں احساس کا اظہار آنکھوں کو نم کر دیا اور دل کو رُلا دیا۔ خطوط کے بارے میں مختصراً اپنے کمنٹس حاضر ہیں۔ کہانیوں پر اس ماہ تبصرہ نہ کر سکا کہ مصروفیات کی وجہ سے نہ پڑھنا مجبوری ٹھہری۔ مہر پرویز دولو آپ کا خط منطقی لحاظ سے بامعنی اور دلچسپیوں کا حامل ہوتا ہے ماشاء اللہ کہانی پسند آئی شکریہ' مور شاہد حسین سچی کہانیاں سے آپ کی لگن قاری میں جوش جذبہ پیدا کرتی ہے دربہ دراچھی لگی نوازش' عبدالغفار عابد بھائی رو بہ صحت ہیں الحمدللہ' دکھ وغم کے ان ایام مصائب میں سچی کہانیاں سے رشتہ جوڑے رکھنا وفا ادب اور کتاب سے دوستی کا ثبوت ہے کہانی کی پسندیدگی کا شکریہ۔ حافظہ مون بخاری پیاری بیٹی کے میری تحریر کے بارے میں ادا شدہ وہ الفاظ 'اعلیٰ اور بااثر' ہمیشہ دل پر نقش رہیں گے۔ بہت عنایت' قاری محمد عثمان مصروفیات جیسی بھی ہوں۔ جو بھی ہوں کتاب سے دوستی اور ادب سے محبت نعمت خداوندی ہے۔ خط میں الفاظ کا چناؤ اور خوبصورت استعمال اچھا لگا۔ خط کہانی پسند آئیں بہت نوازش' حنا بشریٰ بہت پیاری حنا بہن خیریت دریافت کرنے کا شکریہ آپ ہمیشہ میری دعاؤں اور یادوں میں رہتی ہیں۔ آپ کی تحریر کے بارے میں لکھنے میں الفاظ نہیں ملتے بس یہی کہ قلم کی جولانی اور استقامت یونہی قائم رہیں۔ کہانی خط پسند آئے خوشی ہوئی۔ اللہ رکھا چوہدری سچی کہانیاں میں آپ کی شرکت کو قبولیت دیتے ہیں خوش آمدید' سید حمائل فاطمہ خوبصورت نام کی حامل بی بی کو خوبصورت خط لکھنے کی مبارکباد ایسی تحریر قسمت والوں کے نصیب میں ہوتی ہے۔ ماشاءاللہ' عروشمہ خان خط کہانی پسند کرنے کا شکریہ' بینش مجید ملک آپ کے خط کو پڑھنے سے یقین نہیں آتا کہ پہلی مرتبہ قلم کا استعمال کر رہی ہیں خوبصورت تحریر کہانی خط پسند آئے شکریہ' محسن علی طاب نہ دعا نہ سلام دعویٰ محبت کے یہ کیسا انداز ہے خوش باش پیاری بہن شمارہ لاجواب بے مثال ہے افسوس کہ کہانیاں نہ پڑھ سکا اکتوبر 2020ء کے لیے سچی حقیقی کہانی 'عشق کے کوہسار' خط ہذا کے ساتھ ارسال ہے۔ اپنی خودنوشت 'الماس' عشق نمبر کے لیے آپ کے پاس موجود ہے۔ آپ کی کاوشوں' لگن اور محنتوں کو سلام۔

☆ شیرازی بھائی! مصروفیت کے باوجود آپ نے سچی کہانیاں کے لیے وقت نکالا شکریہ' آپ کی تحریر مجھے پُراسرار نمبر کے لیے موضوع نہیں لگی 'عشق کے کوہسار' بہت خوبصورت عشقیہ داستان ہے بس اسی لیے شائع نہیں کی۔

٭غلام مرتضیٰ علوی، گوجرہ سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم! ستمبر کا شمارہ 10 ستمبر کو ٹوبہ جا کر خریدا اس دن موسم ویسے تو کافی گرم تھا مگر تازہ شمارہ دیکھتے ہی مجھے موسم بہاروں جیسا خوش گوار محسوس ہونا شروع ہو گیا اور یہ سب میرے پسندیدہ رسالے کی برکت تھا۔ طویل عرصے کے بعد شمارے میں شرکت کی وجہ یہ رہی کہ اپریل سے جولائی تک کرونا کی منحوس بیماری کی وجہ سے پورے ملک پر انجانے خوف کا سایہ تھا اور بک اسٹال پر بھی جانا مشکل تھا کہ اس وقت ہر انسان دوسرے انسان سے ڈر رہا تھا۔ نا بک اسٹال پر جانا ہوا نا شمارہ خرید سکا نا تبصرہ یا کہانی لکھ سکا (ہاں ایک ترجمہ کیا ہے عالمی کہانی کا وہ ارسال ہے اور کسی شمارے میں جگہ دے دیں) 2020ء میرے خیال سے دنیا پاکستان اور مجھ پر کافی بھاری ثابت ہوا۔ پاکستان اور دنیا تو کرونا کا شکار رہی جبکہ میرے لیے یہ سال بلکہ اگست کا مہینہ غم کا مہینہ اس لیے ثابت ہوا کہ اگست کے شروع میں میرے بہترین دوست اور سچی کہانیاں کے قاری جناب رفاقت علی شاکر صاحب کے والد صاحب جناب رحمت صاحب انتقال کر گئے اور دوسری وفات بھی میرے لیے غم کا پہاڑ گرا گئی مجھ پر، میرے ماموں جان جناب ماسٹر عبدالمجید علوی 27 اگست کی صبح وفات پا گئے میرے ماموں جان علم کی شمع تھے ہمارے گاؤں میں 1950ء میں انہوں نے ہی لڑکوں کا پرائمری اسکول حکومت سے منظور کرایا اور بعد میں ساٹھ سال کی عمر تک گاؤں کے اسکول میں ہزاروں لڑکوں کو علم دیا۔ 1950ء میں بننے والا اسکول آج ہائی اسکول ہے اور 27 اگست اور 28 اگست کا پورا دن ہمارے گاؤں پر بارش برستی رہی کہ اس دن آسمان بھی شدت غم سے رو رہا تھا کہ ہمارے علاقے کے علم کے سورج کو آج سپرد خاک کر دیا گیا تھا بہت جلد میں ماموں کی زندگی کے دلچسپ واقعات پر تحریر لکھوں گا کہ کیسے ماموں جان نے 1965ء، 1971ء کی جنگ میں پاک فوج کے لیے دعائیں کیں اور کیسے وہ شب روز گزارے۔ 1965ء میں گاؤں میں صرف ایک ریڈیو ہوتا تا اور وہ میرے ماموں عبدالمجید علوی صاحب کے پاس ہوتا تھا جس پر پورے گاؤں کے بزرگ خبریں سنتے تھے ریڈیو ماموں کی دکان کے دروازے میں رکھ کر آن کر دیا جاتا تھا ماموں کے چار بیٹے جناب فخر اللہ اعوان جناب ذکاء اللہ اعوان جناب امان اللہ اور حفیظ اللہ اعوان اور ایک بیٹی ہے۔ سب قارئین اکرام سے میرے ماموں عبدالمجید علوی اور دوست رفاقت علی شاکر کے ابو جناب رحمت صاحب کے لیے دعا اور سورۃ فاتحہ پڑھنے کی درخواست ہے۔ اب بات کرتے ہیں ستمبر کے شمارے کی جس میں منزہ سہام صاحبہ کا کالم عمدہ رہا خطوط میں جناب مہر پرویز دولو صاحب ملازم حسین شیرازی، عابد صاحب، حنا بشریٰ کے خط اب تک پڑھے ہیں اور اچھے لگے ہیں باقی شمارے میں یہ خط لکھنے تک سزائے موت، دل بے رحم، بے نشان منزلیں ہی ابھی تک پڑھی ہیں پسند آئی ہیں۔ میں کرونا کے عروج کے وقت ہونے والی نیکیوں نیک دل لوگوں اور 10 روپے کا ماسک 50 میں فروخت کرنے والے ڈاکوؤں پر تحریر لکھ رہا ہوں اگلے ماہ ارسال کروں گا خدا حافظ۔

☆ مرتضیٰ بھائی! یہ آپ کی محبت ہے کہ سچی کہانیاں ہاتھ میں آتے ہی اندر کا موسم دلفریب ہو گیا اللہ آپ کے ماموں اور آپ کے دوست کے والد صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دے میں منتظر رہوں گی آپ کے ماموں کی زندگی کے دلچسپ واقعات پر مبنی تحریر کی۔

٭جینا، کراچی سے لکھتی ہیں۔ محترمہ ایڈیٹر صاحبہ! السلام علیکم! اگست کا رسالہ لیا پڑھا اور تین دن میں برابر بھی کر دیا احوال میں آپ سے ملاقات ہوئی آپ کی اداسی کا سبب جان کر اپنا 22 سالہ دکھ سامنے آن کھڑا ہوا۔ جب ہم پانچ بہنوں کی طاقت ماں اور فخر ہمارا ساتھ چھوڑ گیا اور ان 22 سالوں میں کون سا دن تھا جب ان کو یاد نہ کیا ہو۔ اب تو روز محشر میں ملاقات کا انتظار ہے اور بس، اب کچھ بات رسالہ کی پچھلے ماہ جون جولائی کے شمارے پر بھرپور تبصرہ کیا اور ارسال کیا ساتھ ہی اپنی کچھ شاعری بھی، کیا ہوا اس کا اور ایک کہانی مزاح نمبر کے لیے بھی اپریل میں بھیجی تھی۔ آپ کو ملی یا کہیں راستے میں ہی داغ مفارقت دے گئی میری تحریریں، جیسا کہ عرصہ دراز سے لانڈھی پوسٹ آفس والے میری تحریریں ہضم کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ بہت سالوں کا تجربہ ہے۔ ان لوگوں کا بھی اور میرا بھی کاش میں 'کرونا' کو لفافے میں بند کر کے ڈاک ٹکٹ لگا کر ان کے حوالے کرتی تو وہ بھی ہضم ہو جاتا اور

میرا وطن اور میرا شہر اتنا بدحال نہ ہوتا چلیں جی اب اگست کے شمارے پر گیلا گیلا تبصرہ حاضر ہے۔ ٹائٹل پر چینی خدوخال لیے خوبصورت سی لڑکی مجھے تو 'خوشیاں چکھ لو' والی لگی باقی تبصرہ دوسرے بہن بھائی اچھا کریں گے۔ آپی جی ذرا دھیان سے کرونا بھی چائنہ سے آیا تھا۔ ہم نہیں بھولے محترم بھولنے والی ہستی بھی نہیں اللہ پاک ہمیشہ اپنے سایہ رحمت کے بلند درجات میں رکھے آمین۔ احوال کے تمام بہن بھائیوں کا احوال جاننا اللہ سب کو خیر و عافیت سے رکھے بیماروں کو صحت عطا فرمائے پریشانیاں دور فرمائے آپ کی ڈائری 'مسئلہ یہ ہے' بہترین رہے۔ درد کا قصہ' آخری خط' 'تھی' طوائف کہانی میرے حساب سے پہلے نمبر پر رہیں۔ کرونا سے ڈرونا' میں اچھا پیغام دیا گیا۔ مجرم میں استاد شاگرد کے مقدس رشتے کو بڑے عجیب سے انداز میں دکھایا گیا۔ بہرحال ایسا بھی ہوتا ہے ہمارے معاشرے میں یہ بھی سوشل میڈیا کی تباہ کاریوں میں سے ایک ہے۔ سفید خون آن لائن اور زن مرید' کچھ ادھوری ادھوری سی لگیں' خیر اچھی کوشش' پیر جی کی طاہرہ' حقیقت سے دور لگی۔ سودے بازی نے اچھا تاثر دیا' آہ میری بہن اور دربدر نے دکھی کر دیا۔ کچھ کہانیاں بور کر گئیں۔ محمد مظہر نیازی کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ شاعری تمام کی تمام زبردست اور اچھا انتخاب تھا سو پسند آیا۔ پچھلے خط میں میں نے لکھا تھا کہ اگر جگہ ملی تو دوبارہ شرکت کروں گی۔ مگر ڈھیٹ بن کر خط شائع نہ ہونے کے باوجود دوسرا تبصرہ لکھ ڈالا۔ جواب کا انتظار رہے گا اور مجھے بتائیں کہ کسی بھی نمبر کے سلسلے میں کہانی بھیجنے کے کتنے عرصے بعد اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔

☆جبینا! دیکھو تمہارا خط بھی دیر سے ملا مگر میں نے شائع کر دیا تاکہ تمہارا لانڈھی پوسٹ آفس پر کچھ تو بھروسہ بحال ہو تمہارا خط تو گواہی دے رہا ہے کہ تمہارے اندر مشتاق احمد یوسفی صاحب چھپے بیٹھے ہیں۔ مزاح زیادہ لکھا کرو اچھا لکھو گی۔

ذیشان ریاض لکھتے ہیں۔ محترمہ منزہ سہام مرزا سلام عرض! کیسے مزاج ہیں اگست کا شمارہ پڑھا بہت اچھا لگا۔ یاسر وکی اداکارہ کو 2019ء میں ایک اسٹوری بھیجی تھی وٹہ سٹہ ایک حقیقت' اس کا معلوم کرنا تھا کہ کب شائع ہوگی۔ کراچی میں ہونے والی بارشوں سے بے حد دل گرفتہ ہے کرونا کے بعد حالات ابھی تک سنبھلے نہیں تھے کہ اب بارش نے امیدوں پر پانی پھیر دیا دعا ہے اللہ تعالیٰ ملک پاکستان کی حفاظت فرمائے میری والدہ محترمہ ایک ماہ سے فالج کی مریضہ ہیں ان کے لیے شفا کی دعا فرمائیں۔

☆ذیشان بھائی! آپ نے اپنا شہر نہیں لکھا۔ آپ کی کوئی کہانی میرے پاس نہیں اور شمارہ پسند کرنے کا بے حد شکریہ اور دل سے دعا ہے کہ اللہ آپ کی والدہ کو مکمل صحت عطا فرمائے دنیا میں ماں سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

فوزیہ اختر لکھتی ہیں۔ پیاری منزہ سہام مرزا السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے اس مشکل ترین وقت میں بھی آپ نے رسالے کو نکالا اور اس کے معیار کو برقرار رکھا یہ آپ کی ہمت اور محنت کا ثمر ہے۔ ماہ ستمبر کا شمارہ ہاتھ میں ہے سب سے پہلے آپ کا اداریہ پڑھا انسانیت آج بھی کسی مسیحا کی منتظر ہے جو ان دکھوں سے نجات دلائے سندھ سرکار تو آنکھیں بند کیے بیٹھی ہے۔ انہیں اپنے پیٹ بھرنے سے فرصت ملے تو وہ عوام کے مسائل پر توجہ دیں۔ کہانی 'بے نشاں منزلیں' اختر شاہ عارف' ظ سے ظرف قاری محمد عثمان غنی تیسرا راستہ آمنہ بانو بہت پسند آئیں۔ رباط کاوش صدیقی بہترین کہانی ہے۔ پُراسرار کہانی نمبر 2 کے لیے اپنی ایک کہانی بھجوا رہی ہوں یقیناً پسند آئے گی اس کے علاوہ جنوری میں ایک کہانی ارسال کی تھی جو آپ نے شائع نہیں کی باقی تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ سچی کہانیاں میرا پسندیدہ رسالہ ہے اب تو میری بیٹی بھی شوق سے پڑھتی ہے رسالے کے لیے اور اس کی ٹیم اور خاص طور پر آپ کے لیے بہت سی دعائیں اور تمام احوالیوں کو سلام۔

☆اچھی فوزیہ! آپ کی تحریر مجھے بہت تاخیر سے ملی ورنہ ضرور پُراسرار نمبر کا حصہ ہوتی۔ آپ کی تمام کہانیاں جواب تک آپ نے ارسال کیں شائع ہو چکی ہیں۔ میری جانب سے بیٹی کو بہت پیار دیجیے گا۔

فریدہ جاوید فری' لاہور سے لکھتی ہیں۔ پیاری منزہ سہام السلام علیکم! ستمبر کا سچی کہانیاں 10 تاریخ کو ملا لاک

ڈاؤن کی وجہ سے رسائل تو بند تھے بہت بوریت تھی شکر یہ اب ملنے لگے ہیں سچی کہانیاں تو میرا فیورٹ میگزین ہے یہ تو میں نجانے کب سے پڑھ رہی ہوں نسیم سکینہ صدف کی کہانی پڑھ کر دل بھر آیا کیا خوب لکھتی ہیں خوش رہو بہت ہی سلام اور دعا تمام کہانیاں مختصر ہونے کے باوجود بہترین تھیں۔ سزائے موت بے نام منزلیں' خوف' ڈولی' ملن' شہید کی بیٹی' حسرت ناتمام' ماں' قربانی' دل مہرباں ماں سب ہی لاجواب تھیں احوال میں سب کے خطوط جگمگا رہے تھے۔ ایم حسن نظامی صاحب اور سلمیٰ غزل' محمد علی سحر' رفعت خان کی شاعری پسند آئی میں ان دنوں بہت بیمار ہوں میرے لیے دعا کریں آمین دوشیزہ کی ٹیم رائٹرز اور قارئین کو بے حد سلام اور دعا

☆ فریدہ جی اللہ آپ کو مکمل صحت عطا فرمائے۔

ثانیہ بھٹی' سیالکوٹ سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم! محترمہ منزہ سہام اور تمام قارئین کو سلام اور بہت سی دعائیں کافی عرصے بعد قلم اٹھایا ہے لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں درمیان میں تو بالکل سچی کہانیاں سے رابطہ ٹوٹ گیا تھا اب پھر سے رابطہ بحال ہوا ہے اور اپنی مصروفیات سے وقت نکالا ہے اسپیشلی سچی کہانیاں کے لیے امید ہے میرے لکھے کو سراہیں گے اور دوبارہ سچی کہانیاں فیملی میں شامل کریں گے رسالہ اب زیر مطالعہ ہے اگلی بار تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

☆ ثانیہ! تم اب بھی ہماری فیملی کا حصہ ہو کیا ہوا جو کچھ عرصے کے لیے دیگر مصروفیات میں اُلجھ کر ہمیں بھول گئیں تھیں اب واپس آ گئی ہو تو سر آنکھوں پر......

شاہدہ ذاکر' گلشن اقبال کراچی سے لکھتی ہیں۔ ڈیئر منزہ' السلام علیکم! امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گی۔ میں دوشیزہ اور سچی کہانیاں کی بہت پرانی قاری اور مداح ہوں۔ دو تین برس قبل سچی کہانیاں میں میری چار پانچ کہانیاں شائع ہو چکی ہیں۔ ایک شمارے میں 'دوشیزہ کا سفر' نظر سے گزرا۔ آپ کے عزم و ہمت نے بہت متاثر کیا۔ خدا آپ کو اس محنت کا اجر دے اور آپ کے سب پرچوں کو دن دگنی رات چوگنی کامیابی نصیب ہو آمین۔ تین کہانیاں روانہ کر رہی ہوں اگر آپ کے معیار پر پوری اتریں تو نوک پلک سنوار کر شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں۔ آگہی' دوشیزہ کے لیے اور ناقابل فراموش واقعہ سچی کہانیاں کے لیے ہے باقی غیبی امداد کو آپ جہاں مناسب سمجھیں لگا دیں۔ آپ سے ملاقات کی خواہش مند ہوں۔ انشاء اللہ کسی وقت حاضر ہوں گی۔

☆ شاہدہ! آپ کا جب دل چاہے تب آفس تشریف لے آئیں کہانیاں موصول ہو گئی ہیں جلد پڑھ کر بتاؤں گی۔

رفعت خان لکھتی ہیں' بہت ہی پیاری منزہ جی آداب' بہت دن ہو گئے ہیں آپ سب لوگوں سے مخاطب ہوئے۔

حالاتِ زار نے یہ کیا سے کیا کردیا
دل تو ہوئے زخم تعلقات کو ہی پرا کردیا

ہاں حالات زار نے ہم سے بہت کچھ چھین لیا ہے جس میں ہمارے پیارے بھی ہیں اور غیر بھی نہ جانے بہت کچھ سہہ لیا ہے اور نہ جانے کیا کیا سہنا ہے ہم سب کو حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے کیونکہ وہ ہم سب سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے وہ ہم سب کو اس آزمائش میں سرخرو کرے گا۔

سجے گے درد و بام ہوجائے گا ٹھیک سب دوبارہ
ہوجائیں خدا سے نزدیک صرف وہی ہے سہارا

جی ہاں وہی ہے جو ہم سب کی نیا کو پار لگائے گا اس کے لیے ہم سب کو صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا ہے بے چارے ماں باپ بچوں کو سنبھال سنبھال کر پریشان ہو چلے ہیں نہ جانے کب پرایر اسکول کھلیں گے بچے خود بھی پریشان ہو گئے ہیں اس وقت ملک بہت مشکلات میں گھر گیا ہے خاص طور سے اس وقت کراچی کا تو بہت ہی برا حال ہے روشنیوں کے اس شہر کو نظر لگ گئی ہے جگہ جگہ سڑکیں ٹوٹ پھوٹ گئیں ہیں نہ جانے کتنے پل بیٹھ گئے ہیں کتنے

علاقے ندی اور دریا بن گئے ہیں عوام کے نہ جانے کتنے گھر برباد ہو گئے ہیں۔ قیمتی سرمایہ کس طرح سے برباد ہو گیا ہے پرابلم بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ کیا کسی نے یہ سوچا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے وہ کیا واقعی ہم مسلمانوں سے ناراض ہو گیا ہے اس کے باوجود وہ ہم سے پھر بھی پیار کرتا ہے اسی لیے ہم سب کو چاہیے کہ ہم سب اپنا محاسبہ کریں جو کچھ رہ گیا ہے اسے ہی بچا لیں کم از کم اپنا اخلاق ہی درست کر لیں کیونکہ قیامت میں سب سے پہلا سوال اخلاق کا ہی ہو گا آج کل تو سب ایک دوسرے کو کھانے کے لیے ہی دوڑ رہے ہیں بچوں کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے کتنے لوگ بے روزگار ہو گئے ہیں رہی سہی کسر اس مہنگائی نے توڑ دی ہے۔ اتنا سب کچھ ہو رہا ہے لیکن لوگ آخر ایک رسی کو کیوں نہیں تھام رہے جبکہ ہم سب مسلم ہیں خدا کی سب سے اچھی امت پیارے نبی ﷺ کی امت ان جان لیوا مسائل سے آخر کیسے چھٹکارہ حاصل کریں ابھی بھی کچھ خدا کے نیک بندے ایسے ہیں جو واقعی محبت کی مثال آپ ہیں اور بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں خدا ہمیں بھی ایسا ہی بنائے۔ دو تین ماہ سے رسالہ ہاتھ نہ آیا ایسا لگا کہ ہماری زندگی کا کوئی قیمتی ورق گم ہو گیا ہے ایسا ورق جس میں ہم سب ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں اپنے دل کی بات کرتے ہیں اپنے لفظوں کو ایک کتابی شکل دیتے ہیں انشاء اللہ یہ سب کچھ دوبارہ جلد از جلد جاری ہو جائے گا بلکہ شروع ہو چکا ہے خدا سب ٹھیک کر دے گا میں نے پھر کچھ الفاظ کی ذخیرہ اندوزی کی ہے اپنے لفظوں کو غزل، نظم اور کہانی کی شکل دی ہے امید ہے ہمیشہ کی طرح آپ لوگ میری حوصلہ افزائی کریں گے جس میں سرفہرست منزہ جی ہیں جو اپنے رسالے میں مجھ ناچیز کو جگہ دے دیتی ہیں کاش سہام مرزا بھی یہ سب کچھ دیکھتے اور مجھے سراہتے تو مجھے کتنا اچھا لگتا خیر یہ سب خدا کے بنائے ہوئے اصول ہیں میں نے احمد رشدی پر کچھ الفاظ بیانی کی ہے وہ کب قرطاس پر بکھرے گی۔

اے خدا تو ہم سب پر رحم فرما دے
مشکلوں کو دور کر کے ہمیں ایک بنا دے

اب آپ سب سے ملاقات ہوتی رہے گی جب تک کے لیے خدا حافظ۔

☆ رفعت! درست کہا آپ نے اخلاق ہی بچا لیں تو بہت کچھ بچ جائے گا۔ آپ کی تحریر انشاء اللہ مزاح نمبر کا حصہ ہو گی۔

ایم اے خالق بھٹی، رحیم یار خان سے لکھتے ہیں۔ محترمہ باجی منزہ سہام مرزا صاحبہ، آداب، آپ اور آپ کی پوری ٹیم خوش اور سلامت رہے آمین۔ ان مشکلات میں سچی کہانیاں کا آزادی نمبر شائع کرنا ایک کارنامے سے کم نہیں ہے۔ اداریہ میں صحیح لکھا ہے کہ ہر چینل کے ڈراموں میں تعلیم یافتہ معاشرے کی عکاسی نہیں ہو رہی ہے جس کی وجہ نئی نسل کے ذہنوں پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ سچ بیتیوں کا انتخاب بھی بہت اعلیٰ ہے اب تک چند کہانیاں پڑھی ہیں جن میں ملازم حسین شیرازی کی در بہ در، حنا بشریٰ کی آہ، سیدہ عروج فاطمہ کی سودے بازی، حمیرا انجم کی کرونا سے ڈرونا، مور شاہد حسین کی درد کا سفر، مونا شہزاد کی طوائف کہانی، میمونہ عباسی کی سفید خون، ملتان کی تاریخ کے حوالے سے مجید احمد جائی کی بہترین تحریر ملتان کی کہانی پڑھ سکا ہوں جو بہت پسند آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ عبدالغفار عابد کے بڑے بھائی سسٹر ثمینہ مشتاق کو جلد صحت کاملہ عطا کرے آمین ایک ساونی کے حوالے سے ای میل کر رہا ہوں۔

☆ خالق بھائی! آپ سے گزارش ہے اپنی تحریر ان پیج میں ارسال کیا کریں میں آپ کی تحریر شائع کرنا چاہ رہی تھی مگر پڑھنا محال تھا ہر لفظ جڑا ہوا تھا، ساونی دوبارہ ای میل کیجیے۔

سیدہ حمائل فاطمہ، شیخوپورہ سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم ورحمتہ و برکاتہ! امید باری تعالیٰ ہے تمام مصنفین و قارئین اور قابل احترام محترمہ منزہ سہام آپا خیریت سے ہوں گے، دعا ہے اللہ رب العزت سے وہ راحتوں اور مسرتوں کو ہمارا مقدر بنا دے ہمارے خواہشوں اور چاہتوں کو ہمارے لیے آسان فرما دے اور میرا پروردگار ہم پر اپنی عنایات کو بے شمار کر دے (الٰہی آمین) اس بار دل کافی افسوس دہ رہا، پہلے کراچی میں بارش کے باعث نقصانات،

پھر موٹروے پر ہونے والے حادثے نے دل ہی کیا روح تک کو ہلا کر رکھ دیا اب تو خون کے ساتھ خوف بھی ہماری رگوں میں ڈورنے لگا ہے۔ عورت کہیں بھی محفوظ نہیں یہ خیال ہی جان لیوا ہے اس ملک میں نہ عورت سیو نہ کم سن بچیاں محفوظ ہر روز ایک بری خبر ہماری منتظر ہوتی ہے دل شدید غم کی کیفیت میں مبتلا ہے اس سے بھی زیادہ تکلیف تب ہوتی ہے جب لوگ پاکستان کو برا کہتے ہیں۔ بس اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے حال پر رحم فرمائے ہماری جان مال وعزت کی حفاظت فرمائے اور پاکستان کے احکام بالا کو اپنے ملک میں بسنے والوں کی طرف نظر ثانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)' جی تو پیاری منزہ آپیا مجھے آپ سے شکایت ہے کہ ہمارے شہر شیخوپورہ سے سچی کہانیاں وصول نہیں ہوتا۔ میں آپ سے ریکوسٹ کرتی ہوں کہ میری اس شکایت کو دور کیا جائے' میں نے ستمبر کے شمارے کے لیے دس بار مارکیٹ کا چکر لگایا مگر رسالہ نہیں ملا' مجھے بہت افسوس ہوتا جب میرا پسندیدہ رسالہ میرے شہر سے وصول نہیں ہوتا۔ شیخوپورہ پنجاب کا ایک مشہور شہر ہے یہاں سچی کہانیاں جیسا رسالہ نہ ملنا افسوس کی بات ہے۔ آگے آپ بہتر جانتی ہیں پیاری آپیا۔ اب آتی ہوں ستمبر 2020ء کے شمارے کی طرف...... سرورق نہایت جاذب نظر و دلنشیں، بہترین گلابی کلر اسکیم کا حامل، اداریہ ہمیشہ کی طرح جذبات واحساسات میں لپٹا بامعنی، بامقصد اداریہ...... انعام یافتہ' مونا شہزاد، دستگیر شہزاد، حمیرا انجم آپ تینوں کو بہت بہت مبارک باد اللہ کریم مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرے (الٰہی آمین) تبصرے بھی سب کے بہت شاندار رہے اپنا اور فاطمہ بخاری کا تبصرہ اشاعت میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ فاطمہ بخاری، ملازم حسین شیرازی، محسن علی طالب، مور شاہد، حافظ مون شاہ' مہر پرویز احمد دولو، حنا بشریٰ، سب کے تبصرے بہت اچھے رہے۔ کہانیوں میں ماں، تیسرا راستہ، دل بے رحم، قربانی، سزائے موت، ظ سے ظرف، ادھوری کہانی، زندگی ایک روگ ہے، ڈولی، خوف، اور عالی مان آفاقی بھیا کی قابض انتظامیہ سب ہی کہانیاں حقیقت سے قریب تر لگیں۔ ماہ ستمبر کا پورا شمارہ ہمارے معاشرے کی بھرپور عکاسی کرتا دکھائی دیا۔ ایک سے بڑھ کر حقیقت سے آشنا کروایا گیا۔ جلدی نہ ملنے کے باعث شمارہ مکمل نہیں پڑھ سکی جس کا مجھے بے انتہا افسوس ہے' امید ہے اگلا شمارہ ہمارے شہر میں جلوہ افروز ضرور ہوگا اور ہمارے دلوں کے ساتھ مارکیٹ کی رونق کو بھی چار چاند لگا دے گا۔ آخر میں آپ سب سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں ہر بہن بیٹی کو یاد رکھیے گا۔ دعا کیجیے گا اللہ کبھی کسی بہن بیٹی کو رسوا نہ کرے۔ اللہ سب کی عزتوں کو محفوظ رکھے۔ کراچی والوں کے لیے بھی میری دلی دعا ہے مشکل میں پھنسے اپنے ہم وطن بہن بھائیوں کے لیے دل دکھتا ہے' کراچی کے موجودہ حالات پر بہت افسوس ہوتا ہے شدید پریشانی میں مبتلا لوگوں کو دیکھ کر دل ڈوب جاتا ہے' بھوک پیاس سے نڈھال وجود موت کا خوف الگ سے سر پر سوار...... آہ کتنا دلسوز منظر' دعا گواہ ہوں کہ رب کائنات ہم سب کی مشکلات کو آسانیوں میں بدل دے (الٰہی آمین) اللہ ہمارے وطن عزیز کی تمام پریشانیوں کو دور فرمائے' اللہ ہمارے پاکستان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا حکمران عطا فرمائے آمین۔ اب اجازت چاہتی ہوں' انشا اللہ اگلے ماہ پھر ملتے ہیں۔

☆ سیدہ حمائل! آپ نے مفصل تبصرہ ارسال کیا شکریہ' حادثات تو اب جیسے زندگی کا حصہ بنتے جا رہے ہیں اللہ سب کو بری گھڑی سے محفوظ رکھے۔ میں شیخوپورہ میں موجود ایجنسی سے معلومات لیتی ہوں۔

محسن علی طاب' ساہیوال سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم آپی منزہ سہام اللہ پاک آپ کو صحت عطا کرے اس بار شمارہ بہت لیٹ ملا۔ بہت سے دوستوں کو مل نہیں پایا شکایات موصول ہوئیں۔ محبت سے جواب دینے کے لیے شکریہ...... سرورق پر بلوچ حسینہ کا راج تھا۔ اداریہ خوب تھا' خطوط محفل میں کچھ نئے چہرے نظر آئے جی آیاں نوں...... مجھے جن کے خطوط پسند آئے ان کے نام حمائل فاطمہ' عروشمہ خان' بنیش مجید' عبدالغفار' ملازم حسین' اللہ رکھا چوہدری اور حافظ مون شاہ مجھے جنہوں نے یاد رکھا ان کا دلی شکر گزار ہوں' مجھے جو کہانیاں پسند آئیں ان کے نام بھوت پریت' سزائے موت' دل بے رحم' ماں' ادھوری کہانی' تیسرا راستہ' انتقام' قابض انتظامیہ کے ساتھ عالی اور غلط فہمی کے ساتھ فہیم بھائی نے شرکت کی عمدہ تحریریں پڑھنے کو ملی نازیہ بتول کی تحریر بھی عمدہ تھی۔ ربا ط اچھی جا رہی

ڈھیروں دعائیں اب اجازت باشرط زندگی پھیر ملیں گے خدا حافظ۔

☆محسن! شمارہ اس بار بارشوں کی وجہ سے تاخیر کا شکار ہوا امید ہے کہ اب وقت پر ملا کرے گا۔ کہانیاں پسند کرنے کا شکریہ۔

مور شاہد حسین، قمبر شہداد کوٹ سے لکھتے ہیں۔ آپی منزہ سہام سلام و آداب سچی کہانیاں کا تازہ شمارہ ماہ ستمبر 2020ء خوبصورت سرورق کے ساتھ ملا اداریہ 'بوجھ ہوں' کاش کاش کاش ایسی کشتی نصیب ہو' احوال' محفل میں نئے چہرے نظر آئے بھلی کرے آیا (خوش آمدید) پرانے ساتھیوں کو سلام و دعائیں غزالہ عزیز امام مالک بن انس رضہ روحانی تحریر پڑھنے کو دی ایمان تازہ کر دیا ایم اے خالق بھٹی نے بہترین شاعرہ محترمہ رخسانہ سحر سے ملاقات کروائی ملازم حسین شیرازی 'سزائے موت' عالی مان آفاقی 'قابض انتظامیہ' زبردست تحریریں لائے ادھوری کہانی' ماں' دل بیرحم' میرا غم کتنا کم ہے' حسرت ناتمام افسوس ناک تھیں کاش کوئی سبق حاصل کرے خالد محمود' چوکیدار' سبق آموز تحریر پڑھنے کو دی قاری محمد عثمان غنی' ظ سے ظرف' بہترین حاجی عبدالوہاب کا کردار اچھا لگا بے نشان منزلیں' قربانی' تیسرا راستہ' زندگی اک روگ پسند آئی بیچ کی دیوار' شہید کی بیٹی اچھی تھی افتخار چوہدری 'غلط فہمی' دیر آید درست آید عنبر علی گیلانی 'غریبی ایک جرم' الماس فاطمہ' بیتے دن' رلا دینے والی تحریریں تھیں لگن' ڈولی' اک بیلنس کی خاطر' اچھی تھی خوف سبق آموز بہترین تحریر مہر پرویز احمد 'ملن' پہلی قسط دلچسپ تھی شازیہ ستار 'انتقام' بیٹیوں سے نفرت کرنے والوں کے منہ پر طمانچہ عمدہ تحریر ایم حسن نظامی 'عشق قادر' صوفی بزرگوں سے دلی محبت ہے کاوش صدیقی 'رباط' عمدگی سے آگے بڑھ رہی ہے 'بھوت پریت' اسرار سے پر تھی مسئلہ یہ ہے رسالے کی جان ہے شعر و سخن سب کی شاعری پسند آئی کسی ایک کا نام لینا باقی سے زیادتی ہوگی ڈائری شوبز اپنے مثال آپ ہیں آخر میں پاک وطن کی سلامتی امن و ترقی کے لیے ڈھیروں دعائیں۔

☆شاہد بھائی شمارہ پسند کرنے کا شکریہ۔

عبدالغفار عابد، چیچہ وطنی سے لکھتے ہیں۔ محفل احوال کے عزیز ساتھیو آداب' لکھنے کو بہت کچھ ہے سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کیا لکھوں اور کہاں سے شروع کروں محکمہ ڈاک کی تعریف کروں تو اس کی تعریف یہ ہے قبولے کے عثمان کا سچی کہانیاں اور میرا ڈاکیا چیچہ وطنی اقراء کے گھر دے گیا۔ مہر پرویز دولو کا رسالہ بھی اسے نہیں ملا' بھائی عثمان سوچ رہا ہوگا کہ ادارے نے سچی کہانیاں نہیں بھیجا غلطی محکمہ ڈاک کی ہوتی ہے الزام ادارے پر لگ جاتا ہے۔ سعادت حسن منٹو سے کسی نے پوچھا کیا حال ہے آپ کے ملک کا جواب دیا بالکل ویسا ہی ہے جیسا جیل میں ہونے والی جمعہ کی نماز کا ہوتا ہے اذان فراد یا دیتا ہے امامت قاتل کراتا ہے اور نمازی سب کے سب چور ہوتے ہیں باقی مدینہ کی ریاست کی تعریف عالی مان آفاقی کی تحریر قابض انتظامیہ' حنا بشریٰ کی دل بے رحم' نسیم سکینہ صدف کی بیچ کی دیوار' شازیہ ستار کی انتقام' نازیہ بتول کی حسرت ناتمام' غزالہ شیخ کی اک بیلنس کی خاطر اور عنبر علی گیلانی کی غریبی ایک جرم میں بہت خوبصورت انداز میں کی گئی ہے بلاشبہ انسان رب کریم کی سب سے شاہکار تخلیق ہونے کے سبب اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ٹھہرا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرمایا۔ ''بے شک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا'' اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو اپنا نائب مقرر کیا سارے مائلہ سے عالم میں حضرت آدم کو سجدہ کروایا رب دو جہاں کی اس خوبصورت کائنات کے آب و گل میں موجود انعامات خداوندی کے سبب خزانے اور سمندروں میں چھپے لعل و گوہر دراصل انسان کی ہی آسودگی اور تسکین کے لیے پیدا کیے گئے ہیں مگر آج دور جدید کے انسان سے انسانیت شرما رہی ہے گزشتہ چند سالوں سے پاکستان میں انسان سوزی' درندگی' اخلاقی پستی اور وحشت و دہشت کی کئی خوفناک شکلیں دیکھنے کو مل رہی ہیں 9 ستمبر کی ایک تاریک رات دو وحشی درندوں نے بچوں کے سامنے ان کی ماں کا ریپ کیا یہ ایسا دلخراش واقعہ تھا کہ ہر ذی عقل چیخ اٹھا اس واقعے پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ مدینہ کی ریاست کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے۔ رئیسہ خالد کی ماں اچھی تحریر تھی انسان کی تربیت کی سب سے بڑی

درسگاہ ماں کی گود ہے۔ عظیم مائیں اپنی فکر و نظر کی درستی اور شخصیت و کردار میں نکھار کا سبب بنتی ہیں نپولین نے اس لیے کہا تھا۔ 'مجھے عظیم مائیں دو اور میں تمہیں ایک عظیم قوم دوں گا'۔ ملازم حسین شیرازی کی سزائے موت بہت لاجواب تحریر تھی۔ مہر پرویز دولو کی ملن پر تبصرہ دوسرا حصہ پڑھ کر کروں گا اندازہ ہے کہ ملن خوبصورت انداز میں ہوگا۔

☆عابد بھائی جیل میں جمعہ کی نماز کی مثال بہت خوب دی اب اس کے بعد میرا کچھ کہنا بنتا نہیں۔

❁حافظہ مون بخاری' سرگودھا سے لکھتی ہیں۔ پیاری آپی منزہ سہام السلام علیکم! اس مرتبہ خط لکھنے میں کافی تاخیر ہوگئی۔ اس کی جوہ گھریلو مصروفیات ہیں۔ سچی کہانیاں کا سرورق اس مرتبہ بھی پسند آیا اور آپ کا اداریہ بہت بہترین تھا۔ امام مالک بن انسؒ کی سیرت یقیناً لاجواب تھی۔ درخشندہ ستاروں کے علم و ادب کو کروڑوں سلام' رخسانہ سحر کا انٹرویو اچھا تھا۔ خدا تعالیٰ ان کو مزید کامیابی سے نوازے' ملازم حسین شیرازی کی کہانی سزائے موت اچھی لگی۔ محترم ارشد اقبال چوہان نجانے کہاں مصروف ہوتے ہیں ایم حسن نظامی صاحب' ایک بار پھر غیر موجود تھے۔ تاہم ان کا کتاب تبصرہ موجود تھا۔ جس میں انہوں نے اچھی معلومات فراہم کیں۔ ایک حادثہ ایک کہانی اچھا سلسلہ ہے اختر شاہ عارف اور آمنہ بانو کی کہانیاں خوب تھیں۔ ظ سے ظرف میں میرے بھائی عفو و درگزر پر گفتگو کرتے نظر آئے۔ بس اسی طرح منفرد موضوعات کو زیر قلم لا کر اپنا دینی فریضہ انجام دیتے رہیں۔ رفعت خان نے کراچی کے خونی ماضی پر اچھی تحریر رقم کی اگرچہ اب بھی حالات مکمل طور پر پُرامن نہیں ہیں تقسیم کا دکھ تو ابھی بھی افسردہ کر دیتا ہے۔ بیچ کی دیوار اسی غم کو تازہ کر رہی تھی۔ ڈاکٹر طارق محمد آکاش نے تلخ موضوع کو قلم بند کیا۔ بھوت پریت بہتر تھی۔ نازیہ بتول رضا نے بھی موضوع کا اچھا چناؤ کیا۔ چوکیدار لاجواب کہانی تھی۔ خدا نیک اولاد سے نوازے ورنہ زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ زرق زیب کا سادہ انداز تحریر بھی اچھا تھا' قابض انتظامیہ' غریبی ایک جرم' غلط فہمی' ماں' زندگی ایک روگ' انتقام' ایک بیلنس کی خاطر' لگن' بیتے دن' اچھی کہانیاں تھیں ڈولی زیادہ اچھی لگی۔ ادھوری کہانی بھی ٹھیک تھی. ملن ایک نیا سلسلہ' خوب ہے رباط میں بھی دلچسپی برقرار ہے۔ آخر میں آپ کے لیے اچھی خبر یہ ہے کہ الحمدللہ میرا بی اے فرسٹ ڈویژن میں مکمل ہو چکا ہے۔ سب احباب کی دعاؤں سے کامیابی ملی اور مزید دعاؤں کی طالب ہوں۔

☆مون! خوش رہو اور اسی طرح بروقت تبصرے ارسال کرتی رہا کرو۔

❁ارشد اقبال چوہان' فیصل آباد سے لکھتے ہیں۔ پیاری بہنا السلام علیکم! بہت پیار اور دعائیں دعا ہے رب کریم سے کہ اپنے کرم سے دنیا سے کرونا کو ختم کر دے آمین اتنے ماہ غیر حاضری کی معذرت مگر کرونا کی وجہ سے پیدا شدہ حالات میں پرچہ کا بروقت نہ ملنا اس کا سبب بنا۔ آج بھی صرف تمام احباب کو سلام اور دعاؤں کے لیے حاضر ہوں۔ ستمبر کا شمارہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ تبصرہ صرف اتنا ہی کہ میری بہنا کی ہمت کو نہ سراہنا زیادتی ہوگی۔ اتنے نامساعد حالات کے باوجود شمارہ کی اشاعت میں تسلسل قائم رکھنا اُن کی خداداد صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ ان کے جذبہ کو سلامت رکھے کہ ہماری بصارتوں کے لیے رزق کا اہتمام کرتی ہیں۔ سب کو سلام' جو دنیا سے چلے گئے ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا' جو آفات ہیں ان کے خاتمے کے لیے اللہ سے عرض 'مالک ہم پر ہمارے ملک پر رحم اور کرم کرے آمین۔

☆ارشد بھائی! آپ جیسے بھائی ہوں تو ہمت آ ہی جاتی ہے۔ سچی کہانیاں کے تمام لکھنے اور پڑھنے والے اس قدر محبت اور مان دیتے ہیں کہ یقین کیجیے اپنا آپ بہت معتبر لگتا ہے کون کہتا ہے کہ نئی نسل بے ادب ہے اور پرانے لوگ بے مروت میں نے تو سب کو بہترین پایا اور دعا ہے کہ سچی کہانیاں فیملی کے ممبران ہمیشہ خوش باش رہیں۔

اس آخری خط کے ساتھ اپنی مدیرہ کو اجازت دیجیے اور سچی کہانیاں سے متعلق کوئی بھی بات ہو بلا جھجک مجھ سے کہیے۔ میں منتظر رہوں گی۔

دعاؤں کی طالب

منزہ سہام مرزا

حضرت بی بی ہاجرہؓ

ڈاکٹر تہمینہ عمیر

یونہی تو نہیں ہوئی ہے سنت ہاجرہ پیدا
یہ تھی ایک ایمان میں ڈوبی ماں کی صدا
حاجیوں پر صفا، مروہ کے چکر فرض کر دیے
اللہ کے حکم کی تعمیل نے زندہ رکھا آپ کو سدا

تاریخ انسانیت میں بہت سی ایسی خواتین گزری ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں، تقوی و ایمان، تہذیب نفس اور خود سازی کے ساتھ کامیاب زندگی بسر کی ہے۔ انہیں عظیم خواتین میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریک حیات اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادر گرامی جناب ہاجرہ ہیں اگر چہ ابتدائی دور میں وہ قصر میں ایک کنیز کے عنوان سے زندگی بسر کر رہی تھیں لیکن عیش و عشرت کی زندگی کی خواہشمند نہ تھیں کیونکہ ان کا دل معنوی اور الٰہی جلوؤں سے سرشار تھا اسی لیے آپ دنیا کی زرق و برق سے بیزار تھیں وہ دنیا کی فریبی اور فانی چمک دمک کو معنوی درجات کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ تصور کرتی تھیں گویا اس مادی زندگی سے نکلنے کے لیے لمحات شمار کر رہی تھیں اور ایک دن ان کی امیدوں میں بہار آ گئی اور ان کے نصیب جاگ اٹھے اور انہیں خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم ہو گیا اور پھر انہیں پیغمبر خدا حضرت ابراہیم کی شریک حیات بننے کا موقع بھی نصیب ہوا آپ اپنے شوہر نامدار کی پاکیزہ زندگی کی پیروی کرتے ہوئے ہدایت و کامرانی کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہوئیں۔

ہاجرہ اصل میں عبرانی لفظ ''ہاغاز'' ہے جس کے معنی ''بے گانہ'' ''اجنبی'' اور ''جدا ہونے والے'' کے ہیں۔ کنعان شام میں قحط کے آثار ختم ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ سارہ، بھتیجے لوطؑ اور حضرت ہاجرہ کے ساتھ مصر سے شام واپس آ گئے۔

ہاجرہ ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ اور اسماعیل کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ہاجرہ مصریہ کی اولاد بنی اسمعیل کہلائی اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی۔ ان کا وطن عرب رہا۔ فرعون مصر نے سارہ کو اپنی بیٹی جن کا نام ہاجرہ تھا، خدمت گزاری کے لیے دے دی تھی، سارہ نے یہی ہاجرہ ابراہیم کو عطا کر دیں۔

جناب ہاجرہ ایک متقی و پرہیزگار، سیاہ فام کنیز تھیں۔ جناب سارہ جو بے اولاد اور حضرت ابراہیم کے وارث نہ ہونے کی بناء پر مضطرب و پریشان تھیں انہوں نے حضرت ابراہیم سے

خواہش ظاہر کی کہ آپ اس متقی و پرہیز گار کنیز سے شادی کرلیں اور پھر اس طرح حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی سارہ کی خواہش کا احترام کر کے ہاجرہ سے عقد کرلیا اب ہاجرہ ایک کنیز نہ تھیں بلکہ وہ اللہ کے خلیل ابراہیم کی شریک حیات بن چکی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑھاپے کا سکون وسہارا بن گئیں۔

ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عمر مبارک چھیاسی برس (86) ہو چکی تھی لیکن اولاد کی نعمت تا حال انہیں عطا نہ ہوئی تھی۔

انہوں نے ربّ العزت کی بارگاہ میں اِستدعا کی۔

''اے رب! مجھے نیک صالح لڑکا عطا کر۔''

(سورۃ الصافات۔آیت نمبر 100)

وقت گذرتا رہا، ہاجرہ کے یہاں ایک معصوم بچہ پیدا ہوا حضرت ابراہیم نے اس کا نام اسماعیل رکھا ایک دن جناب سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہاجرہ اور ان کے فرزند کو کسی دوسری جگہ منتقل کردیں۔

خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کو وحی فرمائی کہ اسماعیل اور ان کی ماں کو شام سے باہر لے جائیں حضرت ابراہیم نے کہا۔

''خدایا میں انہیں کہاں لے جاؤں؟'' ارشاد ہوا۔

''اے ابراہیم انہیں امن و امان کی جگہ یعنی میرے حرم اور کرہ ارض کے پہلے مرکز پر لے جاؤ جسے میں نے خلق کیا ہے اور وہ مکہ ہے۔'' حضرت ابراہیم نے پیغام وحی الٰہی اور اس بے آب و گیاہ صحرا میں حضرت ہاجرہ نے اور اسماعیل کے محل سکونت کے بارے میں ہاجرہ کو خبر دی ہاجرہ جو اس سے پہلے سرسبز وشاداب اور بہترین آب وہوا سے سرشار سرزمین پر رہ چکی تھیں بغیر کسی چوں چرا کے مشیت الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کردیا اور خدا پر مکمل یقین و اعتماد رکھتے ہوئے شدید مصیبت و آلام کی وادی میں قدم رکھنے پر راضی ہوگئیں جب حضرت ابراہیم نے ہاجرہ میں صبر و اعتماد کا مشاہدہ کیا تو ان کے خلوص و اعتماد کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے چنانچہ حضرت ابراہیم اپنے اہل وعیال کے ساتھ سرزمین مکہ وادی ام القریٰ میں پہنچے تو ماں بیٹے کو وہاں چھوڑ دیا۔قرآن حکیم نے اس مقام کو ''وادی غیر ذی زرع'' کہا ہے پر پہنچے تو وہاں ایک درخت موجود تھا جناب ہاجرہ نے اپنی عبا اس درخت پر ڈال دی اور اپنے بچے کو اس کے سائے میں لے کر بیٹھ گئیں جب حضرت ابراہیم نے وہاں سے واپس جانے کا ارادہ کیا تو ہاجرہ نے کہا۔

''اے ابراہیم آپ ہم لوگوں کو ایسی جگہ چھوڑ کر جا رہے ہیں جہاں نہ پینے کے لیے پانی ہے اور نہ ہی کوئی مونس و ہمدم بلکہ یہ تو ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے؟'' ابراہیم نے کہا۔

''جس خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو یہاں چھوڑ دوں وہی خدا تمہاری مشکلیں آسان کردے گا۔'' ابراہیم نے اتنا کہہ کر دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور اپنی بیوی اور معصوم بچے کو مکہ کے بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑ کر شام واپس چلے گئے۔

یہ مکالمہ کچھ اس طرح بیان ہوتا ہے

''اے اللہ کے مقرب بندے' آپ ہمیں کس کے سہارے، چھوڑے جا رہے ہیں؟''

آپ نے فرمایا: ''اللہ کے سہارے۔''

بی بی ہاجرہ نے پوچھا۔

''کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔
''ہاں'' پاک باطن خاتون حضرت ہاجرہ بولیں۔
''آپ تشریف لے جائیں، بے شک اللہ ہمارا کفیل ہے، وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔''
مشکیزہ کا پانی اور کھجوریں ختم ہوگئیں تو شیر خوار بچہ بھوک اور پیاس سے رونے لگا، جنگل بیابان میں دور دور تک پانی کا نام ونشان نہیں تھا، بی بی ہاجرہ دوڑتی ہوئی قریبی پہاڑی پر گئیں کہ شاید پانی مل جائے مگر خشک پتھروں کے علاوہ وہاں کچھ نہ تھا، بچے کی تنہائی کا خیال آیا تو بھاگ کر نیچے واپس آئیں، شیر خوار بچہ بھوک کی شدت سے بلک رہا تھا۔ حضرت ہاجرہ بھی کئی وقت سے بھوکی، پیاسی تھیں کمزوری کی وجہ سے چلنا دشوار ہو رہا تھا لیکن بے قرار ہوکر دوسری طرف کی پہاڑی پر چڑھ گئیں کہ شاید آس پاس کسی آبادی کا نشان ملے یا کوئی قافلہ گزرتا ہوا نظر آجائے دور پاس ہر طرف ریت کے اڑتے ہوئے بگولوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہاں سے پلٹ کر پھر بچے کے پاس آئیں۔ اسمٰعیل رو رہا تھا، حضرت ہاجرہ پھر دل گرفتہ ہوکر پہاڑی کی طرف بھاگتی ہوئی گئیں۔
حضرت ہاجرہ نے بے قراری کے عالم میں دونوں پہاڑیوں کے مابین سات چکر کاٹے لیکن پانی نہیں ملا تو ساتویں مرتبہ حضرت ہاجرہ واپس آئیں تو دیکھا جس جگہ بچہ روتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہا تھا وہاں شفاف پانی کا چشمہ ابل رہا ہے۔
ماما کا یہ جذبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر مقبول ہوا کہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آنے والے ہر فرد پر یہ لازم قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ حضرت ہاجرہ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے صفا اور مروہ کے درمیان ''سعی'' کرے۔
تلاش وجستجو پر مشتمل اس عمل کی قبولیت کا ایک اشارہ یہ بھی تھا کہ ساتویں چکر میں بی بی ہاجرہ بچے کے پاس جب واپس آئیں تو دیکھا کہ جس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام روتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں سے ایک چشمہ جاری ہوگیا ہے۔ یہ چشمہ آج بھی موجود ہے۔ لوگ اس چشمہ کو ''آبِ زم زم'' کے نام سے جانتے ہیں اور ہزاروں سال گزرنے کے باوجود چشمہ کا پانی اسی طرح جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں مخلوق کے لیے شفاء رکھی ہے۔ حضرت ہاجرہ نے ربّ العزت کا شکرادا کرتے ہوئے بچے کو پانی پلایا اور اپنی پیاس بجھائی۔ اس وقت اللہ کا ایک فرستادہ فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے کہا۔
''خوف اور غم نہ کر اللہ تعالیٰ تجھ کو اور بچے کو ضائع نہ کرے گا۔ یہ مقام ''بیت اللہ'' ہے۔ جس کی تعمیر اس بچے اور اس کے باپ نے کرنی ہے۔''
یہ روایات بھی ملتی ہے کہ آخری مرتبہ جب پہاڑی پر کھڑے ہوکر آپ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں تو آواز آئی۔
''ہاجرہ اپنے مقام کی طرف آؤ۔'' آپ نے آکر دیکھا کہ بچے کے قریب ایک شخص موجود ہے اس نے اپنا تعارف کرایا۔
''میرا نام جبرائیل ہے، میں اللہ کا مقرب فرشتہ ہوں، اللہ نے آپ کی مدد کے لیے مجھے بھیجا ہے۔'' حضرت جبرائیل نے زمین پر اپنا پر مارا ٹھنڈے، میٹھے اور شفاف پانی کا چشمہ زمین سے ابلنے لگا۔
روایات کے مطابق جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم اور ان کی مدد سے

خانہ کعبہ کی تعمیر کی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

ابراہیم، کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے اور اسماعیل کوہ ذی طوی سے پتھر لاتے تھے اور جب ابراہیم و اسماعیل کعبہ کی تعمیر کر چکے تو جناب ہاجرہ نے اپنی عبا کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دی۔

جناب ہاجرہ فضائل و کمالات کے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں وہ حلیم و بردبار، متقی و پرہیزگار، مادیات سے مبرہ اور صرف خالق کائنات سے لو لگائے تھیں اسی وجہ سے آپ نے وطن اور شوہر سے دوری اور ہر طرح کی سختی و آلام کو برداشت کیا اور اپنے معصوم بیٹے اسماعیل کے ساتھ برسہا برس زندگی بسر کی۔ ہاجرہ نے پرودگار عالم کے خاص بندے اور اس کے پیغمبر کی اپنے آغوش عطوفت میں پرورش کی اس دوران حضرت ابراہیم کبھی کبھی انہیں دیکھنے آیا کرتے تھے اس کے علاوہ ان کا کوئی مونس و ہمدم بھی نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب ہاجرہ کی لیاقت و صلاحیت دیکھتے ہوئے جناب اسماعیل کی تربیت کی ذمہ داری کہ جو مشیت الٰہی تھی کہ انہی کی ذریت طاہرہ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوں گے انہیں سپرد کر دی جناب ہاجرہ نے اپنے فرزند کی تربیت و پرورش بڑے ہی اچھے طریقے سے کی۔ حضرت اسماعیل ابھی جوانی کی تیرہویں بہار ہی میں تھے لیکن معرفت الٰہی میں اس قدر غرق تھے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کے بارے میں حکم پروردگار سنایا تو اسماعیل نے حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ خداوند عالم سورۃ صافات کی آیت نمبر ایک سو دو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اسماعیل نے اپنے بابا کو مخاطب کر کے کہا۔

''بابا آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل کریں انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

اگر اسماعیل نے امر الٰہی کو ہر چیز پر مقدم کیا تو یہ ان کی ماں جناب ہاجرہ کی صحیح تربیت کی بہترین دلیل ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے مسلسل تین راتوں تک ایک ہی خواب دیکھا کہ وہ اپنے لخت جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔

''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں بتا تیری رائے کیا ہے؟''

فرماں بردار بیٹے نے عرض کیا کہ

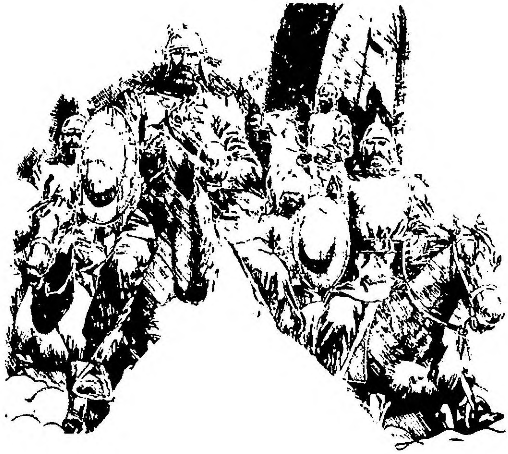
'' آپ اللہ کے برگزیدہ بندے اور پیغمبر ہیں۔ آپ اللہ کے حکم کی تعمیل بجالائیں، انشاء اللہ مجھے آپ صابر اور شاکر بندوں میں سے پائیں گے''۔

(سورۃ الصافات۔ آیت 102)

مشیت الٰہی کے تحت اللہ کے یہ دونوں برگزیدہ بندے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ روایت ہے کہ ابلیس حضرت ہاجرہ کے پاس آیا اور انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارادہ سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے لے جا رہے ہیں۔ بی بی ہاجرہ نے فرمایا کہ اسماعیل ہماری اکلوتی اولاد ہے اور بہت دعاؤں کے بعد یہ نعمت اللہ نے ہمیں عطا کی ہے، اسماعیل کا باپ ایسا نہیں کر سکتا کہ بلا وجہ اسے جان سے مار دے۔ ابلیس نے وار کارگر ہوتا دیکھ کر کہا، تمہارے اللہ نے ابراہیم کو یہی حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ یہ سن کر بی بی ہاجرہ نے کہا کہ ''اگر یہ میرے خالق کا حکم دیا ہے تو میں

اس کی رضا پر راضی ہوں۔"
حضرت ہاجرہ کو بہکانے میں ابلیس جب ناکام ہوا تو حضرت ابراہیم کے پاس آیا اور ان کے اندر موجود پدرانہ شفقت کے جذبات کو مہمیز کرنے کے لیے بولا کہ آپ عمر رسیدہ ہیں اور اسماعیل آپ کی اکلوتی اولاد ہے۔ اگر آپ نے اپنے بیٹے کو مار ڈالا تو آپ کی نسل نہیں بڑھے گی۔
حضرت ابراہیم نے جواب میں فرمایا۔
"اسماعیل سے میرا تعلق اللہ کی معرفت قائم ہے۔ اس سے میرا واسطہ اور تعلق صرف اس بناء پر ہے کہ اللہ نے اس کی پیدائش کے لیے میرا گھر منتخب فرمایا ہے۔ یہ بیٹا میرے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اللہ ہم سب کا مالک اور مختارِ کُل ہے۔ وہ جب چاہے اور جیسے چاہے حکم دے ہم سب اس کے تابع فرمان ہیں۔"
حضرت ابراہیم کے جواب سے ابلیس کو سخت مایوسی ہوئی لیکن اس نے حکم الٰہی کی تعمیل سے انہیں باز رکھنے کی کوشش جاری رکھی۔ اسے ایک اور ترکیب سوجھی کہ حضرت اسماعیل کی کم عمری کا فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے باپ سے متنفر کر دے لیکن حضرت اسماعیل نے اس کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔
حضرت اسماعیل نے فرمایا۔
"میں اس بات پر بخوشی راضی ہوں جو میرے اللہ کا حکم ہے، میرے والد اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ملائکہ مقربین کے سردار جبرائیل ان کے پاس وحی لے کر آتے ہیں، ان کا ہر عمل اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ مجھے قربان کر دینے کا حکم انہیں اللہ کریم نے براہ راست خواب میں دیا ہے اور انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ قربان گاہ کی طرف جاتے ہوئے ابلیس نے تین بار ان کے ارادہ میں خلل انداز ہونے کی کوشش کی اور ہر بار حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے اس پر سنگ باری کی اور اس کو اپنی راہ میں حائل ہونے نہ دیا۔ یہی وہ سنت ہے جس کو حجاج کرام ہر سال حج کے موقع پر دہراتے ہیں اور یہ سنت "رمی" کہلاتی ہے۔
دونوں باپ بیٹے جب اس مقام پر پہنچے جو موجودہ زمانے میں "منیٰ" کہلاتا ہے تو حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو زمین پر لٹا دیا اور گلے پر چھری پھیر دی۔
'اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم تو نے سچ کر دکھایا خواب، ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو۔ بے شک یہی ہے صریح جانچنا اور اس کا بدلا دیا ہم نے ایک جانور ذبح کو بڑا۔"
(سورۃ الصافات۔ آیت 105 تا 107)
خلاصہ یہ کہ پروردگار کی کنیز خاص ہاجرہ اس دار فانی سے ملک جاودانی کی طرف رخصت ہوگئیں اور انہیں جوار خانہ خدا میں دفن کر دیا گیا جب کہ یہ امر بھی مشیت الٰہی سے انجام دیا گیا تھا تاکہ قیامت تک تمام خدا پرست افراد اور طواف خانہ خدا کرنے والے اس عظیم کنیز کے ایثار و جذبے اور خدا پر توکل واطمینان کو ہمیشہ یاد رکھیں اور جان لیں کہ خدا کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہو چنانچہ پروردگار عالم سورۃ حجرات کی تیرہویں آیت میں ارشاد فرماتا ہے۔
"تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔"



تاریخ کے جھروکوں سے......

مخزوم کا سردار

حضور سرور کائنات ﷺ کے دور کی جھلک

ابتدائے اسلام' تاریخ کی رزم گاہ

منورہ نوری خلیق

آفتاب نصف النہار سے ڈھل چکا تھا گو کہ دھوپ میں ابھی خاصی حدت موجود تھی مگر قبیلہ مخزوم کے لوگ اس کی تمازت کو نظر انداز کرتے ہوئے گھروں سے نکل کر باہر میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ اس اجتماع پر بادی النظر میں کسی جشن کا گمان ہوتا تھا مگر دراصل اس وقت قبیلہ بنو مخزوم کی یہ منظّم جماعت جنگ کے لیے جانے والی تھی۔ چند دن قبل ہی ان کا ایک تجارتی قافلہ بنو کنانہ کے شرپسند جوانوں نے لوٹ لیا تھا۔ جس کا انتقام لینا ضروری تھا۔ اس کے لیے [illegible]ہ کیا گیا تھا اور جنگ کی اجازت ملنے پر دستور کے مطابق قریش قبائل کے سب سے دولت مند شخص

ولید بن مغیرہ کے قلعہ نما مکان میں جمع ہوئے اور قرعہ ڈالا۔

معززین مخزوم 'تیظتہ بن عمرو' عبداللہ بن مخزوم اور چند دیگر سرداروں نے یہ قرعہ تین مرتبہ ڈالا اور تینوں مرتبہ ایک ہی نام نکلا۔ ولید بن مغیرہ کے فرزند' خالد بن ولید' لہٰذا اب اس بہادر اور آہنی انسان کی قیادت میں یہ فوج تیار تھی۔ اس فوج میں پیارہ بھی تھے اور سوار بھی' بنی مخزوم کی بہادر عورتیں بھی' اطباء اور جراح بھی اور فی البدیہہ شاعری کرنے والے شعرا بھی' غرضیکہ جنگ کی تیاری بڑے اہتمام سے ہوئی تھی۔ اس فوج نے صبح سویرے ہی اپنے سر منڈوا دیے تھے تاکہ گتھم گتھا ہونے کی صورت میں دشمن انہیں بالوں سے عاجز نہ کر سکے۔ صف بندی عرب طرز کے مطابق کی گئی تھی۔ آگے نیزہ باز تھے جنہیں دشمن سواروں کا حملہ روکنا تھا ان کے پیچھے پیادہ فوج تھی جو بڑی ہی شان سے قبا' پاجامے اور جوتے پہنے ہوئے تھی۔ سوار زرہ اور فولادی خود میں تھے ان کے خود پر گدھ کے پر منڈھے ہوئے تھے جو دور سے کچھ عجیب نظر آ رہے تھے۔ فوج سے قدرے فاصلے پر ڈھول تاشے بج رہے تھے بنو مخزوم کے شعراء مرۃ اور منان ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تمنا میں شعر کہہ کہہ کر فوج کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔

(مرۃ)

بہادر جنگ کی آگ بھڑک اٹھی ہے
فضا اس شور سے معمور ہے

(منان)

لیکن آفریں ہے مخزوم کے دلیروں پر
جنہوں نے صبح صبح سر منڈوائے اور خود پہن لیے

دوسری طرف فوج کے ہمراہ جانے والی بہادر عورتیں کچھ اپنی تعریف میں کچھ امیر فوج خالد بن ولید کی تعریف میں مصروف تھیں۔ ایسے میں ولید بن مغیرہ کے دلیر اور غیر معمولی فرزند خالد بن ولید گھوڑے سے اتر کر آہستہ آہستہ اپنے بلند و بالا گھر کی عمارت کی جانب بڑھ رہے تھے۔ پر



روانہ ہونے سے قبل ماں کی قدم بوسی ضروری تھی۔ خالد بن ولید کبھی بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے تھے ہر جنگ پر جانے سے قبل وہ اس مقدس ہستی کے روبرو جھک کر دعائیں لینی نہ بھولتے تھے۔

خالد بن ولید درختوں کی قطار اور بیرونی احاطہ طے کرتے ہوئے محل کے مردانہ حصے سے گزر کر زنان خانہ میں پہنچ گئے ان کی آن بان کسی شہزادہ سے کم نہ تھی اور پھر شاندار شخصیت' دراز قد' کشادہ سخت سینہ' سرخ سرخ روح میں اتر جانے والی آنکھیں اور چہرے پر نرمی وسختی کے نرالے امتزاج نے انہیں حد درجہ بارعب بنادیا تھا۔

کنزیں اور خدام جو اپنی اپنی کارکردگی کے اظہار کے لیے تیزی سے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے اب کچھ اور بھی مرعوب ہوگئے۔ خالد بن ولید ان سب پر نظر ڈالتے ہوئے آہستہ خرامی سے اس کمرہ کی طرف بڑھ گئے جو ماں کے لیے مخصوص تھا ان کے مضبوط وچست جسم پر سپاہیانہ لباس اور سر پر خود انہیں ضرورت سے زیادہ متاثر کن بنا رہا تھا۔ انہوں نے کمراہ کے دروازہ پر رک کر دھیمی آواز میں اجازت لی۔

''اماں جان ہم آجائیں۔''

''آجاؤ۔'' ایک شفیق آواز نے اجازت دی یہ آواز تھی لبابتہ الصغریٰ بنت الحارث کی جو اپنے شوہر ولید بن مغیرہ کی ہم نسب اور باحثیت خاتون تھیں۔ ان کی کشادہ جبیں خوش بختی کا اعلان کررہی تھی۔ لباس قیمتی اور خوبصورت تھا۔ دروازے کے عین سامنے بڑے تخت پر ریشم کے تکیے سے ٹیک لگائے یہ خاتون اپنی نظیر آپ تھیں۔ خالد بن ولید داخل ہوئے اور ان کے سامنے جاکر جھک گئے۔

''اماں جان فوج رواہ ہوا چاہتی ہے ہمیں روانگی کی اجازت دیجیے۔'' لبابتہ الصغریٰ نے اپنے شفیق لب ان کی پیشانی پر رکھ دیے اور بوسہ دے کر بولیں۔

''خالد ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں لیکن یاد رکھنا ہم فاتح کی ماں کہلانا چاہتے ہیں مفتوح کی نہیں۔''

''اماں جان۔'' خالد بن ولید نے عقیدت سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''کیا آپ کے بیٹے نے کبھی آپ کو مایوس کیا ہے؟''

''نہیں......'' ماں مسکرادیں۔

''ہمیں تم پر فخر ہے اور چاہتے ہیں آئندہ بھی ہمیں فخر کا موقع دو۔'' خالد بن ولید نے سروقد کھڑے ہوکر انہیں دیکھا کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے مگر بغلی کمرہ کے دروازہ سے اس کمرہ میں داخل ہونے والی ایک نئی لڑکی کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔ جو حسن وجمال کی ملکہ تھی۔ اس کی بڑی بڑی مخمور آنکھیں جن نظروں سے چار ہوجائیں صبر وقرار لوٹ لیتیں۔ طلوع ہوتے آفتاب کی طرح روشن چہرہ کے دیکھنے والوں کی نظریں خیرہ ہوجائیں۔ سراپا اس قدر جاذب نظر تھا کہ ولید بن مغیرہ کے فرزند خود فراموشی کے عالم میں رہ گئے مگر ماں کی آواز نے سکوت توڑ دیا وہ تنبیہانہ انداز میں لڑکی سے مخاطب تھیں۔

''برہ...... کیا تمہیں علم نہیں کہ ہم اپنے فرزند سے محوِ گفتگو ہیں؟''

اس فقرہ پر لڑکی گڑبڑا گئی اس نے گھبرا کر خالد بن ولید کو دیکھا معافی کے انداز میں جھکی اور جدھر سے آئی تھی۔ اُدھر لوٹ گئی۔ خالد بن ولید احتراماً ماں سے کچھ دریافت نہ کرسکے۔ ہاں ان

کی نظریں سوال کر رہی تھیں اور لبابتہ الصغریٰ کو مفہوم سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہ ہوئی شفیق مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"تمہارے بابا جان نے نئی کنیز خریدی ہے سنا ہے ایرانی نژاد ہے مگر چونکہ ابھی آداب سے ناآشنا ہے لہٰذا ہم اسے اپنی صحبت میں رکھتے ہیں۔ بڑی ہی معصوم ہے بار بار غلطیاں کرتی ہے۔"

خالد بن ولید بے چین سے ہو گئے۔ پندرہ سالہ حسین برہ اسی سالہ ولید بن مغیرہ کے قابل نہ تھی مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتے یا دل گرفتہ ہو کر لوٹتے لبابتہ الصغریٰ نے وضاحت کی۔

"تمہارے بابا جان نے یہ لڑکی اپنے بیٹوں کے لیے خریدی ہے وہ یہ اعلان کرنے والے ہیں کہ برہ اس فرزند کو عطا کی جائے گی جو کوئی زبردست کارنامہ انجام دے گا اور مخزوم کے بوڑھے کاہن شمعون نے پیش گوئی کی ہے کہ خالد بن ولید کے مقدر کا ستارہ بلندی کی طرف حرکت کر رہا ہے۔ یقیناً وہ کوئی بڑا کام کریں گے۔ ویسے تمہارے بابا جان تم پر فخر کرتے ہیں۔ ہمیں بھی یقین ہے کہ تم کوئی کارنامہ انجام دے کر برہ کو جیت لو گے کیا برہ تمہیں پسند آ گئی؟"

اس سوال پر خالد بن ولید کا چہرہ سرخ ہو گیا اور شاید جذبات کو چھپانے کے لیے وہ جھک گئے۔ دھیمے سے بولے۔

"اماں جان ہمیں اجازت دیجیے۔"

"جاؤ اس شرط پر کہ فتح مند واپس آؤ گے۔"

لبابتہ الصغریٰ نے کہا اور خالد بن ولید واپس لوٹ گئے ان کی کمر سے تلوار لٹکی ہوئی تھی چال میں وقار اور سختی تھی۔ بیرونی دروازے پر ان کا خاص غلام مہران گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔

اس وقت خالد بن ولید قطعی نوعمر تھے اور مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آپ کے ساتویں دادا مرۃ آنحضرت ﷺ کے بھی ساتویں دادا تھے۔ اس طرح آپ کا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ سے ملتا ہے۔ مخزوم آپ کے پانچویں دادا تھے جن کے نام پر آپ کا قبیلہ بنی مخزوم مشہور ہوا۔ دراصل قریش عرب کا بہت بڑا قبیلہ تھا جو دس جلیل القدر خاندانوں پر مشتمل تھا۔ بنی ہاشم، بنی امیہ، بنو مخزوم وغیرہ اور یہ سب اپنے ذاتی اوصاف و شخصی کمالات کے باعث اپنی ایک جداگانہ حیثیت رکھتے تھے پھر آبادی بڑھتی گئی ہر خاندان پھیلتا گیا یہاں تک کہ یہ سب خاندان الگ الگ قبیلوں میں بٹ گئے لیکن اپنی جن خصوصیات کے باعث وہ معزز و محترم تھے وہ قائم رہیں چنانچہ قریش کا یہ مشہور گھرانہ بنی مخزوم شجاعت و فراست دولت کے اعتبار سے اپنا خاص درجہ رکھتا تھا۔

اس کی شجاعت کی مثال دینے کے لیے خالد بن ولید کا اسم گرامی کافی ہے۔ فراست و ذہانت کے باب میں مغیرہ مخزومی (خالد بن ولید کے دادا) کا نام بہت مشہور ہے۔ مغیرہ مخزومی اس خاندان کا وہ واحد فرد تھا جس نے اسلام سے بہت پہلے شراب کی برائیوں پر تقریر کر کے خود نہ پینے کا عہد کیا تھا اور جس نے اسلام سے مدتوں قبل چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی تھی جس کی توثیق اسلام نے کی اور دولت مندی و تمول کی مثال دینے کے لیے ولید بن مغیرہ (خالد بن ولید کے والد) کا ذکر کافی ہے۔ اس کی دولت مندی کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے۔ اس کے باغات مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے اور ہزاروں افراد اس کے در سے کھانا کھاتے تھے۔ اس کی ریاست و امارات کی ایک ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا

غلاف ہر سال تبدیل ہوتا ہے ایک برس یہ غلاف تمام قریش قبائل چندہ جمع کر کے بدلتے تھے مگر دوسرے برس ولید بن مغیرہ تنہا یہ غلاف تیار کراتا تھا۔ نیز تمام قبائل کی فوجوں کے لیے ہتھیار اور سواری کا انتظام بھی کرتا اور خیمے نصب کراتا۔ ہر برس جتنے لوگ حج کرتے انہیں منیٰ کے مقام پر دعوت دیتا۔ جنگجویانہ اوصاف اور سخاوت کی بدولت قبیلہ مخزوم قریش میں ایک بلند درجہ رکھتا تھا علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کی دادی فاطمہ بنت عمرو بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس طرح یہ گھرانہ معزز و محترم تھا اور اسی گھرانہ میں خالد بن ولید نے ولید بن مغیرہ کے گھر جنم لیا۔

آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں صحیح علم نہیں ہاں مورخین نے ان کے ساتھیوں میں فاروق اعظم اور عمرو بن العاص کے نام دیے ہیں لہٰذا قیاس ہے کہ آپ فاروق اعظم کے ہم عمر تھے۔ ان کی پرورش کے لیے بھی عرب دستور کے مطابق ذہنی و جسمانی آسودگی کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ وہ بلند قد و قامت اور چوڑے شانوں کے ایک پھرتیلے اور چست جوان تھے۔ مقابلہ کسی بھی قسم کا ہوتا' شہ سواری' نیزہ بازی' شمشیر زنی' تیراکی' تیر اندازی یا دوڑ جنگی داؤ پیچ اور تدبر و جسمانی قوت میں خالد بن ولید کی برابری قریش کا کوئی جوان نہ کر سکتا۔ مخزوم کے اس بہادر کا چرچہ گھر گھر تھا وہ مردوں اور عورتوں کی محفلوں میں یکساں مقبول ہو ہر دلعزیز تھا۔ قبیلہ مخزوم کے لوگ عرب قبائل میں اور عرب قبائل باہر جا کر اس پر فخر کرتے تھے مخزوم کے اس جوان کو قدرت نے بڑی ہی سعید اور صالح فطرت سے نوازہ تھا۔

☆......☆......☆

شام ہونے والی تھی تیز ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے اس وقت قبیلہ مخزوم کے شیخ ولید بن مغیرہ کے قلعہ نما مکان میں بڑی سنجیدہ محفل جمی ہوئی تھی آج ہمیشہ کی طرح نہ تو ٹھنڈے میٹھے دودھ کے پیالوں سے مہمانوں کی تواضع کی جا رہی تھی اور نہ مہکتے خوشبودار مشروب کا دور چل رہا تھا۔ یہ اعلیٰ طرز پر آراستہ طویل و عریض کمرہ ولید بن مغیرہ کی خاص نشست گاہ تھی یہاں کی ہر چیز سے نفاست و امارات عیاں تھی۔ قیمتی قالین سے ڈھکا ہوا بڑا تخت ریشمین نرم گاؤ تکیے' آرام دہ کرسیاں اس بات کی علامت تھیں کہ عرب قبائل میں اس قدر آراستہ و پیراستہ مکان کسی بھی رئیس کا نہیں ہے' اس نشست گاہ کے متعدد دروازے تھے جن سے باہر کی طرف ایک ایک گز جگہ چھوڑ کر درختوں کی باڑ اس طرح لگائی گئی تھی کہ تمام دروازے کھلے ہونے کے باوجود باہر سے بے پردگی بھی نہ ہوتی تھی اور اندر بیٹھنے والے بہ آسانی باڑ کے پچھلی طرف دیکھ بھی سکتے تھے اور پھر ان درختوں سے لپٹی ہوئی بیلیں اور پھولوں نے کمرہ کی فضا کو معطر کر دیا تھا۔ گرمی کے باوجود گرم ہوا اندر آتے آتے فرحت بخش محسوس ہونے لگتی تھی۔

ولید بن مغیرہ کی دولت مندی اور بیٹوں کی فراوانی نے اسے سب کی نظروں میں باعزت کر دیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس کے بارہ فرزند تھے۔ ایک کے مطابق نو اور ایک روایت سے چھ بیٹے تھے (لیکن مسلمان ہونے کی سعادت صرف تین کے مقدر میں تھی۔ ولید بن ولید' شام بن ولید اور خالد بن ولید) اس وقت اس نشست گاہ میں تخت اور کرسیوں پر کئی سردار براجمان تھے اور ولید بن مغیرہ بے تابی سے ٹہل رہا تھا گو کہ اس وقت وہ طویل العمر تھا مگر چال ڈھال اور چہرے بشرے میں وہی سرداروں جیسا وقار تھا۔ وہ کھلے

دریچہ سے بار بار باہر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی کا منتظر ہوا بھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز نے سب کو چونکا دیا پھر خالد بن ولید اپنا گھوڑا مہران کے سپرد کر کے اس نشست گاہ میں داخل ہوئے اور دریافت کیا۔

''بابا جان کیا سب لوگ جمع ہیں جنہیں آپ نے یاد کیا تھا۔''

''ہاں......'' ولید بن مغیرہ نے کہا۔

''معزز امیہ بن خلف' ابوالحکم (ابوجہل) ابوسفیان' معزز عتبہ ابولہب اور ابن عاص تشریف لے آئے ہیں۔''

خالد بن ولید نے ان تمام معززین سے معانقہ کیا۔ ان کے علاوہ مختلف قبائل کے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ پھر وہ بولے۔

''بابا جان...... گفتگو شروع کی جائے۔''

''ہاں مجھے صرف تمہارا انتظار تھا۔'' ولید بن مغیرہ بولا۔ پھر اس نے ناظرین کی جانب رخ کیا اور کہا۔

''میرے دوستو! ہمارے قبیلے' ہماری حکومت اور دولت سب کچھ خطرہ میں ہے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر بنو ہاشم کے معزز شخص محمد بن عبداللہ ﷺ نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور معززین عرب کو اپنے اَن دیکھے خدا اور اس کے عذاب سے ڈرا کر بھٹکانے کی کوشش کی ہے اور سنا ہے کہ اب عام طور پر وہ یہی تبلیغ کر رہا ہے اس خیال ہے کہ صدیوں سے ہم جن بتوں کی پوجا کر رہے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ عبدالمطلب کے اس یتیم پوتے اور شیخ مکہ ابوطالب کے بھتیجے پر کسی نے جادو کر دیا ہے یا وہ مریض ہے یا اس طرح ہم سب کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے مگر جو چیز ناقابل برداشت ہے وہ یہ ہے کہ وہ سر عام ہمارے معبودوں کو' ہمارے آباؤ اجداد کے معبودوں کو' باطل کہہ رہا ہے اور ہم اپنے معبودوں کی توہین کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتے لہٰذا اس وقت سے قبل کہ عبدالمطلب کا پوتا اپنے خیالات کو عام کرے' ہمیں چاہیے کہ شدت سے اسے روک دیں۔ میں نے اپنے تمام دوستوں کو اس وقت اسی لیے جمع کیا ہے سب سے مشورہ کرنے کے بعد میں کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا میں گزارش کروں گا کہ آپ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔''

یہ سن کر امیہ بن خلف اٹھا اور بولا۔

''میرے دوست' اگر یہ محفل دارلندوہ (قریش کا پارلیمانی ایوان) میں جمتی تو زیادہ مناسب تھا لیکن تمہارا خیال بھی صحیح ہے کہ پہلے ہم مستعد ہو جائیں پھر دارالندوہ میں اجلاس طلب کریں گے اس وقت میں صرف یہ مشورہ دوں گا کہ ہمیں فوری طور پر دو کام کرنے چاہییں اول یہ کہ محمد بن عبداللہ ﷺ کو آئندہ موقع نہ دیں کہ وہ کہیں بھی لوگوں سے خطاب کر سکے دوسری بات یہ کہ ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے عقیدہ سے کون کون متاثر ہے تاکہ انہیں خطرہ بڑھنے سے قبل ہی ختم کر دیا جائے۔''

ابوجہل عرب قبائل میں اپنی ذہانت کی بدولت ابوالحکم مشہور تھا اس کی عادت تھی کہ قہقہہ مار کر ہتک آمیز انداز میں بات کرتا تھا لہٰذا اس وقت بھی وہ ہنسا اور بولا۔

''دراصل بات یہ ہے کہ لوگوں کے علم میں یہ بات ہے کہ دنیا کی اصلاح کے لیے کوئی نجات دہندہ پیدا ہوگا لیکن میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ نہ اس کا وقت ابھی آیا ہے اور نہ ابوطالب کا بھتیجا اس منصب کے قابل ہے۔ محمد بن عبداللہ بن

عبدالمطلب ﷺ شیخ مکہ کی قرابت داری سے فائدہ اٹھا کر یہ ڈھونگ رچا رہا ہے کہ اس کے پاس فرشتہ آیا اور آسمانی کتاب اتری ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس کا مقصد عرب قبائل میں شہرت اور سرداری حاصل کرنا ہے بس اس شوق کو اس نے مذہبی رنگ دے دیا ہے اور کچھ نہیں۔ کچھ عرصہ بعد یہ نبوت کا بھوت (نعوذ باللہ) خود ہی اتر جائے گا۔"

"واہ ابوالحکم۔" عتبہ نے داد دی۔

"تیری ذہانت کا جواب نہیں تو نے بات تو سوفیصد صحیح کی مگر یہ وضاحت نہ کی کہ اس فتنہ (نعوذ باللہ) کا سدباب کیسے ہو؟"

یہ سن کر ابولہب کھڑا ہو گیا اس کا رنگ سرخ تھا اور ایک آنکھ ٹیڑھی تھی جب تقریر کرتا تو منہ سے کف اڑتا اس نے کہا۔

"میرے ساتھیو! کوہِ صفا پر میرے بھتیجے نے تقریر کی۔ اس سے جس قدر دکھ مجھے ہوا ہے شاید ہی کسی کو ہوا ہو تم سب جانتے ہو میری عمر بھر کی توقعات ختم ہو گئیں چند دن قبل تک میں محمد ﷺ کو بنو ہاشم کا قابل فخر مرد سمجھتا تھا۔"

"مجھے اس پر ناز تھا۔ لیکن جب سے اس نے میرے معبودوں کی ذلت کی ہے اور خواہ مخواہ کے عذاب سے ڈرایا ہے تب سے ندامت و غم سے میری گردن جھک گئی ہے لہٰذا میں تم سب کو گواہ بنا کر اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کی حفاظت کا عہد کرتا ہوں۔"

سب نے اسے داد دی' اس وقت ابوسفیان افسردہ بیٹھا تھا ولید بن مغیرہ نے کہا۔

"ابن حرب تو کیوں لب بند ہے کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں......" ابوسفیان نے کہا۔

"میں نے آج ایک اس سے بھی بری خبر سنی ہے۔"

"وہ خبر کیا ہے؟" سب نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"میں نے سنا ہے کہ محمد بن عبداللہ ﷺ نے اب جو کوہ صفا پر چڑھ کر تقریر کی ہے وہ ایک عام دعوت ہے جس کے باعث قریش کے لوگوں کی خاصی جماعت اس کے ساتھ ہو گئی ہے۔"

"مثلاً کون کون اس کے دین میں شامل ہوئے ہیں؟" عمرو بن العاص نے پوچھا۔

"نہایت معتبر ذرائع سے یہ خبر ملی ہے کہ ابن ابی قحافہ' علی ابن ابی طالب' عمرو بن عنبسہ' خالد بن سعید' عثمان بن عفان' زبیر بن عوام' عبدالرحمٰن بن عوف' طلحہ بن عبداللہ' سعد بن وقاص' ابوعبیدہ بن جراح' عبدالاسد بن بلال' عثمان بن مطعون' عامر بن فہیرہ ازدی' ارقم اور بلال حبشی اس دین میں شامل ہو چکے ہیں اور خود کو مسلمان اور اس دین کو 'اسلام' کہتے ہیں۔" اس وقت محفل پر سکتہ طاری تھا چند لمحے حیرت کی نذر ہو گئے پھر امیہ بن خلف غصہ سے گرجا۔

"ابن حرب' کیا یہ سچ ہے کہ بلال میرا غلام اس دین میں داخل ہو گیا ہے۔"

'کیا آپ مجھ سے جھوٹ کی توقع کرتے ہیں؟" ابوسفیان نے سوال کیا۔

"نہیں تو جھوٹ نہیں بولتا۔" امیہ بن خلف کا چہرہ غصہ سے سرخ تھا۔ لیکن اگر بلال حبشی نے یہ قدم اٹھایا ہے تو میں اسے دیکھ لوں گا میں اس کے سات وہ کروں گا جو عرب کے کسی آقا نے اپنے غلام کے ساتھ نہ کیا ہوگا۔" اس وقت سب خاموش تھے قدرے توقف کے بعد ابوجہل نے کہا۔

"عمرو بن العاص اور خالد بن ولید جیسے جوانوں کو چاہیے کہ مکمل معلومات حاصل کریں۔"
"یا عم......" خالد بن ولید نے کہا۔
"ہم قبہ اور اعنہ (فوجوں کے خیمے نصب کرانے اور فوجوں کو ہتھیار و سواری فراہم کرنے) کا فرض ادا کرتے ہیں اس لیے سب قبائل ہم سے تعلق رکھنے پر مجبور ہیں۔ میں آج ہی مختلف قبیلوں میں دورہ کرنے والے سرداروں کو حکم دیتا ہوں کہ معلومات حاصل کریں۔"
"یہ تو سب ہو جائے گا مگر اس کا سدباب کیسے ہو؟" ابوسفیان نے کہا۔
"ہاں......" ابوجہل نے تشویش کا اظہار کیا۔
"اگر یہ دین عورتوں میں پھیل گیا تو سمجھو کہ نسلوں میں سرائیت کر گیا پھر تو ہماری نسلیں بھی مٹ جائیں گی تب بھی اسے ختم نہ کر سکیں گی۔"
"جن کے مردوں نے یہ دین اختیار کیا ہے کیا ان کی عورتیں محفوظ ہوں گی؟" خالد بن ولید نے پوچھا۔
سب خاموش رہے پھر ولید بن مغیرہ نے بے تابی سے کہا۔
"مجھے آپ سب حضرات یہ بتائیں کہ اس نئے عقیدے کے خاتمے کے لیے کیا کیا کر سکتے ہیں؟"
"پہلے تم بتاؤ کہ کیا کرو گے؟" ابوسفیان نے پوچھا۔
"ابن حرب......" ولید بن مغیرہ نے جوش کے عالم میں کہا۔
"میں محمد ﷺ کے دین کے خلاف اپنی تمام دولت اور تمام بہادر بیٹے داؤ پر لگا دوں گا۔"
سب نے اسے توصیفی نظروں سے دیکھا پھر ابوجہل بولا۔
"معبود اعظم ہبل کی قسم میں آخری دم تک اپنی پوری قوت سے اس دین کے خلاف جسے وہ 'اسلام' کہتے ہیں جنگ کروں گا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔" یہ کہہ کر وہ قہقہہ مار کر ہنسا تو ابوسفیان نے اسے غصہ سے دیکھا اور بولا۔
"ابوالحکم! یہ ہنسی کا کونسا موقع ہے۔"
"میں کامیابی کے تصور سے ہنس دیا تھا۔" ابوجہل نے کہا۔
"ورنہ میرے ذہن میں بڑی خوبصورت بات آئی ہے۔"
"کیا......" سب نے پوچھا۔
"میں اس کا اعلان دارالندوہ میں کروں گا۔" ابوجہل نے کہا۔
"بہرحال اب ہم سب کو متحد ہو جانا چاہیے۔ تاکہ خطرے کو وقت سے پہلے ہی روک دیں۔" عمرو بن العاص نے کہا۔
"ہاں یہ صحیح ہے۔" امیہ بن خلف بولا۔
"آج یہ فیصلہ کر لو کہ مقدور بھر کوشش کرنی ہے کہ ابوطالب کا بھتیجہ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو اور آئندہ محفلیں گھروں میں نہیں دارلندوہ میں منعقد ہوں گی تاکہ کام کا آغاز اعلیٰ پیمانے پر ہو سکے۔"
اس فیصلہ کے بعد سب نے خالد بن ولید کو دیکھا جن کے رخ سے غصہ و جوش عیاں تھا۔
"ولید کے بہادر فرزند' تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"
"کیا بابا جان نے میرے لیے فیصلہ نہیں کر دیا؟" خالد بن ولید نے کہا۔
"ابھی میرے پدر بزرگوار نے بھی یہ بات کہی ہے اور اب میں بھی آپ سب کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ اپنی تلوار کی پوری قوت اسلام کے

خاتمے کے لیے استعمال کروں گا اور آپ سب یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ ابن ولید نے ابھی تک شکست نہیں کھائی۔''

''بے شک بے شک......'' معززین عرب نے اعتراف کیا اور پھر محفل برخاست ہوگئی۔

☆......☆......☆

صبح کا سہانا وقت اور نسیم سحری کے خوش گوار جھونکے مخموران بادہ نشاط کو جیسے تھپکیاں دے رہے تھے آفتاب طلوع ہونے میں ابھی خاصی دیر تھی مگر ستارے درزیدہ نگاہوں سے دنیا کو دیکھ کر رخصت ہورہے تھے اور چاند جس نے تمام شب کائنات پرنور کی بارش کی تھی اب چاندنی سمیٹ رہا تھا ایسے میں ولید بن مغیرہ کے گھر کے اردگرد طویل و بلند قامت درختوں پر طائران خوشنوانغمہ سنجی کررہے تھے۔ خالد بن ولید صبح کے جھٹپٹے میں اپنی خواب گاہ سے نکل کر درختوں کی باڑ کے ساتھ ساتھ اور اپنے گھر کے عقبی کشادہ سبزہ زار میں چہل قدمی کرنے کے عادی تھے اس وقت بھی وہ اس سہانے وقت کا لطف لے رہے تھے۔ اچانک سبزہ زار میں ٹہلتے ٹہلتے وہ ٹھٹک گئے چند دن قبل جس لڑکی کو ماں کی نشست گاہ میں دیکھا تھا وہ ننگے پاؤں سبزہ پر چلتے ہوئے قریبی پودوں سے پھول توڑ رہی تھی۔ خالد بن ولید چند لمحے بلاکسی جذبے کے بغور اسے دیکھتے رہے۔

''برہ......'' ان کے ذہن میں اس پندرہ سالہ معصوم حسن کا نام ابھرا۔ پھر وہ اپنے باپ کی انوکھی پسند اور نئے خیال پر مسکرا دیے۔ یہ ایرانی لڑکی ولید بن مغیرہ نے اپنے بیٹوں کے لیے خریدی تھی اور اب کوئی خاص اعلان کرنے والے تھے۔ ابھی خالد بن ولید محوفکر ہی تھے کہ لڑکی پلٹی بلاشبہ وہ غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔ کوئی شخص بھی اس کی دلکشی و رعنائی کو نظرانداز نہ کرسکتا تھا۔

انہیں محسوس ہوا کہ ہر روز وہ جس صبح کے حسن کے نظارے کے لیے باہر آتے ہیں برہ اس سے کہیں زیادہ حسین لڑکی ہے۔ اسی لمحہ برہ کی نظران پر پڑی تو وہ چونک گئی پہچان لینے کی چمک آنکھوں میں پیدا ہوئی اور وہ ان کی شخصیت سے بری طرح مرعوب ہوگئی۔ اس کا کشادہ سینہ تو ہر فرد ہی کو مرعوب کردیتا تھا وہ بے چاری تو ایک نوعمر ایرانی لڑکی تھی جو عرب آداب تک سے ناآشنا تھی۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

''جناب مجھے علم نہ تھا کہ آپ اِدھر ہوں گے۔''

''ورنہ تم پھول توڑنے اِدھر نہ آتیں۔'' خالد بن ولید نے کہا۔

''برہ اِدھر آنے پر کوئی پابندی نہیں ہے تم ہر وقت ہر جگہ جاسکتی ہو۔''

''کیا آپ ہر رز اِدھر نہیں آتے؟'' برہ نے پوچھا۔

''ہم جب اپنے قبیلے میں ہوتے ہیں تو اِدھر بھی آتے ہیں لیکن ہم زیادہ وقت قبیلے سے باہر گزارتے ہیں اسی لیے تم نے ہمیں نہیں دیکھا۔'' خالد بن ولید نے نرمی سے کہا۔

برہ نے شکریہ ادا کیا اور سلام کرکے عمارت کے زنانہ حصے کی طرف چلی گئی اور تھوڑی دیر چہل قدمی کرنے کے بعد جب سورج کی کرنیں اطراف عالم کو منور کرنے لگیں اور ہوا کے خوش گوار جھونکوں میں بلند ہوتی کرنوں کی تمازت رچنے لگی تب خالد بن ولید طعام خانہ کی طرف بڑھ گئے جہاں اس وقت ان کے والدین اور تمام بھائی ان کے منتظر تھے یہ طویل و عریض طعام خانہ تھا جہاں مختلف شہروں سے آئی ہوئی خوردونوش کی

واع و اقسام کے کھانے اور قوت بخش
ئی ہوئی تھیں خدام اور کنیزیں باادب
تہ تھے کہ حکم ہوتے ہی تعمیل کرسکیں۔
لد بن ولید ان سب کے سلام کا جواب
وئے اندر داخل ہوگئے۔ ولید بن مغیرہ
ں جانب لبابتہ الصغریٰ براجمان تھیں۔
رف کی نشست خالد بن ولید کے لیے خالی
سامنے ان کے برادران بیٹھے ہوئے
ید بن ولید اور ہشام بن ولید کے نام
ں نمایاں ہیں۔لبابتہ الصغریٰ اور ولید
نے محبت وفخر سے اپنے اس فرزند کو دیکھا
ے بارے میں بڑی بڑی پیشگوئیاں ہورہی
ر قبائل ناز کرتے تھے۔ پھر لبابتہ الصغریٰ
ں میں ابلا ہوا دودھ کا پیالہ انہیں دیا۔
ولید نے شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ پیالہ
ور گھونٹ گھونٹ پینے لگے اور پھر وہی
چھڑ گیا جواب عرب کے تمام قبیلوں میں
ہا تھا ولید بن ولید نے کہا۔
با جان کل شام مکہ کے بازار میں محمد ﷺ
عجیب تقریر کی جسے میں نے خود سنا۔''
لیا کہا اس تقریر میں؟'' لبابتہ الصغریٰ
فت کیا۔
اں جان وہ تقریر تو کچھ عجب تھی۔'' ولید
نے کہا۔
خ مکہ ابوطالب کے بھتیجے نے کہا۔لوگو جسم
ت سے' لباس' گندگی سے زبان کو فحاشی
سب کو جھوٹے اعتقاد سے بچاؤ یاد رکھو لین
دغا نہ کرنا وعدہ کو پورا کرنا خدا کی ذات
سے پاک اور لاشریک ہے۔لہٰذا سب
خود ساختہ معبودوں کو چھوڑ کر اسی کی
رو۔''

''بکواس بند کرولید......'' ولید بن مغیرہ نے فرزند کو ڈانٹا۔اس کے چہرہ پر وحشت برس رہی تھی مگر نجانے آج ولید بن ولید کے رخ پر کیا تھا وہ دھیمی آواز میں بولا۔

''باباجان......محمد ﷺ کی آواز مکہ میں گونج رہی تھی اور مجمع جمع ہورہا تھا میں نے کسی مقرر کی زبان میں اتنی تاثیر نہیں دیکھی کہ......''

مگر فقرہ مکمل ہونے سے قبل ہی ولید بن مغیرہ نے ایک چانٹا بیٹے کے منہ پر مارا اور ولید بن ولید آگے بات نہ کرسکے۔ (مورخین کے مطابق ولید بن ولید حضرت خالد بن ولید سے بہت پہلے مسلمان ہوگئے تھے) مگر محسوس ہوتا تھا کہ باپ کے طمانچہ کا ان پر زیادہ اثر نہ ہوا ہاں کچھ کہنے میں احترام مانع تھا۔لبابتہ الصغریٰ بولیں۔

''ولید خود تو کچھ نہیں کہہ رہا جو آپ اسے مار رہے ہیں وہ تو محمد بن عبداللہ ﷺ کے الفاظ دہرا رہا ہے۔''

''اپنے معبودوں کی توہین میں برداشت نہیں کرسکتا۔'' ولید بن مغیرہ نے کہا۔

''چہ جائیکہ ان توہین آمیز الفاظ کو میرے ہی فرزند دہرائیں۔''

تھوڑی دیر بعد ولید بن ولید ناشتہ کرکے باہر چلے گئے تو خالد بن ولید نے کہا۔

''باباجان آپ کو ولید پر تشدد نہ کرنا چاہیے تھا۔''

''تم نہیں جانتے خالد۔'' ولید بن مغیرہ پاگلوں کی طرح گرجا۔

''میں نے آج ولید کی نظروں میں وہ چیز دیکھی ہے جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اور میں عرب کے معززین سے یہ سننا نہیں چاہتا کہ میرا ہی فرزند اس نئے دین سے متاثر ہے۔ میں اپنی دولت اور

اولاد سب اس کوشش میں ختم کر سکتا ہوں کہ اسلام عام نہ ہو لیکن اپنی کسی ایک اولاد کے لیے بھی یہ لفظ نہیں سنوں گا۔''

خالد بن ولید خاموش بیٹھے رہے۔ اس شام ولید بن مغیرہ نے نجانے مصلحت وقت کے پیش نظر یا حقیقت میں یہ اعلان کیا کہ ایرانی کنیز برہ وہ اپنے اس فرزند کو عطا کریں گے جو عرب سے اسلام کو مٹانے میں سب سے اہم کارنامہ انجام دے گا۔ ہوا یوں کہ شام کے وقت سب لبابتہ الصغریٰ کی نشست گاہ میں جمع تھے اور ولید بن مغیرہ بھی وہاں موجود تھا تب اس نے کہا۔

''فرزندو' کیا تمہیں علم ہے کہ ہم نے فر کے دوران ایران میں ایک غیر معمولی خوبصورت لڑکی دیکھی اور خرید لی۔'' ولید بن ولید بولے۔

''بابا جان میں نے سنا تو ہے مگر اسے دیکھا نہیں۔'' ہشام اور خالد بن ولید بولے۔

''ہم نے اسے دیکھا ہے مگر اس سودے کی اصلیت سے لاعلم ہیں۔''

''اچھا......'' ولید بن مغیرہ بولا۔

''پچھلے ماہ میں محض تفریح کی غرض سے مختلف علاقوں میں گیا تھا تب ایران میں' میں نے سنا کہ مہر جان عادل کے پاس ایک کم سن لڑکی ہے جسے وہ فروخت کرنا چاہتا ہے میں نے سودا کیا تم جانتے ہو اس کی قیمت کیا ہے۔''

''کیا؟'' سب بیٹے ہمہ تن گوش تھے۔

''اعلیٰ نسل کے تیرہ گھوڑے۔'' ولید بن مغیرہ نے کہا۔

''جی......'' بیٹوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔

''ہاں......'' ولید بن مغیرہ نے اطمینان سے کہا۔

''اور عربی نسل کے تیرہ گھوڑے دے کر بھی میں سمجھتا ہوں کہ برہ ان سے زیادہ قیمتی ہے۔''

اس وقت حضرت خالد بن ولید نے محسوس کیا کہ ولید بن مغیرہ کی بات صحیح ہے۔ ولید بن مغیرہ پھر بولا۔

''سنو...... خالد' ہشام' ولید اور میرے سب بیٹو برہ کو خریدتے وقت میرے دل میں خواہش تھی کہ اسے اپنے اس فرزند کو عطا کروں گا جو سب سے بڑا کارنامہ انجام دے گا۔ یعنی بین القبائلی مقابلوں میں فتح پائے گا۔ کوئی بہت بڑی جنگ جیتے گا یا کوئی دوسرا اہم کام سرانجام دے گا لیکن آج میں اعلان کرتا ہوں کہ اس وقت سب سے بڑا کارنامہ مکہ سے اسلام کا خاتمہ ہے گو یہ بات ابھی نئی ہے مگر مجھے یقین ہے اس کے اثرات پھیلنے شروع ہو گئے ہیں انہیں ختم کر کے اسلام کو جڑ سے اکھاڑ دینے میں تم لوگ کیا کرو گے؟''

''بابا جان......'' ایک فرزند نے کہا۔

''معززین قریش محمد ﷺ اور مسلمانوں کو اذیتیں دینے اور رسوا کرنے کے لیے دو جماعتیں بنا رہے ہیں میں نے اپنا نام ان میں لکھوا دیا ہے۔''

''یہ تم سے کس نے کہا؟'' ولید بن مغیرہ نے پوچھا۔

''یہ فیصلہ بہت سے سرداروں نے کیا ہے۔ وہاں میں بھی موجود تھا لیکن اس کا باقاعدہ اعلان دارالندوہ میں کیا جائے گا۔'' وہ بولا۔

''بہت جلد وہاں جلسہ ہو گا۔''

''تم نے اچھا کیا۔'' ولید بن مغیرہ بولا۔

''اور بابا جان......'' دوسرا بیٹا بولا۔

''میں نے جو کچھ کیا وہ آپ نے ہی نہیں کل صبح مکہ کے بازار میں محمد ﷺ نے جب تقریر کی

اور ہمارے معبودوں کو برا کہا تو میں اور میرے کئی دوست ان پر مٹی اور پتھر برسانے لگے یہاں تک کہ سننے والوں کا مجمع چھٹ گیا۔"

"واہ......" ولید بن مغیرہ نے داد دی۔

"تم لوگ اپنا معمول بنالو کہ جہاں کوئی مسلمان یا ان کا یہ نبی جائے ان پر اس قدر سنگریزے برساؤ کہ ان کے ہوش خطا ہو جائیں اور وہ بھاگ جائیں۔" چند لمحے سب مسرور سے بیٹھے رہے پھر لبابتہ الصغریٰ نے کہا۔

"یہ بردہ ایرانی ہے اس لیے عرب آداب سے ناآشنا ہے کتنا عرصہ ہو گیا ابھی تک ناسمجھ ہے۔"

"جب تک میرے فرزند اس سخت مقابلے میں جیت کر اسے حاصل کرنے آئیں گے تب تک وہ سب کچھ سیکھ لے گی۔ ویسے وہ کم فہم نہیں ہے۔" ولید بن مغیرہ نے کہا۔

"ہاں اتنی جلد ہماری زبان سیکھ گئی ہے یہ ذہانت کی بات ہے۔" لبابتہ الصغریٰ نے کہا۔

تھوڑی دیر یہ موضوع جاری رہا۔ پھر خالد بن ولید نے کہا۔

"میں صبح سویرے ہی قبائل کے دورے پر جانے والا ہوں۔"

"تم اس بات کا خیال رکھنا کہ مسلمانوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ لوگ تمہارے ہم خیال ہو سکیں نیز معلوم کرنا کہ کتنے لوگوں میں نئے دین کا چرچہ ہے۔" ولید بن مغیرہ نے کہا۔

"بابا جان آپ مطمئن رہیے میں عہد کر چکا ہوں کہ اپنی تلوار کی پوری قوت اسلام کے خلاف استعمال کروں گا۔" خالد بن ولید نے کہا اور آپ فخر کریں گے کہ اسلام کو مٹانے میں سب سے بڑا کارنامہ میں نے انجام دیا۔"

یہ کہتے کہتے خالد بن ولید رک گئے انہیں محسوس ہوا کہ اس فقرہ کے پس پردہ کوئی اور خواہش کارفرما ہے جسے وہ قلب کی گہرائیوں میں چھپائے ہوئے تھے مگر ولید بن مغیرہ اور لبابتہ الصغریٰ اس بات اور انداز پر مسکرا دیئے اور جب خالد بن ولید کمرہ سے چلے گئے تو ولید بن مغیرہ نے کہا۔

"اُم خالد، تم خوش قسمت ماں ہو، جانتی ہو ہمارے فرزند کے لیے عرب کے سب سے بڑے کاہن شمعون نے کیا کہا ہے؟"

"کیا......؟" لبابتہ الصغریٰ نے اشتیاق سے انہیں دیکھا۔

"شمعون نے مخزوم کے تمام مردوں کے سامنے کہا ہے کہ خالد بن ولید کا ستارہ بہت بلندی پر ہے اور وہ کوئی غیر معمولی حیثیت حاصل کرنے والا ہے پہلے میرا خیال تھا کہ اب میں ضعیف اور کمزور ہوں لہٰذا قبیلہ مخزوم کی سرداری خالد کو سونپ دوں لیکن شمعون نے کہا ہے کہ کالد کا مقام قبیلہ کی سرداری سے بہت بلند ہے۔" لبابتہ الصغریٰ کی آنکھیں فخر و مسرت سے چمک گئیں خالد بن ولید پر انہیں خود بھی ناز تھا۔

بانیِ اسلام کو عاجز کرنے کی کاوشیں شروع ہو گئیں تھیں۔ اسلام کی عظیم تعلیم اہل قریش کے ذہنوں کے قطعی خلاف تھی وہ ادنیٰ و اعلیٰ میں تقسیم تھے اور اسلامی تعلیم ابوبکر صدیق اور بلال حبشی کو ایک مرتبہ دے رہی تھی مساوات کا یہ انوکھا تصور ان کی توہین تھی قریش ہی کیا بلکہ تمام عرب قبائل بت پرست تھے لہٰذا ان دیکھے خدا کو ماننا اور خدا کی طرف رہنمائی کے لیے انسان کا آنا ان کی عقلوں سے بالاتر تھا اور سب سے بڑی اور اہم وجہ جو اسلام کو جھٹلانے کی تھی کہ لوگ ہر قانون اور

قاعدے سے آزاد اور ہر بندش سے بے نیاز تھے جس کی بدولت وہ ایسی بے شمار برائیوں میں ملوث تھے جو ان کی مسرتوں کا ذریعہ تھیں۔ اِدھر اسلام کی تعلیم ہر برائی سے نہیں روک رہی تھی لہٰذا اس کی واحد صورت یہی تھی کہ اس دین کا خاتمہ کر کے اپنی خوشیوں میں مگن ہو جائیں۔ اس کے لیے قبائل کے سرداروں نے اپنے گھروں میں محفلیں بھی جمائیں اور دارالندوہ میں اجلاس بھی ہوئے مگر معتبر ذرائع سے قریش کے معززین کو یہ خبریں ملتی رہیں کہ آج فلاں ابن فلاں مسلمان ہو گیا اور آج فلاں...... اور یہ واقعہ تھا کہ جو بھی خدمتِ اقدس میں بیٹھتا مسلمان ہو جاتا اور پھر اپنے حلقہ احباب میں اس نرالی تعلیم کا ذکر کرتا۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔

یہ حضور اکرم ﷺ کا فیضان نظر تھا یا اسلام کی کرامت کہ قصر مذلت میں گرا ہوا انسان شجر و حجر کو مسجود گرداننے والا یہ اشرف المخلوقات اب مالک حقیقی کو پہچان رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا جا رہا تھا اور مخالفین اپنی پوری قوت سے اسے پامال کرنے پر تل گئے کبھی ٹھٹھول کرتے کبھی آوازیں کستے اور کبھی توہین کرتے مگر آنحضرت ﷺ کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکے اور تبلیغ کا فرض ادا ہوتا رہا وحدانیت کا چرچہ بڑھتا رہا اور گلی گلی کوہ کچہ ان کے معبودوں کو بے ثبات اور باطل کہا جاتا رہا۔ آخر ایک دن معززین جمع ہوئے اور کہا۔

"بھائیو...... ہم یہی سمجھتے رہیں گے کہ عبداللہ کے فرزند نے ایک نیا دین پیش کیا ہے جسے ہمیں مٹانا ہے' ورنہ عبداللہ کا یہ فرزند سارے عرب پر چھا جائے گا۔"

یہ محفل رات گئے تک جمی رہی قریش کے رئیس اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں سرگوشیاں کرتے رہے ان کے خیال مین اس دین کا انسداد ضروری تھا۔ ان کے کہنہ معبودوں کے لیے نفرت پھیل رہی تھی۔ لہٰذا طے پایا کہ کعبہ کے متولی اور مکہ کے شیخ ابو طالب سے ملا جائے اس فیصلہ کے بعد اہل عرب نے معززین کا ایک وفد ابو طالب کی خدمت میں بھیجا جس نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔

"شیخ مکہ! آپ کا بھتیجا ہمارے کہنہ معبودوں کو بے ثبات اور باطل کہتا ہے لوگوں کو ورغلاتا ہے لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ آپ اسے ان سرگرمیوں سے باز رکھیں۔"

یہ سن کر ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو اسی وفد کے سامنے بلایا اور نصیحت کی تو آپ ﷺ نے اس قدر خوبصورت جواب دیا کہ سب حیران رہ گئے فرمایا۔

"یا عم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں دین حق کی اشاعت سے باز نہ آؤں گا۔"

اس جواب پر مہربان چچا متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور قریش کے تمام مطالبات کو ٹھکرا کر فرمایا۔

"جان عم! تم بلا خوف و خطر اپنا کام کرتے رہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

اس فقرے نے وفد کے سینوں میں آگ لگا دی اور شام ہونے سے قبل یہ بات شہر بھر میں مشہور ہو گئی اور مخالفین جگہ جگہ ہنگامے کرنے لگے ان مخالفوں میں سب سے بلند آواز ابولہب کی تھی۔ اس دن باقاعدہ تمام قبائل کے سرداروں نے دارالندوہ میں اجلاس کیا اور اسلام کو ختم کرنے کے دو طریقے تجویز ہوئے۔

1) ایک باقاعدہ جماعت قائم کی جائے جس

کے کارکن تبلیغ کے وقت بانی اسلام کو اس وقت تک جھٹلاتے اور تنگ کرتے رہیں جب تک سننے والوں کا مجمع منتشر نہ ہو جائے۔

2) باہمت جوانوں کی ایک جماعت بنائی جائے جو مسلمانوں کو شب و روز ایسی ایسی اذیتیں دیں کہ تنگ آ کر وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اور اپنے آبائی دین پر لوٹ آئیں۔

اول الذکر جماعت کا سردار ابولہب تھا اور موخر الذکر جماعت کا سردار ابوجہل' قریش کے جوانوں نے اب اپنا کام باقاعدہ شروع کر دیا۔ ایک طرف یہ لوگ ہر جگہ مسلمانوں کو پکڑ کر تماشہ بناتے اذیتیں دیتے۔ بلال حبشی عمار بن یاسر' ابوفیکھ' یاسر' حباب بن ارت' زنیرہ' زبیرہ اور حضرت سمیعہ یہ سب مسلمان کفار کے زرخرید غلام تھے ان کے مشرک آقا انہیں وہ اذیتیں دیتے کہ دیکھنے والے کانپ جاتے مگر یہ عظیم ہستیاں جن کے قلوب آفتاب اسلام کی شعاعوں سے منور ہوئے تھے بڑے حوصلہ کے ساتھ اپنی قوت ایمانی کو ہتھیار بنا کر زخم کھاتے اور اذیتیں سہتے رہے۔

دوسری طرف ابولہب کی جماعت تھی جس کا کام حضورﷺ کی تذلیل کرنا اور انہیں دکھ دینا تھا۔ کبھی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے کبھی سنگ برستے اور کبھی غلاظت اچھال دی جاتی۔ کبھی کاہن کا خطاب ملتا کبھی ساحر کا اور کبھی کاذب کا یہاں تک کہ قرابت دار ابولہب' حکم بن عاص' عقبہ بن ابی معیلہ اور عدی بن حمیرا دولت کدہ میں جا جا کر اذیتیں دیتے لیکن ان سب اذیتوں کے جواب میں رحمت عالم فرماتے۔

''فرزندگان عبدمناف' حق ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو۔'' اس فقرے پر معززین قریش ٹھٹھول کرتے ہوئے چھٹ جاتے اور شام کو جب دارالندوہ میں محفل جمتی تب اپنے اپنے کارنامے مزے لے لے کر سناتے۔

اس زمانے میں خالد بن ولید کا کام مختلف قبائل میں پھر کر اس دین کے اثرات کو زائل کرنا اور اپنی دوستی کو مستحکم کرنا تھا چونکہ ابھی تک مسلمانوں کی جماعت بڑی قلیل تھی اور اسلام و کفر کے درمیان جنت کے بھی کوئی آثار نہ تھے۔

لہٰذا خالد بن ولید تلوار سے نہیں تدبر سے کام لے رہے تھے۔ ہر روز ان کے مکان میں دوست جمع ہوتے' دارالندوہ میں محفلیں جمتیں جہاں وہ اپنے سفر کے واقعات سناتے اور اپنے ساتھیوں کے کارنامے سنتے اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے۔ اسلام کو ختم کر دینے کی کوشش تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ چشم تصور سے اس دن کو دیکھتے جب ان کی مساعی سے یہ دین مٹنے والا تھا اور وہ اپنے قبیلہ کے سردار بننے والے تھے۔ ایسے میں ہر خواہش کے پس پردہ ایک روشن روشن تصور ہوتا ایک نکھری نکھری صورت ہوتی جسے محسوس کر کے وہ مسکرا دیتے اور زیادہ سے زیادہ اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔ ان دنوں اپنے بھائیوں میں وہ سب سے زیادہ اسلام کے دشمن نظر آتے تھے۔ شب و روز مسلمانوں کے خلاف کاوشیں اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ ان کا کام تھا۔ یہ دیکھ کر ولید بن مغیرہ نے واضح اعلان کر دیا تھا۔

''خالد میں دیکھ رہا ہوں کہ برہ کو صرف تم ہی حاصل کر سکو گے اور وہ دن دور نہیں جب مخزوم کی سرداری تمہیں ملے گی۔ تب میں فخر سے کہہ سکوں گا کہ قبیلہ کی سرداری اور حسین صورت برہ خالد کی ان کاوشوں کا انعام ہے جو اس نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی ہیں۔''

یہ سن کر خالد بن ولید مسکرا دیے اور اپنے کام میں زیادہ مصروف ہو گئے۔ ان دنوں ان کے گھر میں چند باتیں ظہور میں آئیں ان کے بھائی ولید بن ولید مسلمان ہو کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسلام لانے کی سزا میں انہیں اذیتیں دی گئیں تب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں گئے۔ خالد بن ولید اور ولید بن مغیرہ اس بات سے بڑے خفیف ہوئے۔ اب ایک ہی علاج تھا کہ وہ معززین قریش میں معزز رہنے کے لیے اپنی مخالفانہ مساعی تیز تر کر دیتے تو یہی انہوں نے کیا۔ دارالندوہ میں ان کی آمد ورفت بڑھ گئی۔ اذیتیں دینے والی جماعت پر ولید بن مغیرہ کی دولت تیزی سے خرچ ہونے لگی اور خالد بن ولید کی مصروفیت کچھ اور سوا ہو گئی۔

ایک دن خالد بن ولید درختوں کی قطار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کھلے میدان کی طرف جا رہے تھے جہاں ان کا گھوڑا تیار تھا کہ اچانک وہ چونک پڑے انہوں نے دیکھا برہ ایک دوسری کنیز کے ساتھ اس قطار کے عقب میں ٹہل رہی تھی۔ صبح کی روشنی میں وہ بڑی اچھی لگ رہی تھی خالد بن ولید بولے۔

''برہ تم چہل قدمی کے لیے اس سبزہ زار میں نہیں گئیں؟''

''نہیں آقا'' برہ نے کہا۔

''میں بھی وہاں آپ ہوں گے۔''

'' تو کیا میری موجودگی میں تم وہاں نہیں جا سکتیں؟'' انہوں نے دریافت کیا۔

''نہیں آقا'' دوسری کنیز بولی۔

''یہ آپ سے ڈرتی ہے۔'' تب وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے اس معصوم سی سادہ لوح لڑکی کے خوف نے انہیں بڑا محظوظ کیا۔ اس دن انہوں نے اپنے دوستوں سے ملاقات بھی کی اور کئی قبیلوں کا دورہ بھی مگر برہ انہیں بار بار یاد آئی جس کے بارے میں وہ مطمئن تھے کہ بابا جان صرف انہیں دیں گے اور جس سے متاثر ہو کر انہوں نے اسلام کو مٹانے کا پھر عہد کیا تھا اور اب بڑی استقامت کے ساتھ اس عہد پر قائم تھے۔ وقت گزرتا رہا اور حالات نئے نئے رنگ اختیار کرتے گئے۔ اسلام تیزی سے پھیلتا گیا۔ اب غریبوں کے علاوہ قریش کی وہ جلیل القدر ہستیاں جن سے تمام قبائل کو توقعات وابستہ تھیں۔ اسلام کی حقانیت کو پہچان کر حضور ﷺ کے دامن رحمت میں پہنچ گئیں' قریش کے دلیر مرد حمزہ بن عبدالمطلب اور قبیلہ عدی کے غیر معمولی جوان عمر بن خطاب مسلمان ہو گئے جن کا مسلمان ہونا اسلام اور بانی اسلام کے لیے تقویت کا باعث تھا۔ اب نہ صرف یہ کہ وہ کعبہ میں نماز ادا کرنے لگے بلکہ دائرہ تبلیغ بھی وسیع ہوتا گیا۔

مسلمان غلاموں کو ان کے مشرک آقاؤں سے منہ مانگی قیمت پر خرید کر اسلام کی راہ میں آزاد کر دیا گیا اور مسلمانوں کی یہ ترقی دیکھ کر کفار نے اپنی کارروائیاں تیز کر دیں۔ اب کوئی صورت مسلمانوں کو پست کرنے کی نہ تھی لہٰذا ولید بن مغیرہ' عتبہ ابوجہل' ابولہب اور دیگر رؤسا نے بنو ہاشم سے تعلق توڑنے کا اعلان کر دیا۔ اس شب ولید بن مغیرہ نے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی اور کہا۔

'' بھائیو معاشرتی بائیکاٹ مسلمانوں اور ان کے نبی کا بہترین علاج ہے۔ ان سے لین دین بند کرو' انہیں گلیوں اور بازاروں میں نہ نکلنے دو اس طرح وہ بھوکوں مرجائیں گے پھر دیکھنا یہ مسلمان کتنے دن عبداللہ کے فرزند کا ساتھ دیتے ہیں۔''

اس کے بعد کفار نے بنو ہاشم کا معاشرتی مقاطعہ کر دیا۔ خیال یہی تھا کہ وہ تنگ آ کر اسلام سے برگشتہ ہو جائیں گے مگر انہوں نے اسلام اور ایمان ہی کے سہارے پر کامل تین برس اس مصیبت کو جھیلا۔ یہاں تک کہ بائیکاٹ کی مدت ختم ہوگئی اور مسلمان جو اشعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تھے پھر مکہ واپس آ گئے۔ اسی برس شیخ مکہ ابوطالب اور حضور ﷺ کی مشیر کار اور رفیق زندگی حضرت خدیجہ الکبریٰ نے وفات پائی۔ اب سردار مکہ ابوجہل تھا جس نے مسند سرداری پر جلوہ افرز ہوتے ہی پہلا حکم یہ دیا کہ عبداللہ کے فرزند اور اس کے پیروکاروں کو اس قدر اذیتیں دو کہ وہ پامال ہو جائیں۔ اس دن ابوجہل کو مکہ کی سرداری ملنے پر مبارکباد دینے والوں میں ولید بن مغیرہ اور خالد بن ولید آئے تو طویل گفتگو کے بعد دارالندوہ میں اجلاس طلب کرنے کا فیصلہ ہوا اور ابوجہل کی طرف سے اس کا باقاعدہ اعلان کیا گیا اور اس کی تیاری شروع ہوگئی۔

دارالندوہ میں زبردست اجلاس ہونے والا تھا۔ مختلف قبائل کے مدبر جمع تھے۔ اس اجلاس میں سرداری کے فرائض ابوجہل نے ادا کیے قریش کے سرداروں کی یہ کمیٹی صورت حال پر غور کر کے آخری نتیجہ پر پہنچنے کے لیے جمع ہوئی تھی۔ بڑے بڑے سرداروں میں صرف چودہ کے نام تاریخ میں درج ہیں لیکن جوان تماشبینوں کی تعداد بھی کم نہ تھی۔ جب سب جمع ہوگئے تو سردار مکہ ابوجہل کھڑا ہوا اور بولا۔

''عزیزو تم جانتے ہو برسوں قبل عبدالمطلب کے پوتے نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا حیرت ہے کہ یہ نوشت و خواند سے بے خبر داستان گویوں کی صحبت سے دور رہنے والا شخص کس طرح جان گیا کہ یہودیوں کی کتاب میں کسی نبی کے آنے کی خبر ہے بہرحال اس نے وہی نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہم مسلسل کاوشیں کرتے رہے مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا اگر صرف معاملہ ایک فرد کا ہوتا تو تشویش کی بات نہ تھی لیکن اس عرصہ میں عجیب عجیب باتیں ظہور میں آئیں اول تو بڑے بڑے رئیس اور دانشور اس من گھڑت مذہب کو اختیار کر رہے ہیں اور کسی سختی یا تشدد میں نہیں آتے اور اب عالم یہ ہے کہ مکہ سے نکل کر یہ مذہب عرب کے دوسرے قبائل بلکہ یثرب تک پہنچ گیا ہے۔''

''دوسری بات یہ کہ عبداللہ کا یہ فرزند جو اپنی شاعری کو آسمانی کلام کہتا تھا اب دعویٰ کرتا ہے کہ وہ آسمان پر بھی ہو آیا ہے ایسے میں لوگ اور زیادہ اس کے گرویدہ ہو رہے ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ یثرب کے لوگ اس کے گرد جمع ہیں تم دیکھتے ہو یثرب سے جو آتا ہے اس دین سے متاثر ہو کر جاتا ہے اور وہاں اس کا پرچار کرتا ہے ایسے میں ہمارے لیے خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اگر یہ مذہب یثرب میں عام ہو گیا اور محمد ﷺ کی قوت وہاں منظم و مجتمع ہوگئی تو ہماری زندگی دشوار ہو جائے گی کیونکہ ہماری تجارت کی راہیں یثرب کی زد میں آتی ہیں۔ ایسے میں اہل یثرب نے محمد ﷺ کو اگر اپنا فرماں روا مان لیا تو ہماری تجارت پر ضرب پڑے گی اور پھر تم خود سوچ لو آج اس اجلاس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس خطرہ کا تدارک قبل از وقت کر دیا جائے۔ تم سب مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے۔''

اس وقت سرداروں کے چہرے غیظ و غضب سے سرخ تھے۔ ان سب نے یکے بعد دیگرے اٹھ کر اپنے خیالات کا اظہار بڑے رکیک

انداز میں کیا۔ ایک دوسرے کی رائے کورد بھی کیا اور دستور کے مطابق لڑے جھگڑے بھی اور آخر میں طے پایا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک بہادر جوان جمع ہوکر محمد ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کرے اور (نعوذ باللہ) انہیں ختم کردے۔ ظاہر بات تھی کہ اتنی تعداد کے قبیلوں سے مسلمان انتقام نہ لے سکتے تھے۔ اِدھر عرب کے چودہ عظیم سردار ذہن و دہن کی تمام قوت صرف کرکے بانی اسلام کے خلاف پروگرام بنا رہے تھے۔ ادھر اللہ نے اپنے نبی پر وحی نازل کی۔ اور ہجرت کا حکم دیا تب اللہ کے نبی نے اس سرزمین کو خیر باد کہا۔ نبوت کے تیرہویں سال ہجرت کی اور اس سے ہمارے سن ہجری کا آغاز ہوا۔

یہ پہلی شکست تھی جو قریش کی تمام متحدہ قوتوں کو اللہ کے نبی نے بغیر ہتھیار اور بغیر اعلان جنگ کے دی تھی۔ ابوجہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور مختلف قبیلوں کے جوان ٹولیاں بنائے کئی یوم تلاش کرتے رہے مگر سب بے سود پھر محفلیں جمیں، پھر اجلاس طلب ہوئے اور طے پایا کہ جیسے بھی ممکن ہو اس ناکامی کا ایسا بدلہ لیا جائے کہ مسلمان پست ہوجائیں کفار ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے جوان اپنی کارکردگی کے مظاہرے کے لیے نت نئی باتیں سوچتے اور سردار اپنے اس مرض میں مبتلا رہے جو اسلام دشمنی کے باعث قدرت نے ان کے دلوں کو لگا دیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کردینا چاہتے ابھی یہ سب جاری تھا کہ ہجرت کے تین ماہ بعد قبیلہ مخزوم کا دولت مند سردار ولید بن مغیرہ پچانوے برس کی عمر پاکر مرگیا۔ اس کا آخری وقت عجیب تھا۔ اب کچھ عرصہ سے بیماری کے سبب وہ کفار کی محفلوں میں شریک نہ ہوسکتا تھا۔ دارالندوہ کے اس تاریخی جلسہ میں بھی وہ اور اس کا فرزند شریک نہ تھے لہٰذا اب اس نے اپنے بیٹے خالد بن ولید کو طلب کیا اور بولا۔

''جان پدر! تو جانتا ہے میں نے کامل تیرہ برس عبداللہ کے فرزند کی مخالفت کی اور میری تمام کاوشیں اسلام کے خلاف تھیں اور تو نے میرا ساتھ دیا۔ برہ کو میں نے صرف تیرے لیے خریدا تھا آج میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں، تو ہمیشہ میرا اطاعت گزار فرزند رہا ہے لہٰذا برہ تیرا انعام ہے۔''

''نہیں بابا جان۔'' خالد بن ولید نے کہا۔

''میں اپنے عہد پر قائم ہوں میں اسلام کو ختم کیے بغیر کسی انعام کے لیے تیار نہیں ہوں یہ ٹھیک ہے میرے دوست میرا ساتھ چھوڑ گئے مگر میں تنہا کافی ہوں۔''

''بہرحال آج سے تم قبیلہ مخزوم کے سردار ہو اور برہ تمہاری ہے۔'' ولید بن مغیرہ نے کہا اور اس رات وہ مرگیا اور سوت کی مدت گزرنے کے بعد لبابتہ الصغریٰ نے فرزند کو طلب کیا اور بولیں۔

''خالد...... تم مخزوم کے سردار ہو اور برہ تمہاری کنیز ہے۔''

''نہیں اماں جان ہم اپنے عہد پر قائم ہیں برہ کو چاہیے کہ وہ ہمارا انتظار کرے۔'' خالد بن ولید نے جواب دیا۔

اب وہ قبیلہ کے سردار تھے ایک طرف قبہ اور اعنہ کا فرض ادا کرنا تھا طویل و عریض باغات واراضی کی دیکھ بھال تھی بے پناہ دولت کا حساب کتاب تھا اور دوسری طرف اپنے تجارتی غلاموں سے تعلق ۔ تھے۔ عرب کے رئیس اپنی دولت سے جو تجارت کراتے تھے۔ اس کے لیے حصہ بھی مقرر کرتے تھے اور باقاعدہ ملازم بھی رکھتے تھے۔

لہٰذا حضرت خالد بن ولید چونکہ امیر کبیر انسان تھے اس لیے عام لوگوں سے زیادہ معقول تنخواہوں پر ملازم رکھ کر تجارت کراتے تھے اور اس مصروفیت کے بعد بھی انہیں اسلام اور بانی اسلام سے ٹکرانے کی دھن سوار تھی پھر برہ کے حصول کے لیے بھی انہوں نے یہ کرلیا تھا کہ جب تک مدینہ پر حملہ کرکے مسلمانوں کو ان کے دین کو مٹا نہ دیں گے اسے کنیز نہیں بنائیں گے۔ یہاں تک کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی عظیم فتح اور کفار کی پامالی نے آتش انتقام کو اس طرح بھڑکایا کہ انہوں نے خود مسلمانوں سے جنگ کا اعلان کردیا۔ ہوا یہ کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار جنگ بدر میں مارے گئے تھے اور دستور کے مطابق عورتیں خانہ کعبہ میں جمع بین کرکر کے ایک دوسرے کے جوش انتقام کو بڑھا رہی تھیں۔ ابوجہل اس جنگ میں قتل ہوا۔ اب مکہ کا سردار ابوسفیان تھا اس نے کہا۔

''معبود اعظم ہبل کی قسم میں اس وقت تک غسل نہ کروں گا جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں۔''

''اور اگر میں اپنے باپ کا بدلہ نہ لوں تو اس کی اولاد نہیں۔'' صفوان بن امیہ نے کہا۔

''اور معززین سنو۔'' عکرمہ بن ابوجہل نے جوش کے عالم میں کہا۔

''میں لڑ کر جان دے دوں گا یا اپنے باپ کے انتقام کے لیے اس قوم کو ختم کردوں گا' گواہ رہنا۔''

اس کے بعد تو جیسے صف ماتم بچھ گئی سب غصے سے بے قابو ہوگئے عرب کے فی البدیہہ شعراء اپنے اشعار سے مزید آگ لگانے لگے۔ عمیر بن وہب اپنے اسیر بیٹے کو رو رہا تھا عین اسی وقت شور بلند ہوا کہ مخزوم کا سردار احوال پرسی کے لیے آیا ہے سب نے دیکھا۔ خالد بن ولید گھوڑے سے اتر رہے تھے۔ ایک بار پھر گریہ دشیون کا شور اٹھا سب نے قسمیں دہرائیں۔ وہ خود بھی افسردہ تھے جنگ بدر کے مقتول کچھ ان کے اقربا تھے کچھ احباب لہٰذا انہوں نے کہا۔

''بھائیو کیا گریہ وزاری سے وہ سب واپس آجائیں گے۔''

''نہیں' اگر واپس آسکتے تو اتنا غم ہی کیوں ہوتا؟'' انہوں نے کہا۔

''تو پھر سنو اس غم کا علاج یہ ہے کہ مسلمانوں پر بھرپور حملہ کرو اور یہی تڑپ یہی زخم انہیں دے دو اور اس مرتبہ ہم یہ جنگ اعلیٰ پیمانے پر لڑیں گے۔''

یہ اعلان آن واحد میں مشہور ہوگیا اور بڑی تیاری کے بعد 3ھ کو کفر اور اسلام ٹکرا گئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خالد بن ولید مسلمانوں کے مقابلہ میں میدان میں آئے جنگ کا آغاز بڑے اچھے طریقہ پر ہوا۔ جس نے مخزوم کے اس سردار کو چونکا دیا پہلے ہی وار میں قریش کے بارہ علمبردار مارے گئے اور کفار کی ہمت ٹوٹ گئی قریب تھا کہ بدترین شکست ہوتی لیکن جس وقت قریش بھاگنے لگے اور مجاہدین اپنے مورچے سے ہٹ کر مال غنیمت سمیٹنے لگے تو خالد بن ولید نے موقع تاکا اور میدان کا چکر کاٹ کر مسلمانوں کے عقب والے درہ پر پہنچ گئے اور اس زور سے حملہ کیا کہ مسلمان تتر بتر ہوگئے اور ان کی صفتیں ٹوٹ گئیں گو غلطی ان مجاہدین کی تھی جو سرور عالم ﷺ کے حکم پر عقبی درے پر مامور تھے مگر مال غنیمت کے لیے اپنا مورچہ چھوڑ آئے تھے مگر اس اچانک انتشار کو کفار نے اپنی فتح سمجھا اور تیزی سے مسلمانوں پر وار کرنے لگے اور مشرک عورتیں شہیدوں کے

جسموں کو مثلہ کرنے لگیں۔ اس جنگ میں آنحضرت ﷺ کو بھی زخم لگے۔ پتھر لگنے سے آپ کے دو دندان مبارک شہید ہوگئے چہرہ مبارک اور پیشانی پر زخم لگے اور آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ صورت حال کا معائنہ فرما کر جنگ کی کوئی مناسب شکل اختیار کریں جنگ احد میں ستر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور مشرکین کے تیس آدمی مارے گئے۔

اس جنگ سے واپسی پر قریش میں عام جشن منایا گیا جس میں فاتح کی حیثیت خالد بن ولید کو حاصل تھی۔ بنی مخزوم اس شجاعت پر فخر کر رہے تھے۔ظہور اسلام کو سولہ برس کا عرصہ ہو چکا تھا اور اس عرصہ میں قریش کے بہادروں نے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی ہر تدبیر آزمائی تھی مگر خالد بن ولید کی ایک تدبیر یا جنگی چال نے انہیں خاصا نقصان پہنچایا تھا لہٰذا وہ۔وہ جس قدر بھی خوشی مناتے کم تھا۔

مکہ میں آج خوب چہل پہل تھی یہ رونق دیکھ کر کسی تقریب کا گمان ہوتا تھا۔ معبود اعظم ہبل کے حضور قربانی کرنا قریش کے لیے سب سے اہم رسم ہوتی تھی۔ اس وقت مکہ کا سردار ابوسفیان تھا جنگ احد اس کی سرداری میں لڑی گئی تھی مگر فتح کا سہرا خالد بن ولید کے سر تھا۔ اس لیے یہ قربانی کئی قبیلے جمع ہو کر دے رہے تھے۔ عورت مرد اور بچے قیمتی پوشاکوں میں ملبوس جمع ہو رہے تھے۔ کچھ جوان عورتیں، نیم برہنہ لباسوں میں ناچ رہی تھیں اور مردان کے عقب میں ڈھول بجاتے جا رہے تھے۔ کچھ شاعر خالد بن ولید کی تعریف میں شعر پڑھ رہے تھے۔

جس کی شجاعت نے ان سب کے سر بلند کر دیے تھے معززین کی محفل کعبہ میں جمی ہوئی تھی اور شور مچاتا چیختا ہوا جلوس کعبہ کے گرد خوشیاں منا رہا تھا کعبہ میں بیٹھے ہوئے مرد سنجیدگی سے اپنی فتح کا ذکر کر کے مستقبل کے لیے پروگرام بنا رہے تھے اور کعبہ کے باہر والے ہجوم کے کچھ لوگ محو رقص تھے شراب پی پی کر بدمستیاں کر رہے تھے۔ کچھ ڈھول تاشے بجا کر ہنگامہ بپا کرنے پر تلے تھے کچھ بچے بڑوں میں اچھلنے کودنے کے شوق میں قدموں تلے آ کر چیخ رہے تھے اور ایک طرف کچھ عورتیں اور مرد میدان جنگ میں اپنی بہادری کی داستان دوسروں کو سنا رہے تھے۔

خیبر بن معظم نے اپنے وحشی غلام کو آزادی کا لالچ دے کر زہر آلود خنجر سے حضرت حمزہؓ کو شہید کرایا تھا۔ ایک طرف یہ واقعہ زیر بحث تھا۔ خیبر بن معظم کو مدبر اور وحشی غلام کو بہادر گردانا جا رہا تھا۔ ایک طرف ابوسفیان کی بیوی ہندہ شہیدوں کے جسموں کو مثلہ کرنیکا قصہ سنا کر داد وصول کر رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ کے جسم مبارک کی اس نے بے حرمتی کی تھی اور ان کا کلیجہ چبایا تھا۔ ابن قمیہ نے تلوار سے آنحضرت ﷺ پر وار کیا تھا۔ اور خود کی لڑیاں رخسار مبارک میں گڑ گئی تھیں۔ اس کارنامہ پر بدبخت مشرکین اسے داد دے رہے تھے۔ جس بدبخت کے دھکے سے آنحضرت ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے تھے۔ وہ بلند آواز میں یہ قصہ دہرا رہا تھا اور لوگ کھلکھلا کر ہنس رہے تھے اور ان سب سے ہٹ کر قربانی کے اونٹوں کو آراستہ کیا جا رہا تھا۔ تیس اونٹوں کی قربانی قریش کے لیے ایک بہت بڑی تقریب تھی ادھر یہ ہو رہا تھا۔ ادھر مکہ میں بیٹھے ہوئے معززین محو گفتگو تھے خالد بن ولید نے ابوسفیان سے پوچھا۔

''شیخ مکہ کیا تم نے خود معلوم کیا تھا کہ محمد ﷺ زندہ ہیں؟''

''ہاں......'' ابوسفیان نے جواب دیا۔

''جس پہاڑ پر مسلمان جمع ہو گئے تھے میں خود اس پہاڑ تک گیا اور کئی قدم بلندی کی طرف چڑھ کر میں نے آواز لگائی۔ محمد ﷺ ابوبکر یا عمر بن خطاب ہیں؟'' میں نے بلند آواز میں تین بار یہ سوال کیا تب عمر بن خطاب نے جواب دیا۔

''یہ تینوں موجود ہیں۔'' معززین مکہ دلچسپی سے سن رہے تھے ابوسفیان نے بات جاری رکھی۔

اس کے بعد میں نے چلا کر کہا۔

''معبود اعظم ہبل تو بڑا ہے۔'' تب پہاڑ پر سے مسلمان چلائے۔

''اللہ اکبر' اللہ اکبر' اللہ اکبر۔'' اور ان کا جوش وخروش بتا رہا تھا کہ ان کا سردار زندہ ہے۔ مشرکین خاموش بیٹھے تھے ابوسفیان نے قدرے توقف کے بعد پھر کہا۔

''جب مجھے علم ہو گیا کہ محمد ﷺ زندہ ہیں تو میں نے آواز لگائی۔ اگلے برس پھر مقابلہ ہوگا۔'' تب عمر بن خطاب کی آواز آئی۔

''ہم تیار ہیں۔'' پھر میں پہاڑ سے نیچے اتر آیا۔

''یہ تم نے اچھا کیا۔'' خالد بن ولید نے کہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں مسلمانوں سے بار بار مقابلہ کرنا چاہیے۔''

''بالکل......'' قریش کے سرداروں نے تائید کی اور بڑھ چڑھ کر بولنے لگے ایک اتفاق فتح نے انہیں حوصلہ بخش دیا تھا ابھی وہ محو گفتگو تھے کہ شور بلند ہوا ہبل کے حضور قربانی کے جانور لائے جا رہے ہیں۔ قریش کے معززین احترام سے کھڑے ہو گئے۔ خانہ کعبہ اس وقت اپنے عہد کا سب سے بڑا بت کدہ بن گیا تھا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد اس کے پروہت بنو جرہم تھے پھر بنو خزاعہ اس کے کلید بردار ہوئے اور اب یہ خدمت قریش کے ذمہ تھی حضرت ابوطالب کے بعد ابوجہل اور ابوجہل کے بعد ابوسفیان مکہ کے سردار کی حیثیت سے کعبہ کے متولی بھی مانے جاتے تھے۔

اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جو پتھر' مٹی' چونے اور لکڑی' کاغذ اور دیواروں پر نقش کی صورت میں بنے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت مریم' حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تصویریں بھی بنائی گئی تھیں تمام چھوٹے بت معبود اعظم ہبل کے گرد یوں آراستہ کیے گئے تھے جیسے کسی شہنشاہ کے گرد حفاظتی دستہ......

سب سے پہلے قریش مرد عورتوں نے بڑے ہنگامہ خیز انداز میں طواف کیا اس میں تقدس نہیں صرف ایک رسم کا انداز تھا طواف کے بعد قریش نے عرب کے پرانے طرز کے مطابق قربانی کی یہ ان کا پرانا دستور تھا کہ قربانی کے جانوروں کو خون میں لت پت کر دیتے تھے اور جتنا خون میں رنگتے اتنا ہی ان کا اعتقاد تھا کہ دولت میں اضافہ ہوگا۔

چنانچہ خون کے چھینٹوں کو ایک دوسرے پر اچھالا گیا اور فتح کی مبارکباد دی گئی پھر عورتوں نے اس خون کے ٹیکے اپنی پیشانیوں پر لگا کر معبود اعظم ہبل کو سجدے کیے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح طلب کی غرضیکہ باطل پرستی کا عام منظر کعبۃ اللہ میں نظر آ رہا تھا انسان خود ہی اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے آگے ماتھا رگڑ رہا تھا اور خالق ارض وسموات کے یہ اشراف المخلوقات بندے بتوں کے گرد کبھی رقص

کرتے کبھی گاتے کبھی سجدہ میں گر جاتے۔
دیر تک یہی عالم رہا قریش کے معزز مرد عورتیں بے جان مورتیوں اور پتھر کے بتوں اور تصویروں سے طلب کرتے رہے۔ یہ عبادت ختم ہوئی تو یہ سب کعبہ سے باہر آئے اور ایک دوسرے سے گلے ملنے اور مبارکباد دینے لگے۔
پھر کچھ لوگ قربانی کے گوشت کو سینکنے کے لیے اِدھر اُدھر آگ جلانے لگے کچھ ٹھٹھول کرنے لگے اور کچھ خانہ کعبہ میں ہی تبادلہ خیال کے لیے رک گئے۔ خالد بن ولید کو تقریر کرنی تھی مردوں کی اکثریت وہاں جمع تھی لیکن چند لمحوں بعد جہاں جہاں تک خالد بن ولید کی آواز گونج رہی تھی سب سن رہے تھے انہوں نے کہا۔
''بہادر عربو! ہم سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہمارے ملک میں گڑبڑ مچا دی ہے ان سولہ برسوں میں جو کچھ ہوا میں اسے دہرانا نہیں چاہتا آپ سب کے علم میں ہے ہاں ہمیں سنجیدگی سے آئندہ کے لیے سوچنا ہے اور آئندہ کے لیے میرا مشورہ ہے کہ مسلمان چوٹ کھائے ہوئے ہیں انہیں زخم سینکنے کا موقع نہ دو بلکہ بار بار حملے کر کے ان کی قوت توڑتے رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یثرب میں اپنی قوت کو اس قدر بڑھا لیں کہ پھر انہیں توڑنا ناممکن ہو جائے ہماری سب سے بڑی اُلجھن یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ ﷺ ابھی زندہ ہیں اور یثرب کی سرزمین پر اگر ان لوگوں نے ایک بار پھر قوت پیدا کر لی تو وہ سب محمد ﷺ کے پرچم تلے ایک منظّم قوم بن کر اس طرح ابھریں گے کہ پھر انہیں دبا دینا ناممکن ہو جائے گا۔''
اس کے واضح معنی یہی ہیں کہ اگر ذرا بھی انہیں موقع ملا تو وہ نہ صرف عرب قبائل کو متحدہ کر کے ایک قوم بنا لیں گے بلکہ اپنے مذہب کا پرچار دور دور تک کریں گے اور پھر ہماری حیثیت کیا ہوگی اس کا تصور تم خود کر لو لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ بار بار حملہ کرو اور اس قوت کو توڑ دو۔''
تقریر مختصر تھی مگر قریش میں جیسے ایک آگ لگ گئی اور وہ زیادہ تیزی سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی سوچنے لگے ابھی تک خالد بن ولید مخزوم کے بہادر اور قریش کے قابل فخر جوان تھے لیکن اس جنگ میں کامیابی اور جشن میں اپنی اس تقریر کے بعد عرب کے چوٹی کے بہادر سمجھے جانے لگے ان کی اسلام دشمنی کچھ اور بڑھ گئی تھی اب ان ہی کے مشورے پر قریش نے قوم عفل اور قاری کے سات آدمیوں کا انتخاب کیا اور انہیں سکھا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا جنہوں نے عرض کیا۔
''یارسول اللہ ﷺ ہمارے قبیلے مسلمان ہونا چاہتے ہیں آپ ہمیں کچھ معلم دے دیجیے تاکہ وہ ہمیں اسلام کی تعلیم دے سکیں۔''
یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے دس صحابہ حضرت عاصم بن ثابت کی قیادت میں روانہ فرمائے لیکن جونہی یہ دس معلم صحابی مدینہ منورہ سے باہر نکلے قریش کے دو سو جوانوں نے انہیں گھیر لیا۔ ایک مختصر سا مقابلہ ہوا جس میں آٹھ صحابی شہید ہوئے اور باقی دو حبیب بن عدی اور زید بن دشنہ گرفتار ہوئے قریش کے رئیسوں نے ان دونوں کو خرید لیا اور طے پایا کہ انہیں اس قدر اذیتیں دو کہ یا تو اسلام سے توبہ کر لیں یا ختم ہو جائیں لیکن وہ بھوک پیاس، زخم اور دیگر تمام اذیتیں سہتے رہے مگر کلمہ حق سے منہ نہ موڑا۔ یہاں تک کہ قریش نے ان کی پھانسی کا دن مقرر کر دیا۔ یہ بھی ایک طرح سے قریش کے لیے تماشہ کا دن تھا۔ وہ سب جمع ہوئے حبیب بن عدیؓ کو لایا گیا ہر طرف سے نیزوں کی

انیاں ان کے جسم میں چھائی جا رہی تھیں ہر عضو زخمی تھا مگر وہ نہ دکھ کا اظہار کر رہے تھے نہ رحم طلب کر رہے تھے۔ پھانسی سے قبل ان سے دریافت کیا گیا۔

''کوئی آرزو بیان کرو؟'' اس واحدانیت پرست نے اس وقت وہ جواب دیا جس نے قریش کے بہت سے افراد کے لیے نئی سوچ کے دروازے کھول دیے۔ وہ بولے۔

''مجھے دو رکعت نماز نفل پڑھنے کی اجازت دی جائے۔'' اس پر سعید بن عامر نے چونک کر خالد بن ولید کو دیکھا اور خالد بن ولید نے ابن عامر کو' پھر قریش کے جوانوں نے حبیب بن عدیؓ کو پھانسی پر لٹکایا اور ان کے زخمی جسم کو مزید کچوکے لگائے خالد بن ولید نے رخ موڑ کر اپنے قبیلے کا رخ کیا۔ یہ کیسی تبدیلی تھی آج وہ خود سمجھ نہ سکے۔ بس ذہن میں ایک ہی خیال تھا۔

''یہ کیسا دین ہے کیسا مذہب ہے' کیا کسی اور دین یا کسی اور مذہب کے پیروکاروں نے بھی اس قدر اذیتیں اٹھا کر اپنے نبی کا کلمہ پڑھا ہے۔'' انہیں یاد تھا کہ آخری لمحوں میں بھی حبیب بن عدیؓ کے لبوں پر وہی کلمہ تھا جسے پڑھ کر وہ مسلمان ہوئے تھے۔

وہ سوچتے رہے وقت گزرتا رہا اور قریش بار بار مسلمانوں کو چھیڑتے رہے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر جنگ خندق کا واقعہ پیش آیا خالد بن ولید نے قریش کا ساتھ دیا مگر اس تصور کو ذہن سے نہ جھٹک سکے یہاں تک کہ شکست خوردہ قریش کے ساتھ لوٹ آئے۔ گو اس کے بعد کے اور چند واقعات بھی یہ اظہار کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو شکست دینے اور پست کر دینے کی کاوشیں کرتے رہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں سے دشمنی کے باوجود ان کا مذہب خالد بن ولید کی سوچوں کا مرکز بن چکا تھا۔

اسی کشمکش میں صلح حدیبیہ کا موقع آ گیا جس میں خالد بن ولید اور رسول اللہ ﷺ کا سامنا ہوا اور پھر رحمت عالم کی امن پسندی حسن اخلاق اور عفو و درگزر اور کردار کی بلندی کفار پر غالب آتی چلی گئی اور خالد بن ولید نے فرش زمین سے عرش بریں تک کا تمام فاصلہ ایک دم سے طے کر لیا۔ نجانے یہ فیضان نظر رسول تھا یا تعلیم اسلام کہ جو قلب نفرت سے بھرا ہوا تھا وہ ایک لمحہ میں محبت کا خزینہ بن گیا۔ یہ چند لمحوں کی صحبت رسول کا کرشمہ تھا کہ جو شخص مسلمانوں کو تباہ کرنا اور اسلام کو مٹا دینا حاصل زیست سمجھتا تھا وہ عشقِ رسول سے بے چین ہو گیا۔ اور پھر......

قبیلہ مخزوم اپنے سردار پر ناز کرتا رہا عرب کا سب سے بڑا کاہن شمعون ان کے بلند ہوتے ستارے کی چال دیکھتا اور پیش گوئی کرتا رہا اور عرب کے قبائل اس دلیر جوان کے اس عہد پر تذکرہ کر کے نتیجے کا انتظار کرتے رہے مگر خالد بن ولید کا ہر عد ٹوٹ گیا تھا۔ ہر خواہش مٹ گئی تھی ہاں تمنا تھی تو ایک ہی کہ جلد از جلد خدمت اقدس میں پہنچ کر خدا کی واحدانیت اور حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار خود ان کے سامنے کر لیں۔

اور اس دن دیکھنے والے حیرت زدہ رہ گئے جب اسلام کے دشمن' قریش کے سب سے بہادر جوان اور قبیلہ مخزوم کے الوالعزم سردار نے مسند امارات کو ٹھوکر مار کر اسلام کا خادم بن جانے کو ترجیح دی۔

آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا تھا خالد بن ولید کا بلند و بالا بے شمار درختوں سے گھرا ہوا قلعہ نما مکان دن کی روشنی میں بڑا شاندار لگ رہا تھا۔ وہ

ہمیشہ کی طرح سفر پر جانے سے قبل ماں کی قدم بوسی کے لیے جا رہے تھے مگر آج کسی کو علم نہ تھا کہ کہاں جانے والے ہیں۔ وہ مردانہ حصہ طے کرکے زنان خانے میں پہنچے تو ہمیشہ کی طرح خدام اور کنزیں تیزی سے کام میں مصروف ہوگئیں مگر وہ ان سب پر نظر ڈالتے ہوئے آہستہ خرامی سے اسی کمرہ کی طرف بڑھ گئے جو ماں کے لیے مخصوص تھا پھر انہوں نے باہر رک کر اجازت لی۔

''اماں جان ہم آ جائیں؟''

''آ جاؤ......'' لبابتہ الصغریٰ کی شفیق آواز سنائی دی اور وہ اندر داخل ہوگئے ماں کے دائیں طرف خوبصورت برہ بیٹھی تھی مگر نجانے کیا بات تھی کہ خالد بن ولید نے ادھر نہیں دیکھا نہ ایسی خواہش پیدا ہوئی بلکہ وہ ماں کے سامنے جھک گئے۔

''اماں جان ہمیں اجازت دیجیے۔''

''کہاں؟'' ماں چونک گئی۔

''جہاں ہمیں بہت پہلے چلا جانا چاہیے تھا۔'' خالد بن ولید کی آواز بھاری ہوگئی۔

''مگر ہم نے دیر کر دی لہٰذا اب جلد از جلد جانا چاہتے ہیں کہیں شام نہ ہو جائے۔'' ماں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بیٹے کو دیکھا اور بولا۔

''تمہیں ہر جگہ جانے کی اجازت ہے خالد، تم جاؤ۔'' یہ کہہ کر انہوں نے حسب عادت ان کی پیشانی کا بوسہ لیا چند لمحوں بعد وہ دروازے کی طرف پلٹ رہے تھے مگر رک گئے اور بولے۔

''اماں جان آپ نے برہ کو ہمیں دے دیا۔''

''ہاں...... برہ تمہاری ہے۔'' لبابتہ الصغریٰ نے جواب دیا۔

''تمہارے لیے ہی خریدی گئی تھی۔''

''تو ہم آپ کو گواہ بنا کر برہ کو مہران کے حوالے کرتے ہیں۔ کیونکہ اب ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی۔'' پھر وہ برہ سے بولے۔

''برہ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔''

''نہیں آقا۔'' برہ نے جواب دیا۔

''اماں جان آپ کو ہمارے اس فیصلہ......''

''نہیں......'' لبابتہ الصغریٰ نے ان کی بات قطع کی۔

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم سمجھ گئے تم جہاں جا رہے ہو اور ہماری دعا ہے کہ اس میدان میں بھی تم فتح حاصل کرو۔ اب دیر نہ کرو لیکن یاد رکھنا ہم فاتح کی ماں کہلانا چاہتے ہیں۔''

اس سہ پہر خالد بن ولید اپنے گھوڑے پر سوار مہران سے کہہ رہے تھے۔

''مہران ہم نے تمہیں اپنی غلامی سے آزاد کر دیا جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں کے قانون میں انسان انسان کا غلام نہیں ہوتا۔ تم نے ہماری برسوں خدمت کی ہے۔ اس کے صلے میں ہم تمہیں برہ عطا کرتے ہیں۔''

پھر مخزوم کے لوگ دیکھ رہے تھے ان کے سردار نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور روانہ ہوگیا سب ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

''سردار کہاں جا رہے ہیں؟''

''خبر نہیں۔'' یہی جواب دیتے ہوئے سب نے اس شہ سوار کو دیکھا جو اس منزل کی طرف سفر کر رہا تھا جہاں سے اسے سیف اللہ بن کر ایک نیا سفر شروع کرنا تھا مگر کسی کو خبر نہ تھی ہاں اس شب شمعون ستاروں کی چالیں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

''مخزوم کے سردار کے مقدر کا ستارہ بہت بلندی پر ہے۔''

"سچی کہانیاں/دوشیزہ" اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے

ادارہ 'سچی کہانیاں' اپنے قارئین کی سہولت کے لیے دفتر میں ایک ڈیسک قائم کر رہا ہے۔ آپ کو اگر 'سچی کہانیاں' ملنے میں دشواری ہے تو بذریعہ فون یا میسیج ہمیں مطلع کریں آپ کہیں بھی رہتے ہیں ادارہ آپ کے گھر کے پتے پر بذریعہ وی پی 'سچی کہانیاں' ارسال کرے گا اس طرح آپ اور آپ کے پیارے 'سچی کہانیاں' کے درمیان جو دوریاں پیدا کر دی جاتی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔ 'سچی کہانیاں' اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے۔

فوری رابطہ 021-35893121-22-23

موبائل نمبر 0309-0364564



کراچی سے ارسال کردہ پوش علاقے مین ہوا عجیب وغریب قتل کا فسانہ

دہشت ناک رات

یخ بستہ رات میں وہ کس کی لاش تھی
جو درخت سے لٹک رہی تھی......

منزہ سہام مرزا

رات کا پچھلا پہر ہوگا جب میری آنکھ اچانک کھل گئی گلے میں کانٹے پڑ رہے تھے گلاس اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو یاد آیا رات پانی تو رکھا ہی نہیں تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر لیمپ آن کیا چپل پہن ہی رہا تھا کہ لائٹ چلی گئی۔

"کیا مصیبت ہے......" میں بڑبڑایا۔ اندازے سے چلتا ہوا کرسی تک آیا اور سوئٹر اٹھا کر پہنا یہ رات تو پچھلی کئی راتوں سے زیادہ سرد ہے میں نے دل میں سوچا اور سیڑھیاں اتر کر کچن میں آ گیا۔ ڈسپنسر سے پانی لیا اور وہیں کچن کاؤنٹر کے پاس اسٹول پر بیٹھ کر پانی پی ہی رہا تھا کہ کان پھاڑ دینے والی چیخ نے میرے اوسان خطا کر دیے۔ آواز ہی ایسی تھی جیسے کوئی غرّا رہا ہو کبھی کبھی محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی کا نرخرہ کاٹ دیا ہو اور بھل بھل ابلتے خون کے درمیان چیخنے کی کوشش کر رہا ہو۔ شدید سردی میں بھی میرے ماتھے پر پسینہ آ گیا ٹارچ کمرے میں ہی تھی لہٰذا میں سیڑھیاں پھلانگتا واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ یہ آوازیں اب تو

تقریباً روز کا معمول بن گئی تھیں مگر ہر روز ایسا لگتا جیسے ان کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہو۔ صبح تک میں کروٹیں بدلتا رہا صبح کا ذب پھیلا تو آنکھ لگ گئی۔ پتہ نہیں کب تک سوتا رہتا اگر رافعہ آ کر مجھے نہ اٹھاتی۔

☆......☆......☆

رات میرے چھوٹے سالے صاحب کی شادی کے سلسلے میں سسرال میں ڈھولکی تھی رافعہ اور بچے وہیں رک گئے تھے مگر میں گھر واپس آ گیا حالانکہ رافعہ کا موڈ خراب بھی ہوا تھا۔

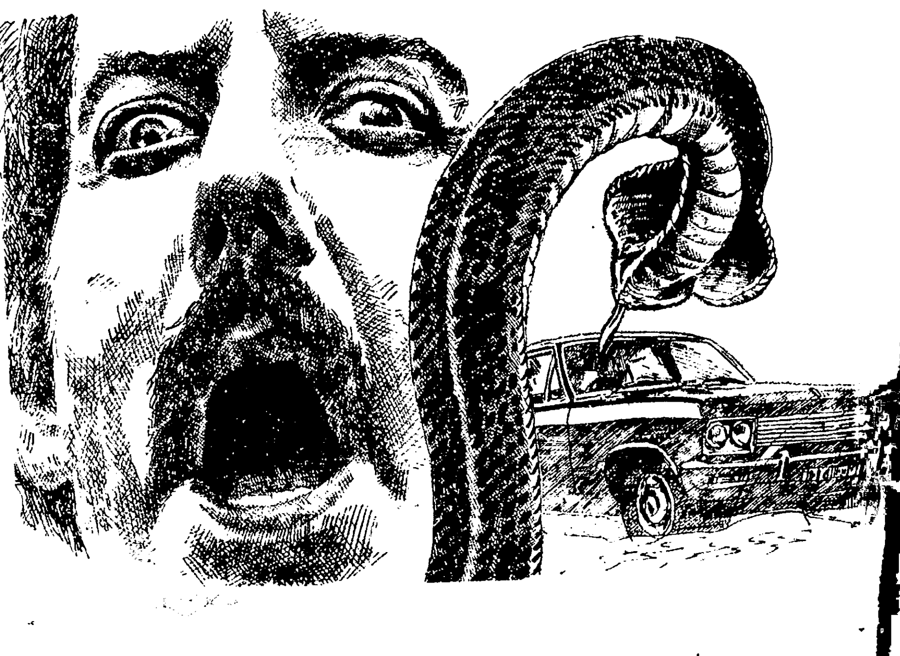
''ارحم کل چھٹی ہے آپ بھی یہیں رُک جائیں۔'' وہ بلال کو سلاتے ہوئے بولی۔

''نہیں یار تمہیں پتہ تو ہے مجھے اپنے بستر کے علاوہ کہیں نیند نہیں آتی۔'' میں نے اپنا موبائل فون اور گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے جواب دیا اور خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر نکل آیا۔

رات تو جیسے تیسے گزر گئی تھی صبح میں نے رافعہ کو کچھ نہ بتایا وہ ویسے بھی جلدی میں تھی اپنے اور بلال کے کپڑے بیگ میں رکھ کر مجھے رات مہندی میں جلد آنے کی تلقین کرتی چلی گئی۔

سائیڈ ٹیبل سے گھڑی اٹھا کر دیکھی تو 1:30 بج رہا تھا کسلمندی سے بستر سے نکلا اور منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آیا تو رافعہ نے میز پر میرا کھانا گرم کر کے رکھا ہوا تھا۔ مجھے ایکدم ہی اپنی بیگم پر ڈھیروں پیار آ گیا۔ وہ تھی ہی ایسی خیال رکھنے والی......کھانے سے فارغ ہو کر ایک کپ گرم کافی بنائی اور اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ آج میرا ارادہ تھا کہ اسٹیٹ ایجنٹ سے مل کر گھر کو بیچنے کی بات کروں۔

دراصل اس چیخ و پکار نے ہم دونوں کو ہی خوفزدہ کر دیا تھا۔ آس پڑوس میں اتنا میل جول تو تھا نہیں بس سلام دعا کی حد تک بات تھی اور میں



ویسے بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات پھیلے گھر کی قیمت گر جاتی جو میں نہیں چاہتا تھا۔ فریش ہو کر میں نے رافعہ کو فون کر کے بتا دیا کہ میں کام سے نکل رہا ہوں اُس نے پھر تاکید کی کہ رات وقت پر پہنچ جایئے گا۔

''بے فکر رہو میں آٹھ بجے تک آ جاؤں گا' بلال کیا کر رہا ہے۔'' میں نے اپنے ڈھائی سالہ بیٹے کے بارے میں پوچھا تو رافعہ ہنس دی۔

''کرے گا کیا خالہ اور نانی کی گودوں میں گھوم رہا ہے۔''

''اوکے جان میرے بیٹے کو پیار دینا خدا حافظ۔''

اسٹیٹ ایجنٹ سے ملاقات کافی امید افزا رہی اس کے پاس ایک پارٹی موجود تھی جو اسی علاقے میں گھر خریدنا چاہتی تھی جہاں میرا گھر تھا۔ شام میں ان لوگوں کو گھر لانے کی بات طے ہوگئی اور یوں میں ہلکا پھلکا ہو کر گھر واپس آ گیا۔ سالے صاحب کی شادی بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوگئی اور رافعہ اور بلال گھر واپس آ گئے بلکہ ولیمے کے بعد میرے ساتھ ہی دونوں آ گئے تھے۔

آدھی رات کا وقت ہوگا جب ہم دونوں میاں بیوی کی آنکھ بیک وقت کھل گئی کمرہ اس قدر یخ بستہ ہو رہا تھا کہ کمبل اوڑھنے کے باوجود پیروں میں خون جمتا محسوس ہو رہا تھا۔

''یار رافعہ مجھے موزے نکال دو پلیز پیروں میں ٹھنڈ لگتی ہے تو سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔'' میں نے رافعہ کو بستر پر بیٹھے دیکھ کر کہا۔ ابھی وہ الماری کے قریب ہی گئی تھی کہ پھر سے وہی ہولناک چیخوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

''ارحم پلیز کچھ کریں ان آوازوں نے تو جینا مشکل کر دیا ہے۔'' وہ باقاعدہ کپکپا رہی تھی۔

''بات کر لی ہے میں نے جلد گھر فروخت ہو جائے گا۔'' میں نے اس کو کاندھے سے تھام کر کہا۔

''پتہ نہیں محلے والے بھی کیسے ہیں کسی کو فرق ہی نہیں پڑتا ان آوازوں سے۔''

''یہ تو تم صحیح کہہ رہی ہو۔'' یہ کہہ کر میں نے کھڑکی سے پردہ سرکایا تو میری اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ ہمارے لان میں موجود جامن کے درخت پر کسی کی لاش لٹک رہی تھی یہ منظر اس قدر ہیبت ناک تھا کہ میں مرد ہو کر بھی لرز اٹھا۔ رافعہ بلال کو سینے سے لگائے رو رہی تھی یقیناً اس نے بھی یہ ڈراؤنا منظر دیکھ لیا تھا۔ میں نے جھٹ پردے برابر کر دیے اور سوئچ بورڈ کی طرف لپک کر لائٹ جلانے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ ہمارے کمرے کے دروازے کو کسی نے دھڑ دھڑانا شروع کر دیا۔

ہم دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ مین ڈور کے بعد سیڑھیاں اور پھر لاؤنج پار کرنے کے بعد ہمارا کمرہ تھا یہاں تک کوئی کیسے پہنچ گیا؟ اس خیال نے ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی بھر دی۔

میں شش و پنج میں ہی تھا کہ کیا کروں کہ رافعہ کی لرزتی ہوئی آواز آئی۔

''ارحم خدا کے لیے دروازہ مت کھولیں اور پولیس کو فون کریں۔'' یہ کہہ کر وہ بلند آواز سے آیت الکرسی کا ورد کرنے لگی۔ میں نے تیزی سے فون اٹھایا اور علاقے کے تھانے کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

اب دروازے کا پیٹنا تو بند ہوگیا تھا مگر صاف محسوس ہو رہا تھا جیسے نیچے گھر میں کئی لوگ چل پھر رہے ہیں۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر دور

بیل بجنے لگی۔ اب تو رافعہ نے ہچکیوں کے ساتھ رونا شروع کر دیا تھا۔ بلال بھی اس ہنگامے میں جاگ گیا اور وہ بھی منہ بسور کر رو رہا تھا۔

’’رافعہ تم دروازہ اندر سے بند کر لو میں جا کر دیکھتا ہوں۔‘‘

’’نہیں آپ کہیں نہیں جائیں گے۔‘‘ اس نے لپک کر میرا بازو پکڑ لیا۔ ڈور بیل اب بھی بج رہی تھی اسی اثناء میں بستر پر پڑے میرے سیل فون پر انجانا نمبر جگمگانے لگا۔

’’اچھا فون تو اٹھانے دو۔‘‘ دوسری طرف ایس ایچ او صاحب تھے۔

’’ارحم صاحب اتنی دیر سے ہم بیل بجا رہے ہیں آپ کہاں ہیں؟‘‘

’’جی جی سر میں ابھی آیا۔‘‘ میں نے رافعہ کو تسلی دی اور جا کر دروازہ کھول دیا۔

’’ارحم صاحب گھر آپ کا اندر سے بند تھا آپ نے ہی کھولا یعنی کوئی اور داخل نہیں ہوا اور جس لاش کا آپ نے ذکر کیا وہ بھی وہاں نہیں پڑوس کے گھر میں تو کوئی بھی نہیں چوکیدار نے بتایا کہ اس نے کوئی آواز نہیں سنی حالانکہ وہ سونے سے قبل گھر کے اطراف چکر لگا رہا تھا۔ بہرحال ہم اب چلتے ہیں کوئی خاص بات محسوس کریں تو یہ میرا ذاتی نمبر ہے پلیز کال می.....‘‘ میں نے پولیس والوں سے مصافحہ کیا اور دروازہ بند کر کے اندر آنے کے لیے پلٹا تو نظر جامن کے درخت پر پڑی اس کے پتے چاندنی میں چمک رہے تھے۔

صبح میں نے رافعہ اور بلال کو اپنے والدین کے گھر ڈراپ کیا کیونکہ میں اب اس گھر میں ایک لمحہ بھی نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ جو کچھ رات ہوا وہ وہم نہیں تھا اور مجھے اور رافعہ کو ایک ہی وقت میں ایک سا وہم کیسے ہو سکتا ہے کچھ غیر معمولی ہے مگر

پہلی خاتون صدر اور خاتون وزیراعظم

دنیا کی پہلی خاتون صدر کا تعلق ارجنٹائن سے ہے۔ ماریا استیلا مارٹینز ڈے پیرون اپنے شوہر کی وفات کے بعد 29 جون 1974ء کو ملک کی صدر بنی تھیں۔ تاہم 24 مارچ 1976ء کو ایک فوجی انقلاب کے ذریعے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا تھا۔

دنیا کی پہلی خاتون وزیراعظم سری لنکا کی سری ماوو بندرانائیکے ہیں جو 21 جولائی 1960ء کو اس وقت کے ملک سیلون (موجودہ سری لنکا) کی وزیراعظم منتخب ہوئی تھیں اور اس حیثیت میں 1964ء تک فرائض انجام دیتی رہیں۔ بعد میں وہ 1970ء سے 1977ء اور پھر 1994ء سے 2000ء تک بھی وزارت عظمٰی کے عہدے پر فائز رہیں۔ اس طرح انہوں نے کل 17 سال تک وزیراعظم کی حیثیت سے ملک کی خدمت کی۔

جبران رسول۔ پتوکی

میں یہ سب سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ واپسی پر اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس گیا اور پارٹی کو آج ہی لانے کا کہہ کر گھر آیا تاکہ ضروری سامان سمیٹ کر امی کے گھر پہنچا دوں اب وہیں سے نئے گھر شفٹ ہونا تھا۔ میں اپنے چھوٹے سے بچے اور بیوی کو ایسے خوفناک ماحول میں نہیں رکھ سکتا تھا جہاں میرا اپنا دل بند ہو رہا ہو۔

سامان گاڑی کی ڈگی میں رکھا اور نکلنے سے پہلے گھر کے تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کر رہا تھا کہ ڈور بیل بجی۔

’’یہ اس وقت کون آ گیا۔‘‘ میں نے سوچا۔

’’اوہ ہو سکتا ہے ایجنٹ ہو.....‘‘ یہ بات اطمینان بخش تھی میں نے تیزی سے مین ڈور کھول

کر باہر نکلنے کے لیے جیسے ہی ہینڈل پر دباؤ ڈالا مجھے شدید کرنٹ لگا میں نے جھٹکے سے ہاتھ پیچھے کیا جھٹکا اتنا شدید تھا کہ میرے ہاتھ سے فون نیچے قالین پر گر گیا فون اٹھا کر جیسے ہی سامنے دیکھا تو مجھے لگا کہ میرا دم نکل جائے گا۔ میرے سامنے عجیب والخلقت بلا کھڑی تھی اس کا سر چھت کو چھو رہا تھا آنکھوں کی جگہ گہرے گڑھے تھے اور چہرے پر گوشت جگہ جگہ سے لٹک رہا تھا جس میں کیڑے کلبلاتے ہوئے نظر آرہے تھے اور وہ زمین پر بھی گر رہے تھے میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا کہ اس نے میری جانب اپنے ہاتھ بڑھائے جو لمبے ہوتے ہوتے اس قدر لمبے ہوگئے کہ مجھ سے محض چند انچ دور رہ گئے میں نے پلٹ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر اس بلا کے نوکیلے ناخن مجھے اپنے بازوؤں میں پیوست ہوتے ہوئے محسوس ہوئے اور میں درد سے بلبلا اٹھا۔

اس نے مجھے بچے کی مانند اپنے ہاتھوں میں اٹھالیا اور اپنے چہرے کے پاس لے گئی جہاں بے شمار کیڑے کلبلا رہے تھے پھر اس نے اپنا منہ کھولا اور اپنے بڑے بڑے دانتوں سے میرا سر بھنبھوڑنے لگی۔

☆......☆......☆

صبح سے شام ہوگئی اور ارحم کا کچھ پتہ نہ تھا رافعہ پریشانی میں بار بار ان کے سیل پر فون کر رہی تھی مگر فون بند آرہا تھا۔ اس لیے وہ حد سے زیادہ پریشان ہورہی تھی۔ مغرب کے قریب بارش شروع ہوگی اور ارحم کا ابھی تک کچھ پتہ نہ تھا۔ رات جب ارحم گھر نہیں آیا تو گھر والوں کو بھی معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہوا۔ رافعہ نے اپنے گھر والوں کو بھی ارحم کی گمشدگی کے بارے میں بتایا۔ تو اس کے بھائی فوراً رافعہ اور ارحم کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں جا کر تو عجیب وغریب صورت حال دیکھنے کو ملی۔ مین گیٹ بند تھا جس کو پھلانگ کر وہ اندر گئے تو گاڑی پورچ میں کھڑی تھی۔ چند بیگز ڈگی میں رکھے تھے اور دو ہینڈ کیری باہر پڑے بھیگ رہے تھے۔ گاڑی کے اگنیشن میں بھی چابی لگی تھی۔ داخلی دروازہ کھلا تھا اور ارحم کا کچھ پتہ نہ تھا۔ رات میں تو وہ واپس گھر آگئے مگر صبح رافعہ کو اور ارحم کے والد کو لے کر سیدھے تھانے گئے اور موبائل کے ہمراہ گھر آئے رافعہ کی تو حالت بہت بری ہورہی تھی اول تو وہ گھر کے اندر جا ہی نہیں رہی تھی مگر ارحم کے والد کے سمجھانے پر اندر داخل ہوگئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے چھوڑ کر گئی تھی۔ سوائے فرش پر بکھرے موبائل فون کے ٹکڑوں کے جو لاؤنج میں ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔

پولیس اپنی تفتیش کر رہی تھی مگر یہ سمجھ سے باہر تھا کہ ارحم کہاں غائب ہوگیا اور فون اتنے ٹکرے میں کیسے بٹ گیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے ہتھوڑے کی ضربیں لگا کر فون کو چکنا چور کیا ہے۔ صورت حال بے انتہا گھمبیر تھی ایک جیتا جاگتا انسان کہاں چلا گیا سب حیران تھے۔

پولیس اپنی تفتیش کر رہی تھی آس پڑوس سے بھی معلومات لی گئیں مگر کسی کو کچھ پتہ نہ تھا۔ رافعہ کا رو رو کر برا حال تھا ارحم کی والدہ پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ ہنستا بستا خاندان ایک دم ہی جیسے کسی بری نظر کا شکار ہوگیا تھا۔

ارحم کو لاپتہ ہوئے 8 روز گزر چکے تھے جب ارحم کے والد کے نمبر پر تھانے سے کال آئی۔

"بڑے صاحب آپ ذرا تھانے آجائیں اور ممکن ہو تو اکیلے نہ آئیں ہمراہ کسی کو لیتے

آئیں۔'' رافعہ نے سنا تو وہ ضد کرنے لگی کہ میں بھی جاؤں گی۔

''بیٹا تم اپنی ساس کے پاس رُکو تمہاری اپنی حالت کہاں اس قابل ہے۔'' رافعہ کے سسر نے اس کو نرمی سے سمجھایا حالانکہ ان کا اپنا دل پتے کی طرح لرز رہا تھا محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ برا ہو گیا ہے ان کے بیٹے کے ساتھ انہوں نے چھوٹے بیٹے کو ہمراہ لیا اور تھانے کی جانب روانہ ہو گئے راستے میں رافعہ کے والد کو بھی پہنچنے کا کہا۔

تھانے دار صاحب نے ان کے تھانے پہنچتے ہی انہیں اپنے پیچھے آنے کا کہا اور گاڑی میں بیٹھ کر ارحم کے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔ گھر کے باہر پولیس کی موبائلیں اور ایمبولینس موجود تھی۔ لان میں چادر سے ڈھانپی گئی کسی کی لاش رکھی تھی۔ یہ منظران سب کا دل دہلانے کے لیے کافی تھا۔

بزرگوار 11 بجے کے قریب آپ کے سامنے والے گھر سے کسی صاحب نے کال کر کے کہا کہ اس گھر میں درخت سے لاش لٹک رہی ہے ہم نے موقع پر پہنچ کر لاش کو درخت سے اتارا ہے لاش کی حالت بہت بری ہے مگر آپ کو ہمت کرنی ہوگی اور شناخت کے تکلیف دہ عمل سے گزرنا ہوگا۔''

لاش بری طرح ادھڑی ہوئی تھی جسم کے ہر حصے سے خون رس رہا تھا۔ ارحم کی دونوں آنکھیں نوچ لی گئی تھیں۔ کھوپڑی کو بھی جیسے دانتوں سے چبایا گیا تھا نرخرہ کٹا ہوا تھا۔ جگہ جگہ بڑے بڑے دانتوں کے نشان تھے۔ ارحم کے والد تو لاش دیکھ کر ہی دل پکڑ کر زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔

رات ہی لاش کو سرد خانے منتقل کر دیا گیا اور اگلے دن تدفین بھی ہو گئی پولیس نے اپنی روایتی سستی اور نااہلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کیس بند بھی کر دیا یوں ایک باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

رافعہ پر اس سانحے کے بعد کیا گزری وہ الگ داستان ہے مگر یہ راز راز ہی رہا کہ اس رات ارحم کے ساتھ کیا ہوا؟ وہ 8 دن کہاں غائب رہا اور 8 دن بعد اس کی لاش کس نے درخت پر لٹکائی کیا وہ اپنی گمشدگی کے دوران زندہ تھا اور جس رات لاش ملی اس رات ہی اس کا قتل ہوا کیونکہ جسم پر لگے زخم اور بہتا خون میڈیکل رپورٹ کے مطابق بالکل تازہ تھا۔ کیا کھڑکی سے جو لاش ارحم نے لٹکتی دیکھی تھی وہ اس کی اپنی تھی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا کبھی جواب نہیں ملا۔

ارحم اور رافعہ کا گھر آج بھی اسی طرح بند پڑا ہے اور راتوں میں اکثر وہاں سے کسی کے غرانے اور اذیت ناک چیخوں کی آوازیں آتی ہیں لگتا ہے جیسے کسی کا نرخرہ کاٹ دیا گیا ہو اور وہ بھل بھل بہتے خون کے ساتھ چیخنے کی کوشش کر رہا ہو۔

تکمیل سے پہلے کا خیال

خواب اور عشق کے اجزا کو بدل\
کیا پتا کوئی نئی شے\
اسی بے کار عمل سے نکلے\
جو تجھے نام کے زندان سے آزاد کرے\
اِک نئی منزلِ خوش رنگ کو ایجاد کرے\
اور پھر تُو جو چلے\
کہکشاں پاؤں سے ہموار بھی ہو\
برق جیسا ترا رہوار بھی ہو\
کاش ایسا ہو کہ یہ تازہ خیال\
شب کا پھیلا ہوا آنچل ہو جائے\
اور ترا حسن مکمل ہو جائے

توقیر تقی



سرگودھا سے بھیجی گئی سچی تحریر اس کہانی کے کردار آج بھی موجود ہیں

کالا جادو

جلن اور حسد میں سفلی عملیات کروانے والی ناعاقبت
اندیش کی کہانی جس کے انجام نے دیکھنے والوں کو لرزہ دیا......

مریم شاہ بخاری

رحمت علی ایک سبزی فروش تھا جو گدھا گاڑی پر سارا دن گاؤں گاؤں جا کر سبزی فروخت کرتا تھا۔ اس کے اچھے اخلاق' شرافت اور ایمانداری نے سب کو متاثر کیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کی سبزی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتی تھی وہ اچھا خاصا کما لیتا تھا۔ جو اس کے مختصر سے خاندان کے لیے کافی تھا۔

رحمت علی کی بیوی صغراں بی بی بھی بہت سمجھدار خاتون تھی اس نے اپنے خاوند کی کمائی کو ضائع کرنے کی بجائے پائی پائی جوڑ کر اپنا چھوٹا سا کچا مکان پکا کر لیا تھا۔ یہ مکان چار کمروں' کچن اور ایک چھوٹے سے ڈرائنگ روم پر مشتمل تھا۔ کپڑے برتن دھونے اور نہانے کا الگ الگ انتظام تھا۔ گھر کی

طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد اب وہ اپنی اکلوتی بیٹی 'ماہیر' عرف ماہی کو رخصت کرنے کے لیے جہیز تیار کر رہی تھی صغراں بی بی اپنی بیٹی کو ضرورت کی ہر چیز مہیا کرنا چاہتی تھی تاکہ وہ سسرال میں جا کر کسی چیز کی محتاج نہ رہے۔ ساتھ ہی وہ اپنی بیٹی کے اچھے نصیبوں کے لیے بھی دعا گو رہتی تھی۔ یہ مختصر سا خاندان نہایت سادہ مگر خوش و خرم زندگی بسر کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ نرم گرم سی بہت دلکش صبح تھی۔ رحمت علی سبزی منڈی سے سبزی لینے کے لیے شہر جا چکا تھا صغراں بی بی کسی کام سے دوسرے محلے گئی ہوئی تھی۔ ماہیر صحن میں جھاڑو لگا رہی تھی جب دروازے پر زوردار دستک نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے گھبرا کر جھاڑو پھینک دیا۔

''یا اللہ...... خیر...... یہ کون آ گیا صبح سویرے......'' وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''جی کون......'' اس نے دل کو تسلی دیتے ہوئے کڑکتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

''ارے بٹیا دروازہ کھولو......'' اجنبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو ایک دبلی پتلی سانولی رنگت والی خاتون کو سامنے کھڑے پایا۔

جی فرمایئے' آپ کون؟'' ماہیر نے الجھی نظروں سے اس خاتون کو سر سے پاؤں تک دیکھا تھا۔

''کیا یہ رحمت علی سبزی فروش کا گھر ہے؟'' ان خاتون نے سوال کیا۔

''جی ہاں...... یہی ہے...... کیا آپ کو ان سے کوئی کام ہے؟'' ماہیر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''تم رحمت علی کی بیٹی ہو......'' جواب کی بجائے سوال آ گیا تھا۔ ان خاتون کی آنکھوں میں ستائش تھی اس کے لیے......

''جی ہاں...... میں انہی کی بیٹی ہوں۔'' ماہیر اب اکتا چکی تھی اس بے وجہ لمبی گفتگو سے......

''میں زبیدہ ہوں رشتے میں تمہاری پھوپی لگتی ہوں جو ہرآباد سے آئی ہوں۔'' ان خاتون نے اس



کی اکتاہٹ کو بھانپ لیا تھا جبکہ ماہیر نے اپنے ذہن پر بہت زور دیا لیکن یہ نام اس کے حافظے میں کہیں محفوظ نہ تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ان خاتون کو جھوٹا قرار دے کر چلتا کرتی صغراں بی بی آتی دکھائی دی۔

''لیجیے میری والدہ آ گئی ہیں ان سے بات کر لیجیے۔'' یہ کہہ کر جھٹ سے اندر کی طرف بھاگ گئی جبکہ زبیدہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ صغراں بی بی نے انہیں پہچان کر فوراً گلے سے لگا لیا......

''ارے بہن تم کب آئیں...... آؤ آؤ...... اندر آؤ۔'' وہ مسکراتی ہوئی اسے گھر کے اندر لیے داخل ہوئی تھی۔

زبیدہ خاتون رحمت علی کی چچازاد بہن تھی ماہیر بہت چھوٹی تھی جب وہ لوگ یہاں سے جوہر آباد شفٹ ہو گئے تھے اب وہ کافی عرصے اور ملنے آئی تھی۔

ماہیر انہیں بالکل نہ پہچان سکی تھی جس پر انہوں نے اچھا خاصا اعتراض کیا تھا۔ رحمت علی اور صغراں نے معذرت بھی کی تھی اس کے رویے پر مگر اسے یہ بات ہضم ہو کے نہ دے رہی تھی۔ اس بات کو چھوڑنے پر وہ آمادہ نہ تھی وہ جب بھی ماہیر کو دیکھتی اسے لیکچر دینا شروع کر دیتی اخلاقیات پر......

نہ جانے کون کون سے قصے کہانیاں لے کر بیٹھ جاتی ماہیر بے چاری گھبرائی گھبرائی سی بس ہوں...... ہاں کیے جاتی۔ وہ جتنا ان سے بچنے کی کوشش کرتی۔ وہ اتنا ہی سر پر سوار ہوتی۔ زبیدہ کو ماہیر پہلی نظر میں ہی اپنے بیٹے کے لیے بھا گئی تھی۔ سرخ و سفید نازک سی، میانہ قد اور نفاست پسند...... اسے ماہیر کی کمر پر جھولتی سیاہ بالوں کی لمبی سی چوٹی بھی بے حد پسند تھی۔ ہاں پسند نہیں آیا تھا تو ماہیر کا کترایا کترایا اور بیزار رویہ......

اللہ اللہ کر کے زبیدہ خاتون نے جوہر آباد کی طرف واپسی کا قصد کیا تھا۔ لیکن جاتے جاتے ان تینوں کے ہوش اڑا گئی تھی۔ اس نے ماہیر کو اپنے بیٹے سے منسوب کرنے کی بات کی تھی۔ رشتہ آنا خوشی کی بات سہی لیکن رحمت علی اس کے بیٹے کے گنوں سے اچھی طرح واقف تھا بے شک وہ کافی عرصہ دور رہے تھے لیکن اس کے قصے پوری برادری کی زبان پر تھے۔ وہ سوچنے کا کہہ رہی تھی اور پھر آنے کا کہہ گئی تھی۔ دونوں میاں بیوی قطعی مطمئن نہ تھے اس رشتے سے...... اور خود ماہیر کو بھی پسند نہ تھا۔

☆......☆......☆

''اماں...... پہلے مجھ سے مشورہ تو کر لیا ہوتا...... تجھے کس نے کہا تھا رحمت ماے کی کڑی کا رشتہ مانگ میرے لیے......'' زبیدہ کا بیٹا غصے سے بول رہا تھا۔

''تو جانتی ہے ناں میں چاچے کرمو کی کڑی پینو کو پسند کرتا ہوں ویاہ میں اُسی سے کروں گا چاہے جو مرضی ہو جائے۔'' وہ قطعی انداز میں بولا تھا۔

''دیکھ ارشد...... باؤلا نہ بن...... پہلے میری گل تو پوری سن لے...... سمجھ رحمت علی کی کڑی لاٹری ہے تیری لاٹری...... اتنا سوہنا مکان...... جہیز کی چیزیں ایک سے بڑھ کر ایک...... اور پھر رحمت علی اور صغراں نے سوچ رکھا ہے داماد کو موٹر سائیکل بھی دیں گے سلامی میں یا پھر رقم دے گے اتنی...... ویسے بھی جو کچھ ہے سارا 'ماہیر' کا ہی ہے اور زیور بھی الگ سے بنا رکھا ہے......'' صغراں کہہ رہی تھی فریج' ٹی وی' کپڑے دھونے والی مشین اور مائیکروویو اوون بھی دیں گے لے کر......'' زبیدہ کی مانو رال ہی ٹپک پڑی تھی ان باتوں کا ذکر کر کے...... خود ارشد کی آنکھوں میں گویا دیے سے جل اٹھے تھے۔

''سوچ ارشد پتر...... ٹھنڈا ہو کر سوچ...... تیرا ہی بھلا ہے اس میں...... اس پروین میں کیا رکھا ہے...... نہ رنگ ہے نہ روپ...... ادھر سے آٹھ

بھائیوں کی بہن...... ہاتھ تیرے ککھ نئیں آنا...... سوائے اس کے بھائیوں کی چاکری کے...... غلام بن کر...... ساری عمر گزار دے گا ان کے ساتھ...... جھلیا عقل سے کام لے...... عقل سے...... راج کرے گا...... سر اٹھا کر چلے گا تو...... سیوا کروا...... سیوا...... مرد بن کر......'' زبیدہ ارشد کو سمجھا رہی تھی اور وہ اب دھیرے دھیرے سر ہلا کر ماں کی باتوں کو قبول کرتا جا رہا تھا۔ پینو کی محبت دور کہیں جا سوئی تھی۔ لالچ کی سیاہ پٹی ماں بیٹے کی آنکھوں پر بندھ چکی تھی۔

☆......☆......☆

''بھائی صاحب کیا حرج ہے کہ گھر کی بات گھر میں رہ جائے ماہی پتر کون سا بیاہ کر غیروں میں جائے گی۔ جب جی چاہے ملنے چلے آنا' اپنوں سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوتا رحمت ویر...... منڈا بھی تیرا دیکھا بھالا ہی ہے۔'' زبیدہ خاتون کے لہجے میں مٹھاس ہی مٹھاس تھی۔ وہ تیسرے ہفتے ہی پھر سے رحمت علی کے گھر موجود تھی۔

''دیکھ زبیدہ بہن یہ فیصلے اتنی جلدی نہیں طے پا جاتے...... تو آئی ہماری سر آنکھوں پر میں تیری عزت کرتا ہوں...... مگر بہتر ہے تو اس رشتے والی بات کو یہیں پر ختم کر دے...... میں نہیں چاہتا تیرا دل ٹوٹے......'' رحمت علی نے بڑے ضبط سے نرم لہجے میں اپنی بات کو مکمل کیا تھا۔

اس رشتے والی بات کو کیوں ختم کروں ویر...... وجہ تو دس ناں مجھے...... آخر کیا کمی ہے میرے چن پتر ارشد میں...... ہیرا ہے میرا پتر...... ہیرا...... اسے مت گنوا...... بڑھاپے کا سہارا بن جائے گا تیرے...... خدمت کرے گا تیری......'' زبیدہ کے لہجے میں لجاجت تھی رحمت علی کی بات تیر کی طرح لگی تھی اسے پر وہ برداشت کر گئی آخر لڑکی کا رشتہ لینا تھا۔

''صغراں بھرجائی...... تو بھی تو کچھ بول...... میری طرف داری ہی کر دے...... آخر تیری بھی ماسی کی دھی لگتی ہوں......'' اس نے صغراں کو بھی گفتگو میں شامل کرنا چاہا...... جو کب سے خاموشی اختیار کیے ہوئے تھی۔

''بہن میں کیا بولوں...... ماہیر کا فیصلہ اس کا باپ ہی کرے گا...... وہ جو بھی کہے مجھے منظور ہے۔'' صغراں نے جیسے اپنی جان چھڑائی تھی۔

''آخر رحمت ویر تیرا کیا فیصلہ ہے؟'' زبیدہ نے پُر امید نظروں سے سوچوں میں گم رحمت علی کو دیکھا تھا۔ وہ چونکا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''میرا فیصلہ یہ ہے کہ......'' وہ تھوڑی دیر رُکا۔

''مجھے یہ رشتہ قبول نہیں...... میں تیرے ہیرے جیسے بیٹے کے لچھنوں سے اچھی طرح واقف ہوں میں بیوقوف ہرگز نہیں کہ اپنی دھی اُسی نشئی اور جواری کے پلے باندھ دوں۔ اچھی طرح واقف ہوں میں ارشد عرف اچھی اور اس کے آوارہ دوستوں سے چپ کر کے چلی جا یہاں سے......'' رحمت علی غصے سے کھولتا ہوا باہر نکل گیا تھا جبکہ زبیدہ بھونچکی سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''اماں تُو تو کہتی تھی ماما رحمت تجھے انکار کر ہی نہیں سکتا۔ اب سنا...... وہاں سے بے عزتی کروا کے آ گئی چپ چاپ......'' ارشد مسلسل طنز بھری باتیں کیے جا رہا تھا۔

''اب کس کو ناکوں چنے چبوائے گی...... کہاں گیا تیرا وہ مکان اور زیور...... سب گیا ہاتھ سے...... ہاہاہاہا......'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''اگلے مہینے ویاہ کی تیاری کر...... میرے اور پروین کے...... بس......'' وہ قطعی انداز میں کہہ کر اٹھ گیا۔ جبکہ زبیدہ کے دل میں ہاتھ سے جاتی مفت کی دولت کا خیال رہ رہ کر آ رہا تھا۔ اس کا دماغ بہت

کچھ سوچ رہا تھا۔ جس پر وہ عمل کرنے کا پورا ارادہ رکھتی تھی۔ رحمت علی نے اس کی انا پر بڑی کاری ضرب لگائی تھی۔ پر اُسے تحمل سے کام لینا تھا۔ وہ جلد بازی میں کام خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے برادری والوں کے گھروں میں جا کر رحمت علی اور اس کے خاندان کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دیں۔ خاص طور پر 'ماہیر' کو خوب تنقید کا نشانہ بنایا۔ برادری کے بڑے بزرگوں پر زور دیا کہ وہ رحمت علی کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ میرے بیٹے کے ساتھ طے کر دے۔

برادری والے ارشد کے چال چلن اور رحمت علی کی شرافت سے خوب واقف تھے انہوں نے زبیدہ کی کسی بات پر کان نہ دھرا بلکہ اسے خوب باتیں سنائیں۔ جب کہیں سے بھی اس کی شنوائی نہ ہوئی تو اپنی بے عزتی کا دکھ اور حسد کی آگ نے اس کو پاگل سا کر دیا۔

اس کے دل میں نفرت اور انتقام نے جگہ لے لی۔ اس نفرت کا اظہار پوری برادری کے سامنے کیا اور پھر برادری والوں نے رحمت علی کی بیٹی ماہیر کو تین ماہ سسکتے بلکتے دیکھا۔

☆......☆......☆

''اماں اماں......'' ماہیر آدھی رات کو اٹھ کر رحمت علی اور صغراں کے کمرے کے سامنے کھڑی تھر تھر کانپتی ماں کو بلا رہی تھی۔

''ابا......ابا......'' وہ زور سے چلائی۔ صغراں اور رحمت علی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ جلدی سے اٹھ کر باہر آئے۔ ماہیر کو دیکھ کر پریشان ہو گئے وہ دوڑ کر ماں کے سینے سے جا لگی۔ نہ اس کے سر پر دوپٹہ تھا نہ پیروں میں جوتا......

''کیا ہوا میری بٹیا کو......'' صغراں اسے بانہوں میں لے کر اپنے کمرے میں لے آئی رحمت علی بھی پیچھے پیچھے چلا آیا۔ وہ ماہیر کے مسلسل رونے پر بہت گھبرایا ہوا تھا۔

''اماں...... آگ...... آگ...... لگی ہے میرے چاروں طرف...... میں جل رہی ہوں مجھے بچا لیں۔'' سسکتی بلکتی ماہیر نے کہا تو وہ اس کو مزید اپنی بانہوں میں بھر کر پیار کرنے لگی۔

''بس میری دھی...... نہ رو...... تُو نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ ڈر گئی ہے بھلا کہاں سے آ گئی آگ......'' صغراں بی بی نے اسے تسلی دی تھی۔ رحمت علی نے بھی بیٹی کو شفقت سے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''نہ میری جھلی بٹیا نہ رو...... تیرا بابا ہے ناں تیرے ساتھ...... تیرے پاس...... تجھے کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اس کو چپ کروا رہے تھے اس کے آنسو پونچھ رہے تھے۔

''چل تُو میرے ساتھ اِدھر ہی سو جا......'' صغراں بی بی نے اسے پیار سے تھپکتے ہوئے اپنے بستر پر لٹا دیا اور خود بھی اس کے برابر میں لیٹ گئی۔ وہ بہت خوفزدہ تھی اس نے ماں کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

☆......☆......☆

اگلی صبح صغراں نے اسے بیدار نہیں کیا بلکہ رحمت نے اسے منع کر دیا تھا اس کے خیال میں وہ نیند پوری کر لے تو اچھا ہے۔ اسے سوتا چھوڑ کر صغراں بی بی کچن میں آ کے ناشتہ تیار کرنے لگی جبکہ رحمت علی سبزی منڈی جانے کی غرض سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ ماہیر کی دلدوز چیخوں نے انہیں ہلا کر رکھ دیا وہ بھاگ کر اس کی طرف گئے تو اندر کے منظر نے ان کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔

ماہیر بستر پر اکڑی پڑی تھی اس کے ہاتھ پاؤں الٹ چکے تھے آنکھوں پر غشی سی طاری تھی اور منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ وہ دوڑ کر اس کے پاس آئے

تھے۔ اسے ہلا جلا کر دیکھ رہے تھے مگر وہ تو ایسے پڑی تھی جیسے کوئی لوہا ہو...... رحمت علی دوڑ کر کچن سے پانی لے آیا۔ صغراں اس کی ہتھیلیوں کو اپنے ہاتھوں سے دبانے لگی۔ رحمت علی بیٹی کے پیروں کے تلوے مل رہا تھا۔ اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ ماہیر اصلی حالت میں لوٹ آئے۔ پانی چھینٹا ناک دبائی' صغراں بی بی قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگی۔

ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد اس کے وجود کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ بالکل ایسے ہوگئی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ ماہیر خالی خالی نظروں سے اپنے ماں باپ کے غمزدہ چہروں کو دیکھ رہی تھی جو اس کی تکلیف پر آنسو بہا رہے تھے۔

☆......☆......☆

ماہیر کے ساتھ روز ہی کچھ نہ کچھ نیا ہوتا۔ راتوں کو وہ سو نہ سکتی تھی اگر سوتی تو چیخیں مار کر اٹھ بیٹھتی۔

اس کے پورے وجود پر سوئیاں سی چبھتی' جن کی تکلیف سے بلبلا کر رہ جاتی۔ کبھی اس کے پیروں کے تلوے گرم ہوکر سرخ لہو رنگ ہوجاتے اور چھوٹے چھوٹے سفید آبلے پڑ جاتے۔ جو جلد ہی ٹھیک ہوکر غائب ہوجاتے اس کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔

اس کے چہرے کی شگفتگی و رعنائی ختم ہوگئی تھی۔ ایک رات وہ سو کر اٹھی۔ اس نے اپنے لمبے بالوں کو ہاتھوں سے سنوار کر جوڑے کی شکل دینی چاہی مگر یہ کیا......؟

اس کے بال...... وہ خوفزدہ سی آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اس کے ہونٹوں سے چیخ نکلی تھی۔ صغراں بی بی خود صدمے سے گنگ رہ گئی ان کے ماہیر کے بال سر پر نہیں تھے۔ اس کے بال کٹ چکے تھے بالکل کانوں کی لوؤں سے بھی اوپر تک...... وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی اور خود صغراں بی بی بھی......

☆......☆......☆

ماہیر کو چپ لگ گئی تھی وہ ہر وقت خلاؤں میں جانے کیا گھورتی رہتی...... یا اپنے ہاتھوں کے ناخن چبانے لگتی۔ اجاڑ جھنکار حلیہ اور بالکل پاگلوں کی طرح دکھنے لگی۔ رحمت علی کے گھر میں خون کے چھینٹے پڑنے لگے۔ کبھی پانی کا چھڑکاؤ ہوا ہوتا' تو کبھی کسی جانور کی گردن تک کٹی ہوئی سری...... کہیں نہ کہیں سے برآمد ہوتی۔

یہی نہیں ماہیر کی آنکھوں اور منہ سے بھی خون جاری ہوجاتا...... اکثر اوقات اس کی گردن اور بازوؤں پر کٹ لگے ہوتے جیسے چھری کے ساتھ ان کو کاٹا گیا ہو...... یہ نشان بہت گہرے ہونے پر خود ہی معدوم ہوجاتے...... صغراں بی بی اور رحمت علی کی راتوں کی نیند حرام ہوچکی تھیں۔ جوان بیٹی کی حالت ابتر سے ابتر ہوتی جا رہی ہے۔

اسے روز ہی کسی نئی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اب تو پورے جسم پر سفید آبلے ظاہر ہونے لگے تھے جن کی جلن اور درد سے وہ تڑپ اٹھتی تھی۔ محلے والے رحمت علی اور اس کی بیوی کے ساتھ پوری ہمدردی کرتے لیکن خود وہ اس معاملے میں بالکل بے بس تھے۔

صغراں بی بی کو اس قدر اندازہ تو ہوچکا تھا کہ ان کی بیٹی پر کوئی جادو وغیرہ کردیا گیا تھا۔ اس نے رحمت علی پر زور دیا کہ وہ اس کے روحانی علاج کا بندوبست کرے کہ یہ ڈاکٹروں کا روگ نہیں۔

وہ اس کا علاج نہیں کرسکتے۔ رحمت علی نے اپنے گاؤں کے امام مسجد سے تمام واقعات و حالات بیان کیے تو انہوں نے اسے بتایا کہ یہ کالے جادو کے وار ہیں اس کا توڑ میرے بس سے باہر ہے تم کسی اور سے رجوع کرو۔"

وہ بہت پریشان ہوا۔ اسی پریشانی کے عالم میں وہ گھر کی جانب آ رہا تھا کہ اسے اپنا پرانا دوست فتح الدین مل گیا۔ فتح الدین سے مل کر بہت خوش ہوا تھا لیکن اس کی آنکھیں اور چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اندر سے بہت تکلیف میں ہے یہ بات اس کے جگری دوست نے بھی محسوس کر لی تھی۔ جب وہ رحمت علی کے گھر پہنچے تو اس نے سب سے پہلے اپنے دوست سے اس کی پریشانی کا سبب دریافت کیا۔ رحمت علی ایک باہمت اور حوصلہ مند انسان تھا لیکن اپنے ہمدرد دوست کو سامنے پا کر وہ ٹوٹ گیا۔

بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس نے اپنے اوپر بیتنے والی قیامت کا ذکر کیا جسے سن کر فتح الدین خود بھی پریشان ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنے دوست کی ہمت بندھائی اور ایک ایسے شخص کا پتا دیا جو کہ ایسے کاموں کے توڑ میں ماہر تھا نہ صرف ماہر تھا بلکہ وہ یہ کام فی سبیل اللہ کرتا تھا۔ رحمت علی اپنے دوست کا بہت شکر گزار ہوا۔

☆......☆......☆

اگلے روز ہی رحمت علی، صغراں اور ماہیر اس شخص کے پاس جا پہنچے جس کا پتہ اس کے دوست نے دیا تھا۔ وہ ایک کالے جادو کا ماہر انسان تھا وہ لوگوں کی مدد کرتا تھا اور اس کا معاوضہ بھی نہیں لیتا تھا۔

اس نے ماہیر پر بیتنے والے واقعات خود ہی بیان کر دیے نہ صرف بیان کیے تھے بلکہ جس نے وار کروائے تھے اس کا حلیہ اور شکل تک بتا دی تھی جسے سن کر رحمت علی اور صغراں بی بی صدمے سے گنگ بیٹھے رہ گئے تھے۔ وہ کوئی اور نہیں 'زبیدہ خاتون' تھی۔

جس نے حسد اور لالچ میں آ کر ایک ہنستی بستی لڑکی کو اجاڑ کر رکھ دیا تھا جس کا قصور بھی کوئی نہ تھا۔ عامل بابا نے ان کو تسلی دی۔ ماہیر کا علاج کرنے کا کہا۔ مسلسل تین ماہ تک وہ عامل بابا ماہیر پر کیے گئے وار کا خاتمہ کرتا رہا۔ آخر کار اس کی محنت رنگ لائی اور ماہیر دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آئی۔

آہستہ آہستہ اس کی دلکشی اور رعنائی بھی لوٹ آئی۔ بال بھی عامل بابا کے دیے گئے خاص تیل سے دوبارہ بڑھنا شروع ہو گئے۔ رحمت علی اور صغراں بی بی بہت خوش ہوئے انہوں نے عامل کو نذرانہ دینا چاہا تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔

"نہیں...... یہ تم اپنا اور اپنی بیٹی کا صدقہ دے دو اور کوشش کرو اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کر سکو اور صدقہ دیتے رہنا تا کہ آفتوں سے محفوظ رہو۔" عامل بابا انہیں نصیحت کر کے جا چکے تھے رحمت علی اور صغراں کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے وہ فوراً اٹھے وضو کیا اور اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

اِدھر برادری والوں نے ماہیر کی تکلیف دیکھی تو پھر اسی تکلیف کا شکار زبیدہ خاتون کو دیکھا اس کا عمل اسی پر الٹ چکا تھا۔ اس کا ذہنی توازن بگڑا اور ساتھ ہی اسے کوڑھ کا مرض لاحق ہو گیا۔

اس کا لاڈلا بیٹا اسے اٹھا کر گندے نالے کے پاس پھینک آیا۔ جہاں اس نے سسک سسک کر زندگی کے باقی ماندہ دن گزارے۔ لوگوں کی نفرت تضحیک کا نشانہ بنی اور آخر کار اسی حالت میں دم توڑ گئی۔

برادری والوں نے بیٹے کو برا بھلا کہا اور اس کی آخری رسومات کو ادا کر کے گھروں کو لوٹ گئے یہ کہانی یہاں پر ختم ہوتی ہے۔ پر کیا سچ میں یہ کہانی ختم ہو گئی ہے؟ میرے خیال میں تو نہیں...... زبیدہ جیسے حرص و لالچ کے مارے ہوئے لوگ جب تک زندہ ہیں یہ کہانیاں جنم لیتی رہیں گی...... کیا خیال ہے آپ کا......؟

کراچی سے بھیجی گئی خوفناک تحریر

پُراسرار اسپتال

وہ رات کی ڈیوٹی پر معمور تھیں مگر اسپتال میں سب کچھ بہت

پُراسرار محسوس ہوتا تھا بہت ہی خوفناک سناٹا تھا چاروں جانب……

فرح انیس

آپ کا نام سامنے بیٹھے ڈاکٹر نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرا نام مہرین ہے وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولی وہ اور اس کے برابر بیٹھی شہلا دل ہی دل میں دعا کر رہی تھیں کے ان کو یہ جاب مل جائے۔

وہ ڈاکٹر کھڑکی کا بلائنڈ اٹھا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ ٹھیک ہے آپ لوگ کل سے آجائیں وہ ان کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے آہستگی سے بولا۔ ان دونوں کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا مگر ہمیں نائٹ شفٹ کے لیے ضرورت ہے رات بارہ سے چار تک وہ اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

جی ہمیں کوئی اعتراض نہیں شہلا بخوشی راضی تھی مگر برابر بیٹھی مہرین نائٹ شفٹ کی وجہ سے کشمکش کا شکار تھی۔

جتنا وہ ڈاکٹر کھڑوس لگ رہا تھا مجھے نہیں لگ رہا تھا کہ ہمیں نوکری ملے گی رات شہلا بستر پر لیٹتے ہوئے مہرین سے بولی۔

شہلا اسپتال کچھ عجیب سا معلوم نہیں ہو رہا تھا عجیب پراسراریت تھی مہرین اس کے برابر لیٹی ہوئی کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

ہمیں کیا ایک تو قسمت سے اتنی مشکلوں سے تو جاکر یہ جاب ملی ہے اور تم یہ بیکار کا سوچنے بیٹھ گئی ویسے مجھے تو کہیں سے پراسرار نہیں لگ رہا تھا شہلا چھوٹی بہن کو جھاڑتے ہوئے بولی ویسے بھی وہ دونوں جتنا جاب کے لیے پریشان تھیں ان کو یہ جاب اس وقت کسی نعمت سے کم معلوم نہیں ہو رہی تھی۔

ہاں ہوسکتا ہے یہ میرا وہم ہو۔ مہرین سر جھٹکتے ہوئے بولی۔ یہ جاب تو اس وقت ہمارے لیے بے حد ضروری تھی کیونکہ اگر اس ماہ ہماری نوکری نہ لگتی تو ہم وقت پر کرایہ نہ دے پاتے جس کی وجہ سے ہمارے بدمزاج مالک مکان نے نکال دینا تھا مہرین جمائی لیتی ہوئی بولی۔

چلو سو جاؤ صبح جاب پر بھی جانا ہے شہلا کی آنکھوں میں بھی نیند تھی۔ تم بھول رہی ہو کل صبح نہیں

انا ہے ہماری رات کی ہے اس کی بات پر نے بولی۔ اں چلو پھر بھی اچھا ہے نیند جائے تاکہ ہیں ہم فریش تو ہلا آنکھوں پر تی ہوئی بولی اس ت پر مہرین بھی لے کر سونے ش کرنے لگی۔

ہلا اور مہرین بہنیں تھیں شہلا سے عمر میں تین بڑی تھی ان کے پ کی موت دو پہلے ہی ایک میں ہوگئی تھی



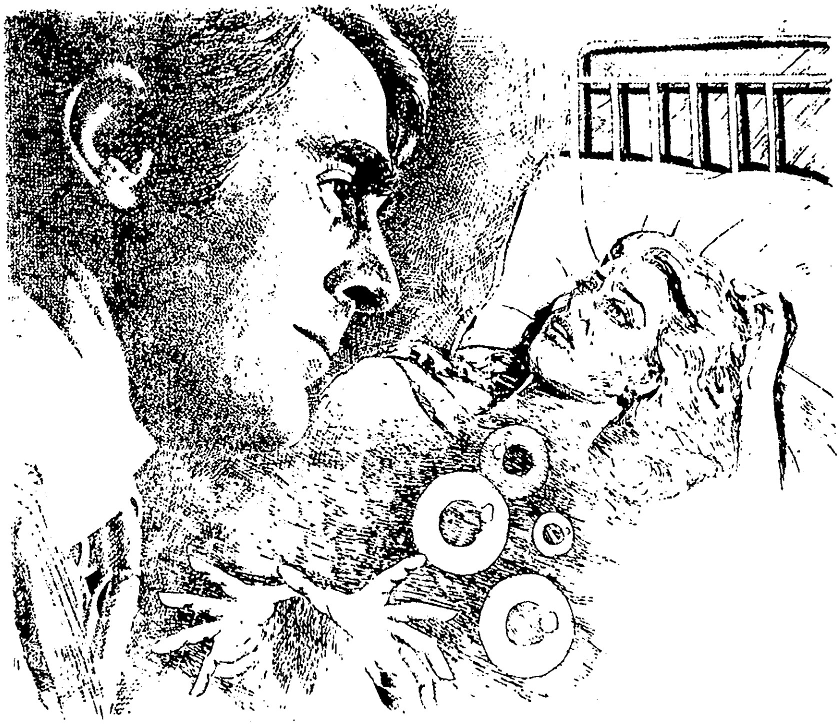
ر مہرین نے نرسنگ کا کورس کیا ہوا تھا وہ ایک چھوٹے سے قصبے میں رہتی تھیں ماں کی وفات کے بعد وہ نوکری کے سلسلے میں شہر آگئی تھیں یہ شہر بھی چھوٹا سا تھا مگر ان کے کے مقابلے میں کافی ترقی یافتہ تھا یہاں آکر نے سب سے پہلے کرائے کا گھر لیا پھر نوکری ل میں روز نکل جاتی تھیں اور مختلف اسپتال ں مگر سب جگہ سے ہی انکار ہو جاتا شہر میں کسی سے اتنی جان پہچان یا بات چیت بھی نہ ہ نوکری کے سلسلے میں کسی سے بات کرتیں شام کسی جگہ سے گزرتے ہوئے ان دونوں کو ایک چھوٹا سا اسپتال نظر آیا انہوں نے سوچا ں بھی کوشش کے دیکھ لیتے یں اس بار ان کا قسمت نے ساتھ دیا اور ان کو جاب مل گئی۔۔

اگلی رات وہ دونوں وقت پر پہنچ گئی تھیں کس قدر خاموشی ہے اس اسپتال میں لگ رہا ہے کوئی ہے ہی نہیں مہرین پارکنگ میں اس کے ساتھ چلتی ہوئی بولی اور تم نے گیٹ پر بیٹھے چوکیدار کو دیکھا تھا کیسے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا مہرین منہ بناتی ہوئی بولی چپ کر کے چلو شہلا بہن کو ڈپٹتے ہوئے بولی تو وہ خاموشی سے چلنے لگی مگر بہت غور سے اسپتال کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا پرائیوٹ تین منزلہ اسپتال تھا جس کے چپے چپے سے مہرین کو عجیب پراسراریت چھلکتی معلوم ہو رہی تھی اندر داخل ہو کر اسے ریسپشن پر دو خواتین بیٹھی نظر آئیں جو فائل پر جھکی کچھ دیکھ رہی تھیں سامنے ہی کوریڈور میں آتے جاتے ڈاکٹرز اور دیگر اسٹاف نظر آیا لو آ گیا اطمینان شہلا چھوٹی بہن کو دیکھتی ہوئی شرارت سے بولی مہرین کو آتے جاتے

لوگوں کو دیکھ کر سکون آیا ورنہ وہ اب تک عجیب سی سوچوں کا شکار تھی وہ دونوں وہاں ریسپشن پر جا کر بات کرنے لگیں کچھ دیر بعد وہ دونوں ڈیوٹی پر تھیں۔۔

مہرین اور شہلا کو کام کرتے ہوئے ایک ہفتہ ہو رہا تھا مہرین پہلی منزل کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ اس کی نظر سامنے کی جانب پڑی اسپتال کے



بلکل سامنے گھر بنے ہوئے تھے مگر وہ سفید گھر کو دیکھ رہی تھی جس کے ٹیرس میں ایک لڑکی کھڑی گھور گھور کر مہرین کو دیکھ رہی تھی مہرین کو اس کے اس طرح سے دیکھنے پر حیرت ہوئی اس کی نگاہ بے اختیار ہاتھ میں بندھی گھڑی پر گئی جو رات کے تین بجا رہی تھی مہرین تم کو ڈاکٹر راحیل بلا رہے ہیں شہلا کی آواز پر وہ ڈاکٹر راحیل کے روم کی جانب بڑھ گئی ان کی بات سن کر وہ کمرے سے نکل رہی تھی کہ اسے یاد آیا روم نمبر آٹھ کی مریضہ کو اس نے انجیکشن لگانا تھا وہ اس روم کی جانب بڑھ گئی روم میں داخل ہوئی تو بیڈ پر لیٹی مریضہ اس کو دیکھ کر مسکرانے لگی وہ مسکرا کر ہاتھ دھونے کی غرض سے واش روم کی جانب بڑھی مہرین ہاتھ دھو کر کمرے سے باہر نکلی اس کی نگاہ بیڈ پر پڑی تو اس کا اندر کا سانس اندر رہ گیا وہاں بیڈ پر ایک جلی ہوئی لاش رکھی تھی وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے خوف سے چیخنے لگی کیا ہوا مس مہرین ڈاکٹر راحیل کی آواز پر اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھوں سے ہاتھ اٹھایا وہ سر وہاں لاش وہ خوف سے بیڈ کو دیکھے بغیر بولی کدھر ہے لاش ڈاکٹر راحیل حیرت سے اس کی نظروں کے

تعاقب میں دیکھتے ہوئے بولے تو مہرین پریشان سی ہوگئی وہاں بیڈ پر وہی خاتون لیٹی تھیں لگتا ہے آپ کی نیند پوری نہیں ہو رہی ڈاکٹر راحیل طنز سے کہتے ہوئے باہر چلے گئے مہرین کو سمجھ نہیں آیا اس کے ساتھ جو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوا تھا اس کی نظر کا دھوکا تھا یا حقیقت تھی وہ گھبرا کر خود بھی کمرے سے باہر نکل گئی۔

کیا ہوا اتنی ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہے سامنے سے آتی شہلا اس کا چہرہ دیکھتی ہوئی بولی نہیں کچھ نہیں شاید نیند پوری نہیں ہوئی تو ایسی طبیعت ہے وہ بات بناتے ہوئے بولی کیونکہ اس ہی وقت سامنے سے ڈاکٹر راحیل آرہے تھے۔

اگلے روز مہرین اسپتال کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ اس کو وہی لڑکی نظر آئی مہرین دانستہ طور پر اس سے نظریں چرا کر آگے بڑھ گئی عجیب سنکی ہے ہر وقت گھور کر دیکھتی رہتی ہے وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

وہ تھرڈ فلور کے کوریڈور میں تھی کے اسے روم نمبر اٹھارہ سے کسی کے کراہنے کی آواز آئی ایسا لگتا تھا کوئی بہت تکلیف میں ہے اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو کمرے کو خالی دیکھ کر وہ گھبرا سی گئی کیا دیکھ رہی ہو پیچھے سے کسی کی آواز پر وہ ڈر کر اچھل گئی وہ وارڈ بوائے امجد تھا اف ڈرا دیا تم نے وہ اسے دیکھتے ہوئے گھور کر بولی مجھے اس کمرے سے آواز آرہی تھی ایسی جیسے کوئی بہت درد میں تڑپ رہا ہو مگر جب دیکھا تو کوئی بھی نہیں وہ اسے پوری بات بتاتی ہوئی بولی۔

ہاں اکثر اس کمرے سے ایسی آوازیں آتی ہیں امجد کی بات پر وہ خوفزدہ سی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ کیوں کیا ہے اس کمرے میں۔ یہ کمرہ عرصہ دراز سے ایسے ہی بند پڑا ہوا ہے کوئی پیشنٹ بھی اس روم میں نہیں رکتا کیونکہ اس کمرے سے آنے والی آوازوں سے سب ہی ڈرتے ہیں وہ پراسرار لہجے میں بولا اور اس کی ڈری صورت دیکھ کر قہقہہ لگا کے ہنس دیا۔

تم پاگل ہو جو آواز تم نے سنی وہ یقینی طور پر مریض کی تھی آگے بڑھ کر امجد نے دروازہ کھول کر اسے دکھایا تو بیڈ پر مریض لیٹا ہوا تھا مہرین چکرا کر رہ گئی یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے مہرین پریشان سی سوچے جا رہی تھی اگلے دن دوپہر کھانے پر اس نے شہلا سے تذکرہ کیا تم کو وہم ہوا ہے ایسا کچھ نہیں ہے وہ اس کی بات کی تردید کرتے ہوئے بولی شہلا یقین کرو اس اسپتال میں کچھ ہے میں نے محسوس کیا ہے مہرین اپنی بات پر زور دیتی ہوئی بولی مہرین ہمارے پاس اس نوکری کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تم پلیز بیکار کی باتیں کر کے اپنا بھی دماغ خراب کر رہی ہو اور میرا بھی شہلا اس کو ٹوکتے ہوئے بولی جس پر مہرین چپ سی ہوگئی۔

رات وہ دونوں اسپتال میں داخل ہو رہی تھیں کے مہرین کی نظر اس ہی لڑکی پر پڑی جوان دونوں کو دیکھ رہی تھی مہرین کو اس کے دیکھنے کے انداز سے عجیب سا خوف محسوس ہوا شہلا بھی اس لڑکی کو دیکھنے لگی یہ لڑکی بہت عجیب لگتی ہے مہرین کے منہ سے بے اختیار نکلا اچھا چلو اندر دیر ہو رہی ہے وہ مہرین کو بولتی ہوئی آگے بڑھ گئی شہلا بھی کافی بار اس لڑکی کو اس طرح سے کھڑے اس کو یوں گھورتے ہوئے دیکھ چکی تھی اسے اس لڑکی کے اس طرح سے دیکھنے پر عجیب سا لگتا تھا وہ سوچوں کو جھٹک کر ہاتھ میں بندھی گھڑی دیکھنے لگی جو رات کے چار بجا رہی تھی وہ کافی تھکن محسوس کر رہی تھی کرسی کی پشت سے سر لگا کر وہ آنکھیں بند کر کے اونگھنے لگی شہلا کو ایسا محسوس ہوا کوئی کمرہ کھول کر اندر آیا ہے۔

شہلا تم روم نمبر بارہ کی مریضہ کا بلڈ پریشر چیک کرلو مہرین بولی اچھا جا رہی ہوں وہ بند آنکھوں کے

ساتھ بولی مہرین دروازہ کھول کر باہر چلی گئی وہ کچھ دیر آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی پھر سستی سے اٹھ کر وہ باہر چل دی اور روم نمبر بارہ کی جانب بڑھ گئی وہ دروازہ کھول کر روم میں داخل ہوئی تو اسے مریضہ بیڈ پر نظر نہیں آئی تو ٹوائلٹ میں ہوں گی وہ خود کلامی کرتی ہوئی کھڑکی کی جانب بڑھی اور کھڑکی سے نیچے پارکنگ کی طرف دیکھنے لگی پارکنگ میں اترا سناٹا عجیب وحشت میں مبتلا کر رہا تھا اتنی دیر ہوگئی کہاں رہ گئیں وہ ٹوائلٹ کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی اور کچھ سوچ کر اس جانب بڑھی اس نے دروازے پر ہاتھ مارا تو دروازہ کھلتا چلا گیا وہ حیران نظروں سے دیکھنے لگی جہاں کوئی بھی نہیں تھا کہاں چلی گئیں وہ پریشانی سے بیڈ کی جانب بڑھی۔

میں ایسا کرتی ہوں نیچے جا کر بتاتی ہوں کے یہاں مریضہ موجود نہیں وہ سوچتی ہوئی پلٹی ہی تھی مگر ایک جھٹکے سے رک گئی اس کے پیر کو کسی نے دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا وہ حواس باختہ سی نیچے کی جانب دیکھنے لگی تو چیخ اس کے حلق میں گھٹ گئی بیڈ کے نیچے سے کوئی جلا ہوا ہاتھ نکلا ہوا تھا جو اس کا پیر مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اسے لگ رہا تھا خوف سے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

کہاں ہو تم مہرین دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اس کی آواز پر ان ہاتھوں نے شہلا کا پیر چھوڑ دیا کیا ہوا اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو۔ مہرین اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر بولی شہلا حواس باختہ سی بیڈ کے نیچے کی طرف دیکھنے لگی جہاں اب کوئی بھی نہیں تھا۔ تم نے بولا تھا مریضہ کا بلڈ پریشر چیک کرنے کو میں تب ہی ادھر آگئی تھی وہ بولی میں نے کب بولا مہرین آنکھوں میں حیرانگی لیے بولی۔

نیچے جب میں کمرے میں تھی تم آئی تھی کہنے شہلا اس کی بات پر بولی ارے میں کہاں سے آگئی میں تو ادھر آئی ہی نہیں۔

اچھا پھر میرا وہم ہوگا وہ نہیں چاہتی تھی مہرین خوفزدہ ہو اور یہاں آنے سے گھبرائے کیونکہ یہ جاب ان کی مجبوری تھی چلو گھر نہیں چلنا کیا اسے سوچوں میں گم دیکھ کر مہرین بولی وہ چونک کر اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی سیڑھیاں اترتے ہوئے اسے پہلی بار اس اسپتال سے وحشت کا احساس ہو رہا تھا یعنی مہرین جو بتا رہی تھی وہ سب ٹھیک تھا وہ گھر آکر بھی آج رونما ہونے والے واقعے کے بارے میں سوچتی رہی۔

اگلی رات اس کا بلکل دل نہیں تھا اسپتال جانے کا مگر وہاں جانا ان کی مجبوری تھی پتا نہیں کیا مسلہ ہے اس لڑکی کو شہلا مریض کو دیکھ کر نیچے آرہی تھی کہ اس لڑکی کو دیکھ کر کوفت زدہ سی ہوگئی اسے آج اس لڑکی پر غصہ آرہا تھا جو اس طرح سے گھور گھور کر دیکھتی تھی مہرین جو شہلا کو ہی ڈھونڈ رہی تھی اس کو ڈھونڈتی ہوئی وہیں آگئی مجھے تو اس لڑکی سے ڈر لگتا ہے جو اتنی رات یوں کھڑی رہتی ہے مہرین کن انکھیوں سے اس لڑکی کو دیکھتی ہوئی بولی جو ہنوز ان دونوں کو دیکھ رہی تھی چھوڑو ہمیں کیا جو بھی ہے ہماری بھی تو غلطی ہے رک کر کیوں دیکھتے ہیں ہمیں اس کو نظر انداز کرنا چاہیے وہ مہرین کی بات پر اپنے اندر کے خوف پر قابو پاتی ہوئی بولی چلو نیچے چلتے ہیں وہ دونوں نیچے آگئیں ان کو اس اسپتال میں آئے ہوئے ایک ماہ کے قریب ہونے والا تھا مگر ان کی اسپتال میں موجود اسٹاف سے اتنی بے تکلفی نہیں تھی سب اپنے کام سے کام رکھتے تھے اب بھی سب کام میں ہی مصروف تھے ریسیپشن پر بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر شہلا نے اس کی جانب مسکراہٹ اچھالی جس پر اس نے سنجیدہ نظروں سے شہلا کو دیکھا یہاں پر سب ہی کھڑوس ہیں مہرین جو اس کے ساتھ چل رہی تھی اس کے کان میں سرگوشی کرتی ہوئی بولی جس پر شہلا اپنی ہنسی ضبط کرنے لگی۔

اس اسپتال کا چوکیدار مجھے خبطی لگتا ہے جس طرح سے آتے جاتے گھورتا ہے مہرین منہ بنائی ہوئی بولی جس پر شہلا کا دل چاہا وہ بولے اسے تو پورا اسپتال ہی ایسا معلوم ہوتا ہے۔

اف میں کتنی بھلکڑ ہوں اپنا سیل فون ہی روم میں بھول آئی مہرین کوریڈور میں تھی کہ اس کو یاد آیا وہ اپنی عقل پر ماتم کرتی ہوئی واپس کمرے کی جانب پلٹنے لگی جہاں ابھی وہ کچھ دیر پہلے موجود تھی وہ ابھی کمرے کے نزدیک ہی تھی کے اچانک سے سامنے سے خالی وہیل چیئر چلتی ہوئی اس کی جانب آنے لگی وہ پھٹی آنکھوں سے اس خالی وہیل چیئر کو دیکھ رہی تھی جس میں اس کا سیل فون رکھا تھا وہ وہیل چیئر اس کے نزدیک آکر رک گئی مہرین کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس وہیل چیئر پر کوئی بیٹھا ہو اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا سیل فون اٹھایا اور وہاں سے تیزی سے پلٹی کہ سامنے سے آتی شہلا سے ٹکرا گئی کیا ہوا اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو شہلا اس کے چہرے پر پریشانی ہویدا دیکھتے ہوئے بولی نہیں کچھ نہیں گھر چلو وہ ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتی ہوئی بولی

☆......☆......☆

میں سوچ رہی ہوں ہمیں کوئی اور جاب بھی ساتھ ساتھ ڈھونڈنی چاہیے باورچی خانے میں کھڑی شہلا کھانا پکاتی ہوئی اس سے بولی میں بھی یہی سوچ رہی ہوں مہرین اس کی بات پر متفق ہوتے ہوئے اسے دیکھنے لگی ایسے کیوں دیکھ رہی ہو شہلا اس کے دیکھنے پر مسکراتی ہوئی بولی۔

سوچ رہی ہوں تم کو کیسے خیال آ گیا دوسری جاب ڈھونڈنے کا مہرین کی بات پر وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئی مجھے بھی اس اسپتال سے اب خوف آنے لگا ہے شہلا آہستگی سے بولی اس کی بات پر مہرین چونک کر اسے دیکھنے لگی جس پر شہلا آہستہ آہستہ اسے سب بتانے لگی مہرین بھی اسے کل وہیل چیئر والی بات بتانے لگی جس پر شہلا سوچوں میں گھر گئی۔

آدھی رات بیت گئی تھی آج شہلا کو ڈیوٹی کے دوران زیادہ ہی نیند آ رہی تھی وہ بمشکل اپنی آنکھیں کھولی ہوئی تھی مگر نیند اب اس کی برداشت سے باہر تھی تھوڑی دیر آنکھیں بند کر لیتی ہوں وہ سوچتی ہوئی گراؤنڈ فلور میں کونے کی جانب بنے ایک روم میں داخل ہو گئی جہاں کوئی مریض نہیں تھا اور وہیں کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگی ابھی اسے تھوڑی دیر ہی گزری تھی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ پر کسی نے گرم سگریٹ لگا دیا ہو اس کی تڑپ کر آنکھ کھلی اس کی نظر اپنے ہاتھ پر گئی تو خوف اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا اس کا ہاتھ جلن کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا وہ ڈر کر کھڑی ہوئی تو اس کی گود میں رکھا سیل فون زمین پر گر گیا وہ عجلت میں جھک کر اسے اٹھانے لگی کہ اس کی نظر بیڈ کے نیچے پڑی خوف سے اسے اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا وہ جھلسی ہوئی لاش تھی وہ بھی کسی اور کی نہیں اسپتال کے چوکیدار کی شہلا کا وجود خوف سے کانپنے لگا کہ اچانک اس کو کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی وہ ڈر کر واشروم کی جانب بھاگی اور تیزی سے اس نے واشروم کا دروازہ بند کر لیا۔ اس کا پورا وجود پسینے میں شرابور تھا واشروم کے دروازے پر کوئی ہلکے ہلکے دستک دینے لگا اس نے اپنی چیخ دبانے کے لیے سختی سے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا شہلا دروازہ کھولو میں مہرین باہر سے سنائی دینے والی سرگوشی پر اس کا رکا ہوا سانس بحال ہوا اس نے دروازہ کھولا تو سامنے مہرین کھڑی تھی جسے دیکھ کر شہلا کو اطمینان ہوا چلو جلدی کرو مہرین اس کا ہاتھ تھامتی ہوئی بولی وہ جلدی سے مہرین کا ہاتھ تھام کر باہر آ گئی خوف کے مارے اس نے بیڈ کی جانب دیکھا بھی نہیں تھا۔

یہ اسپتال بہت عجیب وغریب ہے شہلا کانپتی ہوئی آواز میں بولتی ہوئی اس کے ساتھ روم سے باہر آئی تو وہی معمول کی طرح سب اپنا کام کررہے تھے شہلا نے وقت دیکھا تو چار بجنے ہی والے تھے یعنی ان کے جانے کا وقت ہو چکا تھا بس ہم کل آ کر ریزائن کردینگے شہلا مہرین سے بولتی ہوئی پارکنگ میں آ گئی وہ دونوں تیز تیز چل رہی تھیں کہ مہرین اچانک رک گئی کیا ہوا رک کیوں گئی شہلا اس کے رکنے پر بولی میں اپنا سیل فون اندر بھول آئی مہرین بولی کیا کرتی ہو شہلا کو اس کے سیل اندر بھول کر آنے پر غصہ آیا میں اندر سے لے آتی ہوں مہرین بولی۔

رکو میں بھی ساتھ چلتی ہوں اسے بہن کو اکیلا بھیجنا مناسب نہیں لگا وہ بھی اس کے ساتھ چل دی مہرین ایک روم میں بڑھ گئی شہلا بھی اس کے پیچھے اس کمرے میں داخل ہوگئی اب ڈھونڈو جلدی شہلا مہرین سے بولی جس پر وہ کمرے میں اپنا سیل فون ڈھونڈنے لگی وہ سیل فون ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ شہلا کو کچھ خیال آیا کہ مہرین کے سیل پر کال کر کے دیکھتی ہے وہ کال کرنے لگی۔

دوسری ہی بیل پر کسی نے کال اٹھالی تھی کہاں ہو شہلا جلدی آؤ میں پارکنگ میں ہوں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں مہرین روتی ہوئی بولی شہلا کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر سی محسوس ہوئی اس کے ہاتھ سے سیل فون گر گیا جسے اس نے تیزی سے اٹھالیا خوف سے اس کا دم نکل رہا تھا کہ وہ جس کے ساتھ تھی وہ مہرین نہیں تھی شہلا لرزتے قدموں سے دروازے کی جانب بڑھی اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی ارے شہلا کہاں جارہی ہو پیچھے سے مہرین کی آواز پر اس کو اپنے دل کی دھڑکن رکتی محسوس ہوئی مگر وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی پارکنگ تک آئی جہاں مہرین مترم آنکھوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی شہلا نے ڈرتے ڈرتے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو وہاں مہرین کی جگہ کوئی جلی ہوئی عورت کھڑی تھی اس کو لگ رہا تھا آج وہ خوف سے مرجائے گی شہلا ہمیں یہاں سے نکلنا ہے مہرین اس کا ہاتھ تھام کر دروازے کی جانب دوڑتی ہوئی بولی کہ شہلا کی دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھے آدمی کو دیکھ کر اس کی چیخیں نکل گئیں وہ اسپتال کا چوکیدار تھا کیا ہوگیا ہے تم لوگوں کو چوکیدار کی بات پر شہلا مہرین برق رفتاری سے دروازے سے نکل گئیں۔

وہ دونوں تیز تیز روڈ پر چل رہی تھیں کے پیچھے سے آنے والی نسوانی آواز پر وہ دونوں ہی پلٹ کر دیکھنے لگیں وہی لڑکی کھڑی تھی جو ان کو ٹیرس سے دیکھا کرتی تھی اس کے ساتھ ایک مرد بھی کھڑا تھا وہ دونوں گھبرا کر تیز قدموں سے اپنے گھر کی جانب چل دیں میری بات تو سن لیں وہ پیچھے سے آنے والی آوازوں کو نظر انداز کرتی چلتی رہیں اور گھر آ کر انہوں نے دم لیا گھر پہنچ کر ان کو یقین نہیں آرہا تھا کے وہ گھر آ گئیں۔

باقی ماندہ رات جاگ کر گزری گذشتہ رات اسپتال میں ہونے والے پراسرار واقعات نے ان کو جس خوف میں مبتلا رکھا تھا اس کے نتیجے میں صبح تک ان دونوں کو بخار ہو چکا تھا تھوڑی دیر پہلے وہ دونوں ڈاکٹر کے ہاں سے آئی تھیں اور اب آرام کررہی تھیں شہلا آنکھیں بند کرتی اور اس کی آنکھوں کے سامنے رات کا منظر آجاتا جس پر وہ خوفزدہ ہو کر آنکھیں کھول دیتی یہی حال مہرین کا بھی تھا دروازے پر ہونے والی دستک پر مہرین اٹھ کر دروازہ کھولنے چل دی سامنے وہی ٹیرس والی لڑکی کھڑی تھی اسے دیکھ کر مہرین گھبرا گئی میں اندر آسکتی ہوں سامنے کھڑی لڑکی جھجکتے ہوئے پوچھنے لگی گھبرائیں مت میں آپ سے کچھ ضروری بات کرنے آئی ہوں وہ لڑکی مہرین کے

تاثرات دیکھتے ہوئے بولی مہرین اسے اندر لے آئی مہرین کے ساتھ آتی لڑکی کو دیکھ کر شہلا لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گئی مہرین نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ لڑکی وہاں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

میرا نام ثنا ہے میں اسپتال کے سامنے والے گھر میں رہتی ہوں میں کل اپنے ٹیرس سے آپ کو جس طرح اسپتال سے گھبرایا ہوا نکلتے دیکھ رہی تھی مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں اپنے شوہر کے ساتھ آئی بھی مگر آپ دونوں الٹا مجھ سے خوفزدہ ہو کر بھاگ گئیں۔

ایک ایسا اسپتال جو سالوں سے کھنڈر ہو اس میں روز رات دو لڑکیاں باقاعدگی سے آتی جاتی نظر آئے تو ان دو لڑکیوں سے خوفزدہ ہی ہو یا جائے گا ثنا کی بات پر ان دونوں کو چار سو والٹ کا کرنٹ لگا تھا کیا مطلب شہلا ناسمجھی سے بولی۔

یہ اسپتال آج سے دس سال پہلے شاٹ سرکٹ ہونے کی وجہ سے جل چکا تھا بر وقت فائر بریگیڈ نہ پہنچنے کی وجہ سے اس میں موجود تمام اسٹاف ڈاکٹرز اور مریض سب جل کر مر چکے تھے اور پھر اس اسپتال کو دوبارہ ٹھیک کرانے کی کوشش بھی کی مگر پے در پے ہونے والے پراسرار واقعات نے خوف و ہراس پھیلا دیا تھا اور سب ہی اس اسپتال سے ڈرنے لگے تھے پہلی بار میں نے جب آپ دونوں کو داخل ہوتے دیکھا تھا تو سچی بات بتاؤں میں ڈر گئی تھی مگر آپ دونوں کو روز رات معمول کی مانند آتے دیکھتے ہوئے میرے خوف اور تجسس میں مزید اضافہ ہونے لگا تھا مگر کل رات جس طرح سے آپ کے چہرے پر خوف اور گھبراہٹ دیکھی تو ماجرا کچھ اور معلوم ہوا یوں میں اپنے شوہر کے ساتھ آپ کے پیچھے بھی آئی آپ مجھے بھی کوئی آسیب سمجھیں۔ بات ختم کر کے شہلا اور مہرین کی طرف دیکھنے لگی جن کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا ان کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

آپ دونوں میرے ساتھ چل کر دیکھ سکتی ہیں اس اسپتال کو ثناء ان کے چہرے پر پھیلی بے یقینی دیکھتی ہوئی بولی اس کی بات پر وہ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں چلو چلتے ہیں شہلا خاموش بیٹھی مہرین سے بولتی ہوئی کھڑی ہو گئی تو اس کی بات پر مہرین بھی اٹھ گئی ان دونوں کو یقین تھا کے ثناء ان کو کوئی من گھڑت کہانی سنا رہی ہے وہ دونوں اسپتال تک پہنچے وہاں پہنچنے پر تو ان دونوں کو زبردست دھچکا لگا تھا ان دونوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ جس اسپتال میں رات بھر ہوا کرتی تھیں وہ اسپتال کھنڈر حالت میں ان کے سامنے تھا ایسا کیسے ہو سکتا ہے ان کی عقل تسلیم نہیں کر رہی تھی آپ دونوں کا کبھی دن کے وقت ادھر سے گزر نہیں ہوا ثناء پوچھنے لگی۔

رات بارہ سے چار تک ہے آپ کی ڈیوٹی ان کو بے اختیار ڈاکٹر کی بات یاد آ گئی نہیں ہمارا یہ راستہ نہیں پڑتا تھا یہ اسپتال ہمارے گھر سے کافی ہٹ کر تھا تو کبھی اس راستے سے ویسے ہی دن میں گزر نہیں ہوتا تھا شہلا اسپتال کو بے یقینی سے دیکھتی ہوئی بولی اور وہ تھوڑا سا آگے بڑھ کر اسپتال کے مین گیٹ سے اندر جھانکنے لگی اسے لگ رہا تھا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے اس اسپتال کی حالت زار دیکھ کر لگ رہا تھا کہ پتا نہیں کتنے عرصے سے یہاں کوئی نہیں آیا عجیب وحشت برس رہی تھی وہ جھرجھری لے کر پیچھے ہو گئی یہی حال مہرین کا بھی تھا۔

ان دونوں کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے اس کھنڈر کو دیکھ کر کہ وہ اتنے دن اس جگہ آتی جاتی رہیں اور مرے ہوئے لوگوں کے درمیان کام کرتی رہیں۔

اس واقعے کو گزرے کافی وقت بیت گیا مگر وہ دونوں آج بھی اس پراسرار اسپتال کو نہ بھول پائی۔

□□......❀......□□

(کتاب تعارف)

ارم ہاشمی



ٹی ہاؤس افسانوی مجموعہ پر مشتمل

خوبصورت ٗ عمدہ اور معیاری کتاب......

مجید احمد جائی

ٹی ہاؤس لفظ انگریزی زبان کا ہے۔اس کا تصور آتے ہی بندہ فوراً کسی ہوٹل ،کھوکھے یا ڈھابے کے منظر میں کھو جاتا ہے۔جہاں ہر طبقہ فکر کے لوگ جسم کی تھکاوٹ اُتارنے کے لیے اور کچھ دیر سستانے کے لیے چائے کی چسکیاں آ لیتے ہیں ۔اس دوران دل کے ارمان لفظوں کا روپ دھار لیتے ہیں ۔یہی لمحے ان کے انمول ہوتے ہیں جب وہ دُنیا کے خرافات سے بے نیاز ہو کر خود سے باتیں کرتے ہیں ۔دوستوں سے حال دل بیان ہوتا ہے۔بچھڑے یاد آتے ہیں۔عہد وفا کی رسمیں ،بے وفائی کے طعنے ،اپنوں کے ستم ،محبوب کی ادائیں اور نخرے ،چولہوں کے ٹھنڈے ہونے کا غم اور نجانے ایک چائے کی پیالی میں قید کتنے عذاب خرید رہے ہوتے ہیں۔اُف یہ چائے۔

زمانہ جدت کی طرف جا رہا ہے۔پہلے شہر یا گاؤں کے ادیب اور شعراء حضرات کسی دوست کے ہاں بیٹھک یا چوپال میں بیٹھ کر دل کے حال احوال کرتے تھے۔پھر حکومت کو جانے کیا سوجھی اُس نے ہر شہر میں ادیب اور شعراء حضرات کے لیے ''ٹی ہاؤس'' تعمیر کرائے۔اب اس سے کون ،کتنا استفادہ حاصل کر رہا ہے۔یہ بتانا میرا مقصد نہیں ہے ۔ہم بات کرتے ہیں ''ٹی ہاؤس'' کتاب کی جس کی مصنفہ ارم ہاشمی صاحبہ ہیں ۔سید خاندان اور پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق ہے ۔جہاں ادبی ذوق اور کتابوں سے محبت کرنے والے رہتے ہیں۔اپنے خاندان میں ارم ہاشمی پہلے فرد کی حیثیت رکھتی ہیں جنہوں نے قلم کے ذریعے اپنے جذبات ،احساسات ،تجربات ،مشاہدات صفحہ قرطاس پر بکھیرے ہیں ۔''ٹی ہاؤس'' ارم ہاشمی کے افسانوی مجموعہ پر مشتمل خوبصورت ،عمدہ اور معیاری کتاب ہے۔

ارم ہاشمی اردو افسانہ نگار ہیں لیکن کتاب کا نام انگریزی میں کم از کم مجھے ہضم نہیں ہو رہا ہے۔اس کتاب سے پہلے ارم ہاشمی کے نام سے واقف نہیں تھا ۔''ٹی ہاؤس'' میرے عزیزم سمیع اللہ خان نے خلوص ِ محبت کے ساتھ ارسال کی ہے۔جو پاکستان ادب

پبلشر کے ڈائریکٹر بھی ہیں۔سمیع اللہ خان محبت کرنے والا شخص ہے اللہ تعالیٰ اسے امن اور سلامتی والی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!۔

"ٹی ہاؤس" کا سرورق نامور نثر نگار محترم ناصر ملک صاحب کا تخیل ہے۔ایک قدرے اداس شخص کچھ پڑھنے میں محو ہے اور سامنے میز پر چائے کا ایک کپ اور اس کا بیگ پڑے اس کا منہ چڑا رہے ہیں۔"ٹی ہاؤس" سفید عمدہ کاغذ پر شائع کی گئی ہے۔جس کی کمپوزنگ غلام محمد خان ڈب نے کی ہے۔ٹی ہاؤس پاکستان ادب پبلشرز میانوالی نے خاص اہتمام کے ساتھ شائع کی ہے۔"ٹی ہاؤس" کے مالک آپ تین سو روپے میں بن سکتے ہیں۔ہیں نا زبردست بات۔جی ہاں اس کی قیمت صرف تین سو روپے ہے۔

"ٹی ہاؤس" کا انتساب "شمیم عارف" کے نام کیا گیا ہے۔ہدایت اللہ شاہ شاعر کا خوبصورت شعر اس کتاب کی مکمل کہانی بیان کر رہا ہے۔شعر کچھ یوں ہے

گرچہ ہے سننے کے قابل داستاں میری مگر
میں نہ فن سے آشنا ہوں نہ مری کوئی زباں

"اعصاب شکن رائیڈ" ناصر علی سید کے اظہار خیال پڑھتے ہوئے مجھے ارم ہاشمی کا افسانہ "ناموری" ستانے لگا ہے۔ناصر علی سید نے تفصیلاً ٹی ہاؤس پہ اظہار خیال کیا ہے۔ارم ہاشمی کے افسانوں کی متحرک فضا کے عنوان سے "ممتاز راشد لاہوری" نے ارم ہاشمی کے افسانوں پر مدلل بات کی ہے۔آپ کا کہنا ہے کہ ارم ہاشمی بلاشبہ اپنے افسانوں میں کئی نئے پہلو اُجاگر کرتی نظر آتی ہیں اور یہ ان کی کامیابیوں میں ایک اہم پہلو ہے۔کتاب کے اندرون میں محمد حامد سراج صاحب لکھتے ہیں ارم



ہاشمی کی رواں ڈھلی ہوئی نثر پڑھ کر جی خوش ہوا ہے اور ہماری مٹی کو ایک عمدہ افسانہ نگار نصیب ہو گئی ہے۔ کتاب کے بیک فلاپ پر اصغر ندیم سید لکھتے ہیں ''ارم ہاشمی کے افسانے مشاہدے اور زندگی کی تفہیم کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ ارم ہاشمی نے اپنے اردگرد کے مختصر علاقے کی عورتوں کی بصیرت اور خود آگہی کو موضوع بنایا ہے۔

اب تک جن لوگوں کا ذکر ہوا ہے انہوں نے ''ارم ہاشمی'' کے افسانوں پر بات کی ہے۔ لیکن مجھے ارم ہاشمی کے افسانوں اور ان کی کتاب ''ٹی ہاؤس'' کی بات کرنی ہے۔ براہ کرم مجھے برداشت کیجئے گا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میں نے یہ کتاب دس گھنٹوں سے بھی کم وقت میں لفظ بہ لفظ مکمل پڑھ لی ہے۔ ''ٹی ہاؤس'' میں کل تیرہ افسانے ہیں جن میں ''یہ میاں لوگ، ٹی ہاؤس، ڈوبتا اُبھرتا آدمی، ناموری، میں کہاں ہوں، نجومی کیا کرے، شاعرہ کے نام برقی خط اور جاری کہانی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ گو کے سبھی افسانے اپنے اندر ندرت خیال کے تمام خزانے رکھتے ہیں۔

ٹی ہاؤس کے مطالعہ کے بعد ارم ہاشمی کے طرز نگارش سے مکمل طور پر آشنا ہو گیا ہوں۔ محترمہ ارم ہاشمی کا قلم اپنے اردگرد کے مشاہدات، تجربات سے لفظ کشید کر کے اُنہیں افسانے کے روپ میں صفحہ قرطاس پر بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ افسانوں میں ''بن بیاہی'' بقول ممتاز راشد لاہوری، عورت کے جذبات کو تیز رفتاری کے ساتھ اسی کی زبانی بیان کر دیا جاتا ہے کہ جو شادی ہونے کے امکان کی وجہ سے ملنے والے مردوں کے بارے میں طرح طرح کے اندازے لگاتی پھرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس میں عدن جیسی عورت کا ہی قصور ہے۔ کسی حد تک مفت مشورے دینے والی سہیلیوں کا بھی ہے جو ڈاکٹر جینفر کا راستہ دکھاتی ہیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہیں کے میں نہ یہ راستہ دکھاتی تو کوئی اور دکھا دیتا۔ کسی نے اس کی اصلاح کرنے کی کوشش نہ کی اور سارے الزام مردوں پر تھوپ کر خود کو بری الذمہ قرار دے دیا جب کہ جب بھی کوئی جرم ہوتا ہے اس کے محرکات مدعی اور مجرم دونوں تک جاتے ہیں۔ ہم کسی ایک کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔

ٹی ہاؤس'' کا افسانہ ''بانجھ'' میں بھی عورت ہی عورت کو گالی دیتی نظر آتی ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے خدا جانے لوگوں کو سفید کپڑوں پر کیچڑ اُچھالنے میں کیا لطف ملا کرتا ہے؟ عورت ہی عورت کی دشمن ٹھہری ہے۔ چاہے وہ سوکن کے روپ میں ہو یا محبوبہ کے روپ میں، ماں ہو بہن ہو یا بیوی کے روپ میں مردوں کا سہارا لے کر خود اپنی ہی دشمن ہے۔

''کیبرے ڈانسر'' میں خوب انسانی خواہشات کا پردہ فاش ہوا ہے۔ لوگ چہرے پہ چہرہ سجائے فریب دیتے پھرتے ہیں۔ انسان کا اندر کا انسان باہر کے انسان سے مختلف کیوں ہے؟ یہ تضاد کیسا ہے؟ زبردست افسانہ ہے۔ ''ٹی ہاؤس'' سرورق افسانہ ہے جس میں مختلف زوایوں سے مشاہدات کی آنکھ سے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ محبت کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ بہترین جملہ ''میں یہاں کسی کے لیے نہیں آتی، میں صرف چائے پینے آتی ہوں'' ہے۔ لیکن چائے کے بہانے چالیس سال کی عمر میں محبت کی چنگاری میں ۔۔۔ رہی ہوتی ہیں۔

ڈوبتا اُبھرتا آدمی'' خوشیوں کا دورانیہ قدرے کم ہی ہوتا ہے لیکن لمحہ بھر کی خوشی افسان کے سارے غم

، پریشانیاں اور اُداسیاں ختم کر دیتی ہے۔ ''ناموری'' میں تلخ حقیقت سے پردہ اُٹھایا گیا ہے۔ ارم ہاشمی نے کمال مہارت اور دلیری سے اپنے مشاہدات کے زور پر ایسے لوگوں پر طمانچہ مارا ہے۔ جو معاشرے میں ناسور بن رہے ہیں۔ ''ناموری'' میں ایک لکھاری کو اپنی تحریریں شائع کروانے میں جو مشکلات کا سامنا ہے وہ خوبصورت لفظوں کا لباس پہن کر سامنے آتے ہیں۔ یہ حقیت ہے کچھ لوگ اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کو بدنام کرنے کی وجہ بنے ہوئے ہیں۔ اب سبھی ایڈیٹر یا دانشور ایسے نہیں ہوتے۔

''سائباں'' میں بھی ارم ہاشمی عورت کو بطور ہیرو پیش کرتی ہیں۔ مانتے ہیں کہ مردوں کی طرف سے ناانصافیاں، زیادتیاں ہوتیں ہیں لیکن عورت مکمل طور پر مظلوم بھی نہیں ہے۔ عورت ظالم بھی ہے۔ مرد جو ایک گھر کا محافظ ہے اس کو سکون اور محبت میسر نہ آئے تو وہ کمزور ہو جاتا ہے۔ عورت اُس کائنات کا حُسن ہے لیکن یہی عورت اس گلشن میں انارکی کی وجہ بھی ہے۔ تاریخ شاہد ہے دُنیا میں جو بگاڑ ہے اس میں زیادہ تر کردار عورت کا ہے۔ مختصر بات یہ کہ عورت ہی گھر کو گلشن بناتی ہے اور عورت ہی گلشن کو قبرستان میں تبدیل کرتی ہے۔

''میں کہاں ہوں'' ارم ہاشمی نے عورت کے غموں کو بہترین روپ دیا ہے۔ غموں سے لبریز افسانہ ارم ہاشمی کے فن کو سامنے لاتا ہے۔ نجومی کیا کرے؟ بلاشبہ سچ کڑوا ہوتا ہے۔ حق سچ کہنے سے زیادہ سننے کی ہمت ہونی چاہیے جو کہ مجھ سمیت کسی میں بھی نہیں ہے۔ فریبی دُنیا کو فریب میں ہی رکھنا چاہیے۔ ''معروف شاعرہ کے نام برقی نامے'' پہلا برقی نامہ انچارج ادبی صفحہ کا ہے جس میں وہ شاعرہ کے قصیدے لکھنے پڑھنے کا کہہ رہا ہے۔ زمانے بھر سے دُشمنی لے بیٹھا ہے لیکن اس میں اس کا مفاد واضح ہو رہا ہے جو وقت ملتے ہی حاصل کر لے گا یا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے اندر کی شیطانیت کا پردہ دھیرے دھیرے فاش ہو رہا ہے۔ اسی طرح نوجوان مداح بھی اس کے گھر تک پہنچ جاتا ہے اور اُسے ایک طرح کا بلیک میل کر کے اپنی دیوانگی ظاہر کر رہا ہے۔ ایک ناکام عاشق۔ ایک اور برقی نامے میں شادی کا پیغام بھی آیا ہے لیکن افسوس کسی نے اس کے فن پر بات نہ کی۔ ہر کسی نے اپنے دل کو تھما ہے۔

''جاری کہانی'' واحد کہانی ہے جس میں مجھے عورت نہیں ملی۔ جی ہاں سچ کہہ رہا ہوں۔ اس میں نہ عورت کا کردار ہے نہ مرد کو گھسیٹا گیا ہے۔ یہ افسانہ باپ، بیٹی کا ہے۔ جس میں بیٹی کی محبت باپ سے دکھائی گئی ہے۔ بیٹی، باپ کے فن اور کردار پر فدا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کے یہ کہانی خود ارم ہاشمی کی ہے۔ جس میں کرداروں کے روپ میں خود کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

''ارم ہاشمی'' کے فن پر بات کی جائے تو ان کا اسلوب اعلیٰ ہے۔ سادہ اور عام فہم انداز اپناتی ہیں۔ اپنی نگارشات میں اپنے اردگرد کے مشاہدات کو احاطہ تحریر میں لاتی ہیں۔ عورت ہونے کے ناطے عورت کے مسائل کو ترجیح دیتی ہیں یوں چاردیواری کے اندر کے مسائل سامنے آتے ہیں۔ عورت کو معاشرے میں کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وڈیرہ شاہی سے نبرد آزما ہیں۔ مردوں کو قصور وار ٹھہراتے ہوئے یہ بھول جاتی ہیں کے مردوں کے معاشرے میں رہتی ہیں۔ گھر کے اندر بھی اس کا سامنا مردوں سے رہتا ہے۔

ارم ہاشمی کو ''ٹی ہاؤس'' کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ بہت سی دعائیں۔

□□......❀......□□

سعودی عرب سے ارسال کردہ پُراسرار رات کا قصہ

سرخ گلاب



حاجی صاحب کی قبر پر سفید لباس میں ملبوس شخص کون تھا' جو اتنے خراب موسم میں بھی قبر کی حفاظت کر رہا تھا......

فہیم زیدی

رات دس بجے کا عمل ہوگا کہ اچانک بادلوں نے گرجنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اچانک اس بارش سے جمیل ایک دم گھبرا گیا اور بستر چھوڑ کر تیزی کے ساتھ امی کو قبرستان جانے کا کہہکر گھر سے باہر نکل گیا اس کی امی سے روکتی ہی رہ گئیں۔

''اتنی رات گئے قبرستان نہ جاؤ بیٹا بارش ہورہی ہے۔'' جمیل کی امی نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''نہیں امی مجھے ابھی جانا ہوگا، مجھے قرار نہیں آرہا۔'' جمیل تیزی سے گھر سے باہر نکل گیا۔

''یااللہ میرے بچے کی حفاظت کرنا۔'' جب اس نے امی کی بات سنی ان سنی کی تو اس کی امی نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

جمیل موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے جلدی سے مرکزی سڑک پر آیا اور رفتار کے ساتھ بائیک دوڑانے لگا تیز چلتی ہوئی بائیک پر بارش جب اس کے چہرے پر پڑتی تو اسے ایسا لگتا کہ جیسے کوئی اس کے چہرے پر ناخنوں سے خراشیں مار رہا ہو مگر جمیل کو اس وقت کسی بات کی پرواہ نہیں تھی وہ جلد سے جلد قبرستان پہنچنا چاہتا تھا بارش کی وجہ سے سڑکوں پر گھٹنوں گھٹنوں پانی جمع ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود اس کی بائیک بڑی برق رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی جانب دوڑ رہی تھی یوں لگ رہا تھا کہ جیسے یہ بائیک نہیں وہ کسی کشتی پر سوار ہو اور وہ کشتی پانی پر بغیر کسی رکاوٹ کے تیزی سے سفر کر رہی ہو ، یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی غیر مرئی قوت اسے آگے کی جانب دھکیلنے میں مدد دے رہی ہے ، بارش سے جمیل کے کپڑے مکمل طور پر بھیگ چکے تھے گیلے کپڑوں میں جب ہوا لگنا شروع ہوئی تو جمیل کو ٹھنڈ کا بھی احساس ہونے لگا مگر ان سب باتوں سے بے نیاز وہ قبرستان کی جانب بڑھے جا رہا تھا قبرستان گھر سے کافی دور تھا وہاں تک پہنچنے کے لیے آدھے گھنٹے کی مسافت طے کرنی تھی مگر بارش کی وجہ سے پورے گھنٹے بعد وہ قبرستان کے مرکزی دروازے کے باہر موجود

تھا جمیل نے جلدی سے بائیک ایک کونے میں کھڑی کی اور دروازے کی طرف لپکا مگر دروازہ بند تھا۔ عام حالات میں بھی رات عشاء کے بعد قبرستان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اس وقت رات کے گیارہ بجے وہ بھی بارش میں قبرستان کا دروازہ کھلا ہونا ناممکن تھا اس نے دروازے پر پہنچ کر لوہے کے آہنی دروازے کو پہلے تو ہاتھ سے زور زور سے بجانا شروع کیا جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی ہتھیلی سے دستک کی آواز اندر جانا ممکن نہیں تو اس نے ایک بڑا سا بھاری پتھر زمین سے اٹھا کر زور زور سے دروازے پر مارنا شروع کر دیا کہ شاید کوئی گورکن اس کی آواز سن لے اور دروازہ کھول دے مگر بارش کے شور میں دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز دب کر رہ گئی جب کافی جدوجہد کے بعد بھی دروازہ نہ کھلا تو اس نے ہمت کر کے دروازے کے اوپر چڑھنا شروع کیا بہ مشکل وہ دروازے کے اوپر تک پہنچا اور دھپ کی آواز کے ساتھ اس نے اندر چھلانگ لگائی تو ہاتھ بھی نیچے زمین پر کسی نوکیلی چیز سے ٹکرایا تو اسے ہتھیلی میں تکلیف محسوس ہونے لگی اور بارش کی وجہ سے ہونے والی کیچڑ میں دونوں ہاتھ لت پت ہو گئے اس نے تکلیف کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی پینٹ سے ہاتھ صاف کیے اور آگے بڑھ گیا، بارش بھی اچانک اس وقت رک چکی تھی، قبرستان کے اندر ہُو کا عالم تھا چاروں طرف سناٹے کا راج تھا تا حد نگاہ تاریکی و اندھیرا چھایا ہوا تھا اندھیرے کی وجہ سے قریب کی بھی قبریں واضح نظر نہیں آ رہی تھیں، اندر قبرستان کے دروازے کے ساتھ ہی گورکن کی جھونپڑی تھی جو اس وقت مکمل اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی اس کا مطلب اس بارش میں بھی گورکن مزے سے سو رہا ہے جو دروازہ پیٹنے کی آواز بھی اسے نہیں سنائی دی گئی اس نے سوچا اور وہ اندر قبرستان میں اپنے ابو کی قبر کی جانب بڑھنے لگے۔

☆......☆......☆



مجھے بڑی حیرانی ہوئی کی چھٹی والے دن کاشف کو مجھ سے کیا کام پڑ گیا ہے جو صبح ہی صبح میرے گھر آ پہنچا، مجھے اس کے آنے سے کوئی پریشانی نہیں ہے وہ جب دل چاہے آ سکتا ہے کیوں کہ وہ میرا بچپن کا دوست ہے ہم نے اسکول اور کالج میں ایک ساتھ ہی تعلیم حاصل کی ہے، اکثر میں اس کے اور وہ میرے گھر آتا جاتا رہتا ہے اور گھنٹوں ایک دوسرے کے گھر بیٹھے گپ شپ لگاتے بھی رہتے ہیں کھانا وہ کبھی میرے گھر تو کبھی میں اس کے گھر کھا لیتا ہوں اگر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس کی میرے گھر اور میری اس کے گھر میں ایک گھر کے فرد کی سی حیثیت ہے، اس وقت میرے لیے یہ بات تشویشناک تھی کہ اتوار والے روز وہ بھی اتنی صبح کیا لینے آ گیا، جب امی نے صبح چھ بجے مجھے آ کر اٹھایا کہ تم سے کاشف ملنے آیا ہے اور باہر کھڑا ہے تو میں گھبرا بھی گیا خدانخواستہ اس کے گھر میں سب خیریت تو ہے اس کو اتنی صبح میری کیا ضرورت پیش آ گئی۔

''امی خیریت تو ہے نا، اتنی صبح کاشف کیوں آیا ہے۔'' میں نے امی سے بستر سے اٹھتے ہوئے سوال کیا۔

''معلوم نہیں بیٹا اور نہ میں نے پوچھا، تم جا کر خود مل لو اس سے، شاید اس کو تم سے کوئی ضروری کام ہو۔'' امی نے مجھے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے امی میں دیکھتا ہوں، آپ ایسا کریں ہم دونوں کیلیے چائے بنا دیں۔'' میں نے امی سے کہا۔

''چائے کیوں ناشتہ بنا دیتی ہوں، تم دونوں ناشتہ کر لینا۔'' امی نے کہا اور باورچی خانے میں چلی گئیں۔

''کیا بات ہے کاشف، اتنی صبح تو آیا ہے سب خیریت تو ہے نا گھر میں۔'' میں نے دروازے پر پہنچ کر جماہی لیتے ہوئے اس سے آنے کی وجہ پوچھی۔

''ہاں گھر میں سب خیریت ہے، چل اندر چل، بیٹھ کر سب بتاتا ہوں۔'' کاشف نے کہا تو جمیل نے اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا اور اس کو ڈرائنگ میں بٹھا کر فریش ہونے کے لیے غسل خانے چلا گیا۔

☆......☆......☆

جمیل کو زیادہ اندر تک قبرستان میں نہیں جانا تھا کیوں کہ قبرستان کے مرکزی دروازے اور گورکن کی جھونپڑی سے تھوڑے ہی فاصلے پر اس کی ابو کی قبر تھی بسا اوقات تو دروازے سے داخل ہوتے ہی اس کو اپنے ابو کی قبر نظر آ جاتی بارش کی وجہ سے جمیل اپنا موبائل بھی گھر چھوڑ آیا تھا ورنہ وہ موبائل کے ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھتا، زمین پر بارش کے پانی کی وجہ سے کیچڑ ہو چکی تھی وہ اسی کیچڑ پر چلتے ہوئے آگے بڑھنے لگا اچانک اس کے قدم رک گئے اس کی آنکھیں خوف و حیرت سے پھٹنے لگیں اس نے دیکھا جہاں اس کے ابو کی قبر ہے وہاں جیسے چاندہویں کے چاند کی مانند روشنی ہوئی ہے صرف خاص اسی مقام پر بالکل ویسی ہی ایک سفید ددودھیائی روشنی میں سفید لباس میں ملبوس ایک لمبا چوڑا شخص اس کی ابو کی قبر کے چاروں طرف کسی کام میں مصروف ہے یہ منظر دیکھ کر جمیل کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک خوف کی لہر سی دوڑ گئی اور وہ خوف سے وہیں کھڑا کانپنے لگا کہ اچانک زوردار بجلی کڑکتی ہوئی اسے اپنی طرف آتی محسوس ہوئی بچنے کے لیے جیسے ہی اس کا قدم برق رفتاری سے آگے بڑھا اس کا

پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا اور اس کا سر اندھیرے میں پڑی اینٹ سے اس کا جا ٹکرایا فضا میں چیخ بلند ہوکر ہوا میں تحلیل ہوگئی اور سر سے خون رسنے لگا اس کا سر چکرانے لگا اس نے نگاہ اٹھا کر ایک بار پھر اس طرف دیکھا جہاں اس کے ابو کی قبر تھی تو اب اسے وہاں وہ سفید پوش انسان نظر نہیں آیا البتہ ابو کی قریب پر سفید دودھیائی روشنی کا ہالہ تا حال موجود تھے اس نے خوف کے مارے پیچھے کی جانب بھاگنے کی کوشش کی تو سر میں اٹھنے والی ٹیس سے اس کا سر چکرایا اور وہ وہیں زمین پر گر کر بے ہوش ہوگیا۔

☆......☆......☆

''یار جمیل! آج تیسرا دن ہے حاجی صاحب خواب میں آرہے ہیں اور ایک ہی بات مجھ سے بولتے ہیں۔'' کاشف نے جمیل کی امی سے چائے کا کپ ہاتھ میں لیتے ہوئے بتایا۔

''ابو تیرے خواب میں آرہے ہیں ۔؟''جمیلنے کاشف سے حیران ہوکر پوچھا۔

''بیٹا کیا بولے وہ خواب میں۔؟'' جمیل کی امی نے جب کاشف سے یہ سنا تو روہانسی ہوکر پوچھا۔

''خالہ پریشان ہونے کی بات نہیں ہے ،بہت اچھی حالت میں انہیں دیکھا ہے ،سفید لباس میں نورانی چہرے کے ساتھ مجھے نظر آئے ہیں حاجی صاحب۔'' کاشف نے جمیل امی کو روتا دیکھ کر دلاسہ دیا۔

''جلدی بتا کہ ابو کیا بول رہے تھے۔'' جمیل نے بے چین ہوکر پوچھا۔

''وہ بول رہے تھے کہ جمیل سے کہو میرے محل کی حفاظت کرے ،پانی کسی بھی وقت محل میں داخل ہوکر میرا لباس خراب کردے گا،بس تینوں دن خواب میں وہ اتنا ہی کہتے اور میری آنکھ ایک دم کھل جاتی ہے۔بس یہی بتانے کے لیے میں آج اتنی صبح یہاں آیا ہوں۔'' کاشف نے خواب سنا یا تو جمیل کی بھی آنکھیں چھلک پڑیں اور وہ اپنی امی کے گلے لگ کر رونے لگا۔

☆......☆......☆

جمیل کے والد حاجی برکت اللہ متقی ، پرہیز گار شخص تھے علاقے کی مسجد کے امام بھی تھے پورے علاقے میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ہر کوئی دل سے ان کا احترام کرتا تھا،شرعی مسائل سے لے کر کم سن بچوں کو دینی تعلیم کے لیے محلے والے اپنے بچوں کو انہی کے پاس بھیجتے تھے وہ خود بھی دین دار باعمل عالم تھے ،مسجد سے ملنے والے وظیفے اور بچوں کو قرآن شریف پڑھا کر گھر کی گزار اوقات کرتے تھے پہلے تو وہ مسجد سے متصل مسجد کے ہی حجرے میں اپنی اہلیہ کے ساتھ رہتے تھے،جمیل کی بڑی بہن رخسانہ اور پھر جمیل کی پیدائش کے بعد وہ حجرہ ان کیلیے ناکافی ہوا تو محلے ہی میں دو کمروں کا گھر کرایہ پر حاصل کرنے کے بعد وہاں منتقل ہوگئے ،خودداری کا یہ عالم تھا کہ کافی صاحب حیثیت لوگوں نے بھی ان کو گھر خرید کر دینا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ وہ کسی اور کے دیے گئے گھر میں خود کو مطمئن نہیں تصور کریں گے ،وہ اپنے بچوں کو صرف دینی تعلیم ہی دینا چاہتے تھے مگر اپنی اہلیہ کے بے حد اصرار رخسانہ اور جمیل کو اسکول بھیجنے پر رضامند ہوئے بچوں کی تعلیم شروع ہوئی تو گھر کے اخراجات بھی بڑھے تو ان کی اہلیہ نے بھی گھر میں محلے کی بچیوں کو قرآن پڑھانے کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم دینا شروع کر دی اس کے طرح بہ مشکل حاجی برکت اللہ اپنے گھر چلا پا

رہے تھے۔

وقت کا پرندہ ماہ وسال کے پر لگا کر اُڑتا چلا گیا رخسانہ نے انٹر پاس کر کے تعلیم چھوڑی جبکہ جمیل گریجویشن کر کے ایک پرائیویٹ کمپنی میں اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ کی جاب کرنے لگا ماں باپ کی دینی پرورش کی بدولت رخسانہ ہمیشہ باحجاب رہتی اب وہ اپنی امی کے ساتھ محلے کی بچیوں کو قرآن پڑھانے میں بھی ان کی مدد کرنے لگی تھی اور جمیل بھی اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک شریف النفس نوجوان تھا، بیٹی جوان ہو جائے تو ماں باپ کو اس کی شادی کی فکر ستانے لگتی ہے اسی وجہ سے اب حاجی برکت اللہ اور ان کی اہلیہ بھی اپنی بیٹی کے لیے کسی دیندار مذہبی گھرانے کے رشتے کے خواہشمند رہنے لگے، اللہ کی رحمت سے ان کی خواہش اس طرح پوری ہوئی کہ جمیل کی کوشش سے حاجی صاحب اور ان کی اہلیہ کو حج پر جانے کا اتفاق ہوا تو دوران حج اپنی ہی طرح کے ایک دیندار گھرانے سے ملاقات ہوگئی جب خواتین کا آپس میں تعارف ہوا اور دوران سفر ایک دوسرے کی گھرانے کے بارے میں آگاہی حاصل ہوئیں تو اس گھرانے نے اپنے مفتی بیٹے کے لیے ان کی بیٹی رخسانہ ہاتھ مانگ لیا اور اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے رخسانہ کی نسبت طے کر دی تو حاجی برکت اللہ اور ان کی بیگم بہت خوش ہوئے کہ ان کو کی بیٹی کے لیے ان کی خواہش کے مطابق رشتہ مل گیا اب پریشانی یہ درآئی کہ بیٹی کو رخصت کرنے کے لیے پیسے کی ضرورت تھی پیسے کا انتظام کرنے کے لیے حاجی صاحب کی اہلیہ نے بیٹی کے سسرال والوں سے دو سال کا وقت مانگا مگر وہ تیار نہ ہوئے انہوں نے کہا ہم بھی شرعی لوگ ہیں آپ اپنی بیٹی کو بس دو جوڑوں میں رخصت کر دیں، مگر حاجی صاحب کی اہلیہ اپنی بیٹی کو چھوٹے موٹے طلائی زیور کے ساتھ رخصت کرنے کی خواہش مند تھیں بس اسی بات پر اکثر رات گئے دونوں بیٹھے سوچ بچار کرتے رہتے تھے شادی کے دن بھی قریب آ رہے تھے مگر پیسوں کا بندوبست نہیں ہو پا رہا تھا حاجی صاحب جمیل کو اپنے دفتر سے قرض لینے کے لیے پہلے ہی منع کر چکے تھے بس وہ دونوں میاں بیوی اللہ سے لو لگا کر بیٹھ گئے کہ وہی غیب سے مدد کرے گا۔

ایک روز رخسانہ گھر کی جھاڑ پونچھ مصروف تھی کہ اسے گھر کے اس کونے میں جہاں حاجی برکت اللہ اکثر رات گئے ذکر و وظائف میں مصروف رہتے تھے وہاں تازہ گلاب کی طرح بھینی بھینی خوش بو نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا اسے تشویش ہوئی کہ یہاں پھول کس نے لا کر رکھ دیے، تلاش کے بعد بھی وہ پھول تلاش کرنے میں ناکام رہی اگر وہاں پھول ہوتے تو ملتے، حاجی صاحب کی اس جگہ رات گئے عبادت کے وقت بھی گھر والوں نے متعدد بار ایسا محسوس کیا تھا کہ جیسے وہ عبادت کے دوران کسی سے باتیں بھی کرتے ہیں ان کی اہلیہ نے کافی بار ان سے اس بارے میں پوچھا تو وہ ٹال جاتے اور انہیں کچھ نہ بتاتے، عبادت والی جگہ کی صفائی کرتے کرتے رخسانہ کی نظر اوپر مچان پر رکھے لوہے کے صندوق پر پڑی جس کو اس کی امی نے ایک خوب صورت سی پھول دار چادر سے ڈھانپ رکھا تھا رخسانہ کو صندوق کے کونے کی طرف سے چادر کا حصہ اُبھرا ہوا محسوس ہوا اس نے چادر اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے ایک رومال میں کچھ بندھا ہوا ملا اس نے رومال اٹھا کر اسے کھولا تو اس میں ایک کاغذ

میں کچھ لپٹا ہوا محسوس ہوا اس کا تجسس بڑھا تو اس نے وہ کاغذ کھولا تو کاغذ میں سورۃ جن تحریر تھی اور اس کاغذ کے اندر ہزار ہزار کافی سارے نوٹ لپٹے ہوئے رکھے تھے رخسانہ اتنے سارے نوٹ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

اس نے فوراً ہی اپنی امی کو ان نوٹوں کے بارے میں بتایا تو انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ حاجی صاحب کے پاس اتنی بڑی رقم تو نہیں ہوسکتی یقیناً ان کے پاس کسی نے یہ رقم بطور امانت رکھوائی ہوگی کیوں کہ اکثر و بیشتر لوگ ان کے پاس اپنی رقم امانتاً رکھواتے تھے رخسانہ نے وہ روپے دوبارہ اسی طرح لپیٹ کر اسی جگہ رکھ دیے جہاں سے اس نے اٹھائے تھے جب حاجی صاحب صبح گیارہ بجے مسجد سے بچوں کو قرآن پڑھا کر واپس لوٹے تو ان کی اہلیہ نے ان سے اس رقم کا تذکرہ کیا وہ بھی ششدر رہ گئے کیوں کہ ان کے مطابق ان کے پاس کسی نے کوئی رقم امانت نہیں رکھوائی، رخسانہ اس کی امی اور خود حاجی صاحب کو تشویش ہونے لگی کہ اتنی بڑی رقم ان کے گھر کیسے پہنچی، پھر حاجی صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہوسکتا ہے کہ شاید جمیل نے اپنے دفتر سے یہ رقم لاکر یہاں رکھ دی ہو اور اگر جمیل نے رکھی ہوتی تو وہ ان سے اس رقم کا ذکر ضرور کرتا مگر کسی کو بھی اس بات کا تسلی بخش جواب فی الوقت نہیں مل پایا تو وہ سب جمیل کے انتظار کرنے لگے اور جب جمیل شام کو گھر لوٹا اور جب اس سے اس رقم کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، اب گھر کے چاروں افراد پریشانی اور فکر میں مبتلا ہو گئے کہ نہ کوئی رقم گھر میں لے کر آیا اور نہ ہی انہوں نے یہ رقم کسی سے مانگی گئی تو گھر کے اس کونے میں جہاں زیادہ تر حاجی صاحب ہی بیٹھا کرتے تھے وہاں اتنی بڑی رقم اچانک کیسے پہنچی جب رخسانہ نے حاجی صاحب کو اس کونے سے اٹھنے والی پھولوں کی مہک کے بارے میں بتایا تو سب اور زیادہ فکرمند ہو گئے، ان کی اہلیہ نے فکرمند ہو کر حاجی صاحب کو دم درود کرنے کا کہا مگر اب یہ رقم حاجی صاحب کو پریشان کر رہی تھی کہ اس کا مالک کون ہے انہیں یہ رقم کسی طور قبول نہیں تھی کیوں کہ یہ پیسے ان کی ملکیت نہیں تھے وہ یہ رقم اصل مالک تک پہنچانا چاہتے تھے معمہ نہیں سمجھ آ رہا تھا کہ گھر میں آخر یہ رقم پہنچی کیسے، حاجی صاحب نے محلے کے کچھ معززین کو اس بات کا بتایا تو وہ سب بھی حیران ہوئے پھر کچھ لوگوں نے انہیں تسلی دی کہ حاجی صاحب آپ بچی کی شادی کے لیے پیسوں کے لیے پریشان تھے تو اللہ نے غیب سے مدد کر دی ہے اسے بیٹی کی شادی میں استعمال کریں یہ سن کر حاجی صاحب خفا ہو گئے کہنے لگے کہ یہ میری محنت کی کمائی نہیں ہے میں اسے استعمال نہیں کرسکتا پھر انہوں نے مشورہ کر کے یہ رقم قریبی تھانے میں لے جا کر جمع کرانے کا ارادہ کیا اور وہاں سے سیدھے تھانے پہنچے اور تھانے کے انسپکٹر کو ساری صورت حال بتا کر وہ رقم انسپکٹر کے حوالے کر دی انسپکٹر بھی حاجی برکت اللہ کو اچھی طرح جانتا تھا اور وہ ان کی دینداری اور ایمانداری سے واقف تھا اس نے بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر وہ رقم حاجی صاحب کے حوالے کر دی تاکہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کے اخراجات اسے اللہ کی طرف سے غیبی مدد سمجھ کر لیں، کچھ دن بعد ہی رخسانہ اپنے گھر کی ہوگئی تو حاجی صاحب اور ان کی اہلیہ نے اللہ کا شکر ادا کیا، بیٹی کی شادی کے ایک سال میں ہی رمضان المبارک کی ستائیسویں

شب حاجی برکت اللہ حرکت قلب بند ہونے کے باعث اپنے خالق حقیقی سے جا ملے جب ان کا جنازہ اٹھا تو جنازے میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ تھے اوران کی اچانک وفات پر ہرآنکھ اشک بار نظر آرہی تھی۔

☆......☆......☆

کاشف کے جانے بعد جمیل پریشان ہوگیا کہ ابو کاشف کے خواب کے ذریعے اسے اپنے کس محل کی حفاظت کی تاکید کررہے ہیں وہ متفکر ہوگیا امی سے اس نے پوچھا کہ امی ہمارا کون سا ایسا محل ہے جس کی فکر ابو کو وفات کے بعد بھی ہے ہم تو شروع ہی سے اس دو کمروں کے معمولی سے مکان میں رہ رہے ہیں یہ سن کر اس کی امی بھی فکر مند ہوگئیں کہ حاجی برکت اللہ اپنے کس محل کی طرف اشارہ کررہے ہیں ان کی بھی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ماجرہ کیا ہے مگر سب گھر والے کاشف کی زبان سے یہ سن کر بہت خوش تھے کہ اس نے حاجی برکت اللہ سفید لباس میں نورانی چہرے کے ساتھ دیکھا ہے وہ مطمئن تھے کہ عالم ارواح میں حاجی صاحب خوش وخرم ہیں۔

سارا دن جمیل اور اس کی امی کا دھیان کاشف کے خواب کی طرف رہا انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے یہ خواب کیوں نظر آیا شام کی چائے کے وقت جمیل اپنی امی کے ساتھ بیٹھا اسی بات کا ذکر کررہا تھا۔

''بیٹا ایسا کرو کہ مسجد جا کر مغرب کے بعد مولوی صاحب کو کاشف کا خواب سنا کر ان سے کوئی رائے لو، یقیناً مولوی صاحب ہماری مناسب رہ نمائی کرسکیں گے۔'' جمیل کی امی نے اسے مسجد جانے کا مشورہ دیا۔

''جی امی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، میں ضرور مولوی صاحب کے پاس جاؤں گا۔'' جمیل نے تابعداری سے کہا۔

☆......☆......☆

شام کا وقت تھا مغرب ہونے میں بھی ابھی دو گھنٹے تھے موسم ایک دم سے بدلا آسمان پر ہلکے سیاہ بادل اچانک نظر آنے لگے کسی بھی وقت بارش ہوسکتی تھی مگر مغرب تک بارش نہیں ہوئی مغرب کی اذان پر جمیل مسجد پہنچا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ وہیں مسجد میں بیٹھا رہا تاکہ نمازی مسجد سے نکلیں تو وہ مولوی صاحب کو کاشف کا خواب سنائے اوران سے اصل بات معلوم کرنے کی کوشش کرے تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد مولوی صاحب اپنی عبادت سے فارغ ہوکر جانے کے لیے اٹھے تو جمیل نے ان سے مصافحہ کرکے ان سے کچھ وقت مانگا جوانہوں نے بخوشی دے دیا جمیل نے کاشف کا پورا خواب من وعن مولوی صاحب کو سنایا تو وہ مسکرانے لگے اور انہوں نوید سنائی:

''بے شک حاجی برکت اللہ متقی انسان تھے، آپ کے دوست کا یہ خواب اسی طرف اشارہ بھی ہے کہ اللہ کے ہاں ان کو بڑے انعام سے نوازا گیا ہے۔'' مولوی صاحب نے جمیل کو بتایا۔

''میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔'' جمیل نے مولوی صاحب سے استفسار کیا۔

''برخودار جب کوئی انسان وفات پاتا ہے تو ہم سب دعا کرتے ہیں کہ پروردگار فلاں کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادے اور جب اللہ اپنے نیک بندوں کو باغ دیتا ہے تو یقیناً اللہ انہیں جنت کے محلات سے بھی نوازتا ہے اور آپ کے لیے ان کا یہ پیغام کہ میرے محل کی حفاظت کرو تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان

کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن چکی ہے۔'' مولوی صاحب نے تفصیل بتائی۔

''الحمدللہ۔'' جمیل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''آپ حاجی صاحب کی قبر پر کتنے دن بعد جاتے ہیں۔'' مولوی صاحب نے جمیل سے پوچھا۔

''مولوی صاحب، مہینے دو مہینے بعد جانا ہوتا ہے، آفس کی مصروفیات کی وجہ سے نہیں جا پاتا۔'' جمیل نے جواب دیا۔

''بیٹا مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی قبر باہر کی طرف سے کسی مسئلے کا شکار ہے جس کی وجہ سے انہیں یہ خوف ہے کہ پانی ان کی قبر میں داخل ہو سکتا ہے۔'' مولوی صاحب نے اپنے علم کی روشنی میں بتایا۔

''جی مولوی صاحب واقعی میں کافی تاخیر سے ابو کی قبر پر جا پاتا ہوں، مجھے ان کی قبر کی دیکھ بھال کے لیے جلدی جلدی قبرستان جانا چاہیے۔'' جمیل نے شرمندہ ہو کر سر جھکا کر جواب دیا۔

''میرا خیال بھی یہی ہے کہ حاجی صاحب آپ کو یہ سب بتانے کے لیے آپ کے دوست کے خواب میں بھی آئے تھے، اب آپ کو قبرستان جا کر دیکھنا چاہیے۔'' مولوی صاحب نے جمیل کو مشورہ دیا۔

''مولوی صاحب کل آفس سے چھٹی کے بعد ابو کی قبر پر ضرور جاؤں گا۔'' جمیل نے مولوی صاحب شکریہ ادا کرتے ہوئے جواب دیا اور سیدھا گھر آ گیا گھر آ کر اس نے امی کو مولوی صاحب کی باتیں بتائیں تو امی نے بھی اسے مشورہ دیا کہ کل وہ ضرور ابو کی قبر پر جائے۔

رات کا کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں لیٹا ابو کے بارے میں کافی دیر سوچتا رہا اور انہیں یاد کر کے اس کا دل غمگین ہو گیا اسی طرح لیٹے لیٹے وقت کا پتا نہیں چلا، اس نے دیوار گیر گھڑی نظر ڈالی رات کے دس بجنے والے تھے کچھ دیر میں اچانک باہر سے بادل گرجنے کی آوازیں سنائی دیں تو وہ ایک دم گھبرا گیا ایک دم اس کے ذہن میں مولوی صاحب کی بات گردش کرنے لگی کہ ان کی قبر کو باہر کی طرف سے کوئی مسئلہ ہے اور پھر کاشف کا خواب بھی ذہن میں ایک دم تازہ ہو گیا کہ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ان کے محل کی حفاظت کرو ورنہ ان کا لباس خراب ہو جائے گا یہ خیال آتے ہی اس نے اسی وقت قبرستان جانے کا ارادہ کیا اور رات کے دس بجے قبرستان کے لیے نکل گیا۔

☆......☆......☆

جب جمیل کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو جھونپڑی میں لیٹا دیکھا اس وقت بھی اس کا سر کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اس نے ہاتھ لگا کر سر کا زخم محسوس کرنے کی کوشش کی تو کسی نے اس کے سر کے زخم کو کپڑے کی مدد سے باندھ دیا تھا اس نے نیم وا آنکھوں سے جھونپڑی کا جائزہ لیا تو اس کے سامنے رات قبرستان والا واقعہ ایک دم گھوم گیا اور اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اس وقت یقیناً گورکن کی جھونپڑی میں ہے اس نے دستی گھڑی پر نگاہ ڈالی تو چھ بج رہے تھے وہ ایک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھا کیوں وہ ساری رات گھر سے باہر رہا اسے فکر ہوگئی کہ رات بھر اس کی غیر موجودگی میں امی کا نا جانے کیا حال ہوا ہوگا اس نے ہمت کر کے اٹھنے کی کوشش کی جیسے ہی اٹھ کر بیٹھا تو ایک ضعیف العمر شخص جو حلیے سے گورکن محسوس ہوتا تھا جھونپڑی میں داخل ہوا۔

''اب کیسی طبیعت ہے بیٹا۔؟'' بوڑھے گورکن نے جمیل سے پوچھا۔

''میں یہاں کیسے پہنچا۔؟'' جمیل نے الٹا گورکن سے سوال کرڈالا۔

''رات ساڑھے گیارہ بجے کے وقت مجھے تمہاری چیخ کی آواز سنائی دی، میں گھبرا کر باہر آیا تو تم سامنے قبروں کے پاس بے ہوش پڑے تھے ،اپنے ساتھیوں کے ہمراہ میں تم کو اپنی جھونپڑی میں لے آیا اور تمہارے زخم پر مرہم لگایا۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''مجھے اپنے ابو کی قبر پر جانا ہے۔'' جمیل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''چلو میں تم کو تمہارے ابو کی قبر پر لے چلتا ہوں۔'' بوڑھے گورکن نے اس کو اٹھنے کے لیے سہارا دیا۔

جب جمیل نے گورکن کی جھونپڑی سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھا تو آسمان بالکل صاف تھے کہیں سے ایسا محسوس نہیں ہورہا تھا کہ رات بارش ہوئی تھی البتہ ٹھنڈی ہوا اب بھی چل رہی تھی اور زمین پر رات ہونے والی بارش کی وجہ سے جگہ جگہ کیچڑ نظر آرہی تھی وہ بوڑھے گورکن کے ساتھ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا ہوا ابو کی قبر کی جانب بڑھ گیا سامنے ہی ابو کی قبر تھی قبر پر پہنچ کر جمیل دنگ رہ گیا کیوں کہ اس کے ابو کی قبر پر اگربتیاں جل رہی تھیں اور قبر پر تازہ تازہ گلاب کے پھول بکھرے ہوئے تھے پھولوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی ابھی کسی نے یہاں قبر پر لا کر ڈالے ہوں اور اس نے ایسا بھی محسوس کیا کہ جیسے اس کے ابو کی قبر کے چاروں طرف کسی مستری نے ابھی تازہ تازہ کوئی کام ہے کیوں کہ قبر کے چاروں طرف تازہ مٹی اچھی طرح ڈالی گئی تھی اور قبر بھی بالکل صاف اور شفاف نظر آرہی تھی۔

''بابا کیا یہاں ابھی کوئی آیا تھا، یہ قبر کے اطراف مٹی آپ نے ڈالی ہے۔'' جمیل نے متحیر ہوکر گورکن سے پوچھا۔

''نہیں مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں اور نہ ہی میرے سامنے یہاں کوئی آیا ہے۔'' گورکن نے لاعلمی ظاہر کی۔

''پھر یہ تازہ پھول۔؟'' جمیل زیر لب بڑبڑایا۔

''بیٹا یہ مرحوم کون ہیں آپ کے اور کیا کرتے تھے یہ۔؟'' گورکن نے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جمیل سے پوچھا۔

''یہ میرے ابو ہیں، مسجد کے امام تھے، ساری زندگی مسجد میں نماز پڑھائی ہے۔'' جمیل نے جواب دیا۔

''بیٹا، مجھے اس قبرستان میں ساٹھ سال سے زیادہ ہوگئے ہیں، طرح طرح کے واقعات میں اپنی آنکھوں سے اس قبرستان میں دیکھتا اور محسوس کرتا رہا ہوں۔'' بوڑھے گورکن نے جمیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''بس میں مختصراً اتنا بتادیتا ہوں کہ میں نے اکثر رات کیتمہارے والد کی قبر پر غیر معمولی حرکات ہوتی محسوس کی ہیں، یوں محسوس کیا ہے جیسے کوئی آپ کے والد کی قبر کی رکھوالی کرتا ہے اس کی حفاظت پر مامور ہے، کیوں کہ اکثر میں نے صبح کے وقت اس قبر کو صاف شفاف اور اس پر پڑے تازہ پھول اور اگربتیاں جلتی دیکھی ہیں۔'' بوڑھے گورکن نے جب یہ بتایا تو جمیل بہت حیران ہوا اور اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔

''ہاں البتہ سرہانے کی طرف کچھ دن سے ایک بہت ہی چھوٹا سا سوراخ میں نے ضرور دیکھا

تھا جو اس وقت اب اس تازہ مٹی سے بند کر دیا گیا ہے، میں نے سوچا بھی کہ کسی دن فرصت کے وقت میں اس کو مٹی سے بند کر دوں گا۔'' بوڑھے گورکن نے جواب دیا۔

بوڑھے گورکن کا جواب سن کر ایک بار پھر جمیل کے ذہن میں کاشف کا خواب گردش کرنے لگا ذہن اس وقت بہت تذبذب کا شکار تھا کہ ابو کی قبر پر رات کو نظر آنے والا بندہ کون تھا، ابو کی قبر کی چاروں طرف مٹی ڈالنا، قبر پر جلتی اگربتیاں اور گلاب کے تازہ پھول کس نے اتنی صبح آ کر ڈالے یہ سوچ کر اسے جھرجھری آ گئی اس نے یہ سوچے بغیر بھی کے اس کے رات کو گھر نہ پہنچنے کی وجہ سے امی کتنی پریشان ہوں گی اس نے ایک بار پھر پہلے علاقے کی مسجد کے مولوی صاحب کی طرف جانے کا فیصلہ کیا اور قبرستان سے سیدھا مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ مولوی صاحب کے پاس موجود تھا اور اس نے رات والا واقعہ اور صبح قبر پر پڑے پھولوں کے بارے میں انہیں تفصیل سے بتایا تو وہ مسکرا دیے اور کہنے لگے۔

''پریشان ہونے کی بات نہیں، آپ مجھے ایک بات بتائیں کہ حاجی صاحب کا عبادت کا کیا معمول تھا کس طرح کی عبادت زیادہ کرتے تھے۔'' مولوی صاحب نے جمیل سے دریافت کیا۔

''نماز تو وہ پانچ وقت ہماری پیدائش سے پہلے ہی سے مسجد میں پڑھاتے تھے، بچوں کو دینی تعلیم اور قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے، ہاں البتہ وہ سورۃ جن کی تلاوت کثرت سے کیا کرتے تھے۔'' جمیل کو ابو کی سورۃ جن کی تلاوت کرنے کی عادت کا اچانک یاد آیا۔

''بس تو میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں ان کی قبر کی رکھوالی کوئی اور نہیں وہی موکلات ہی کرتے ہیں ،حاجی صاحب کی قبر میں سوراخ ہو جانے پر آپ کے دوست کے خواب میں آ کر آپ کو اسے ٹھیک کرنے کا پیغام پہنچایا اور آپ بارش کے باوجود رات ہی قبرستان بھاگے مگر اس سے پہلے ہی موکلات وہاں موجود تھے جنہوں نے یہ کام بہ خوبی سرانجام دیا اور ہاں ایک بات اور آپ کو بتاؤں کہ آپ کی بہن کی شادی کے موقع پر گھر میں رقم کسی اور نہیں تمہارے ابو سے انسیت رکھنے والے اور ان سے محبت کرنے والے ان سے مانوس جنات نے دی تھی، مگر اس وقت حاجی صاحب سمیت آپ کے گھر کا کوئی فرد اس بات کو نہیں سمجھ سکا۔'' مولوی صاحب نے معاملہ سمجھتے ہوئے جمیل کو جواب دیا۔

''اب مجھے کیا کرنا چاہئے مولوی صاحب۔؟'' جمیل نے سوال کیا۔

''گھر جاؤ، اپنی امی کو تمام صورت حال بتا کر انہیں تسلی دو اور حاجی صاحب کے ایصال ثواب کے لیے جتنا ہو سکتا ہے اتنا کرنے کی کوشش کرو۔'' مولوی صاحب نے جمیل کو نصیحت کی۔

''جی ضرور مولوی صاحب۔'' جمیل نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''اور ایک نصیحت اور کرنا چاہوں گا آپ کو ،حاجی صاحب کی قبر پر تاخیر سے مت جایا کریں کم از کم ہفتے میں ایک بار ضرور ان سے ملنے جایا کیجئے۔'' جمیل جانے کے لیے جیسا ہی پلٹا تو مولوی صاحب نے اسے قبرستان جانے کی ہدایت کی۔

''میں وعدہ کرتا ہوں اب میں ایسا ہی کروں گا۔'' جمیل ولولے سے بولا اور ساری صورت حال اپنی امی کو بتانے اور ان کو پریشانی سے بچانے کے لیے تیزی سے موٹر سائیکل چلا کر گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔

□□......❁......□□

کراچی سے ارسال کردہ خوفناک تحریر

شیطانی عملیات

راتوں میں کالے لباس میں ملبوس ہولے انہیں ڈراتے تھے، وہ معصوم لڑکیاں ساری رات جاگتے گزار دیتی تھیں......

فوزیہ فرید

''ثناء......ثناء اٹھو مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ میرے ساتھ کچن میں چلو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''کیا ہے سونے دو مجھے......'' ثنا نے جھنجھلائے لہجے میں کہتے ہوئے کروٹ بدلی۔



''ثنا...... اٹھ بھی جاؤ'' حنا نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

''کیا مصیبت ہے تم سونے کیوں نہیں دے رہی ہو؟''

''ایسی کیا آفت آ پڑی ہے جو تم اکیلے کچن میں نہیں جاسکتیں، پہلے بھی تو اکیلے جاتی تھیں اب کیا ہوگیا ہے؟'' ثناء حنا پر چڑھ دوڑی تھی۔ اسے اپنی نیند ٹوٹنے پر غصہ آرہا تھا۔

''میں کچن میں گئی تھی مجھے لگا وہاں میرے علاوہ بھی کوئی ہے میں نے دیوار پر کسی کا سایہ دیکھا ہے اسی لیے میں بھاگ کر آگئی۔'' حنا نے روہانسے لہجے میں ثناء کو بتایا۔

حنا کے اس طرح بتانے پر ثناء کو اپنے رویے کا احساس ہوا اس نے نرم لہجے میں حنا سے کہا۔

''چلو میرے ساتھ بلکہ ٹھہرو میں خود ہی فریج سے بوتل لے آتی ہوں۔'' اس نے حنا کو بوتل لاکر دی اور یہ کہتے ہوئے لیٹ گئی۔

''اب مجھے مت جگانا......'' ثناء حنا دو بہنیں اور ایک بھائی تھا ان کی امی کا انتقال ہوگیا تھا ابو حیات تھے گھر میں کل چار افراد تھے ان کا گھر 240 گز پر مشتمل تھا جو کہ ان کے دادا کے زمانے کا بنا ہوا تھا ایک گھر ان کے دادا کا تھا جبکہ دوسرا گھر انہوں نے پڑوسی سے خرید کر اسی میں شامل کرلیا تھا۔

دادا والے گھر میں ان لوگوں کی رہائش تھی جبکہ خریدے گئے گھر میں ان کے والد نے درخت اور طرح طرح کے پھولدار پودے لگا رکھے تھے کچھ درخت دادا نے اپنی زندگی میں لگائے تھے جو اب تناور درخت بن گئے تھے دادا کے بعد ابو ان درختوں اور پودوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ اسی پلاٹ میں ابو کا کمرہ بھی تھا۔



جبکہ ثناء، حنا اور ان کے بھائی کا کمرہ دادا والے گھر میں تھا۔

ثناء حنا خوبصورتی میں اپنی ماں پر گئی تھیں جو کہ بے حد حسین تھیں یہی وجہ تھی کہ ان دونوں

کے بچپن ہی سے رشتے آنے شروع ہو گئے تھے۔
مگران کے ابو نے سب کو یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ ابھی دونوں چھوٹی ہیں بعد میں دیکھا جائے گا۔

ابو کی ایک کزن جو رشتے میں چچا زاد بہن تھیں انہوں نے دونوں بہنوں کے لیے ابو سے ضد باندھ رکھی تھی ثناء کے میٹرک کرتے ہی انہوں نے اپنا پچھلا مطالبہ ابو کے سامنے رکھ دیا۔ اگران کے بیٹے کچھ لائق ہوتے تو ابوان کے بارے میں مثبت انداز سے سوچتے مگران کے دونوں بیٹے کچھ اچھی عادتوں کے مالک نہ تھے پھران کی تعلیم بھی واجبی سی تھی پھران کے گھریلو حالات بھی اتنے اچھے نہ تھے۔

ابو نے بیٹیوں کو بہت نازوں سے پالا تھا اور وہ ان کی شادی بھی ایسے گھرانے میں کرانا چاہتے تھے جہاں ہمیں کسی قسم کی کوئی مشکل نہ ہو۔ اپنی کزن کی ضد کو دیکھتے ہوئے ابو نے انہیں دوٹوک فیصلہ سنا دیا تھا کہ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی ان کی مرضی سے کریں گے وہ اپنی بیٹیوں پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ڈالیں گے۔

ابو نے اپنی کزن سے کہا۔ میں نے اپنی بیٹیوں سے آپ کے بیٹوں کے بارے میں رائے لی تھی انہوں نے صاف منع کر دیا ہے اس لیے ہماری طرف سے معذرت ہے ابو کی وہ کزن خاموش ہو گئیں اور انہوں نے پھر اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی یوں ان دونوں کی اس قصے سے جان چھوٹ گئی۔

سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا مگر کچھ دنوں سے ان دونوں کے ساتھ عجیب وغریب حالات و واقعات وقوع پذیر ہو رہے تھے پہلے تو انہوں نے اسے اپنا وہم سمجھا مگر جب کئی بار ایسا ہوا تو انہیں تشویش ہوئی حیرت کی بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات بالکل ایک جیسے ہوتے تھے اس دن ابو کے دوست کے بیٹے کی شادی تھی انہوں نے ابو کو فیملی کے ساتھ انوائٹ کیا تھا بھائی گھر پر رک گئے تھے ابو دونوں بیٹیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔

☆......☆......☆

جب وہ دونوں واپس آئے تو چینج کرنے کے لیے میں اپنے روم میں جبکہ حنا واش روم چلی گئی ثناء چینج کرنے کے بعد اپنی پہنی ہوئی شرٹ اٹھائی تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا اس کی شرٹ میں بہت سارے بلب جل رہے تھے۔

اس نے شرٹ کو قریب کر کے دیکھا تو اس میں کچھ نہ تھا اس نے شرٹ کو دور کیا تو بلب دوبارہ روشن ہو گئے ایسے جیسے ڈالس والی بیل ہوتی ہے ثناء نے ڈر کر اپنی شرٹ وہیں پھینکی اور بدحواس ہو کر کمرے سے باہر بھاگی انسے بدحواسی کے عالم میں دیکھ کر واش روم سے نکلتی حنا چونک اٹھی۔

''کیا ہوا ہے تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟''

''حنا کمرے میں......'' اس نے کمرے میں ہونے والا واقعہ حنا کو بتایا' حنا بولی۔

''پتہ نہیں آج کل ہمارے ساتھ اس قسم کے واقعات کیوں ہونے لگے ہیں۔''

''یہی میں بھی سوچ رہی ہوں چھوڑو ان باتوں کو کمرے میں چلتے ہیں۔'' ثناء نے حنا سے کہا اور دونوں کمرے کی طرف چل پڑیں۔

ایک رات وہ دونوں اپنے کمرے میں سو رہی تھیں کہ ثناء کو محسوس ہوا کوئی اور بھی کمرے میں موجود ہے اس نے لیٹے لیٹے کمرے کا جائزہ لیا مگر اسے کچھ نظر نہ آیا پھر اسے لگا کھڑکی سے کوئی انہیں دیکھ رہا ہے اس نے ڈرتے ڈرتے اُدھر دیکھا تو اسے وہاں بھی کوئی دکھائی نہ دیا اس نے خود کو تسلی

دی اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی ابھی اسے سوئے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ حنا نے اسے بری طرح جھنجھوڑ کر جگا دیا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی حنا کی طرف دیکھا تو وہ رو رہی تھی وہ چونک اٹھی ضرور کوئی بات تھی اس نے حنا سے پوچھا۔

''کیا ہوا تم رو کیوں رہی ہو؟'' حنا نے رونے کے دوران بتایا۔

''وہ سو رہی تھی کہ اس نے دیکھا کمرے کی کھڑکی سے کوئی انہیں دیکھ رہا ہے وہ انتہائی بھیانک آنکھیں تھیں میں نے جلدی سے اپنی آنکھیں بند کرلیں اسی اثناء میں مجھے نیند آ گئی میں نے دیکھا ہم صحرا میں کھڑے ہیں اور بہت سارے اونٹوں نے ہمیں گھیرے میں لیا ہوا ہے وہ آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھ رہے تھے ہم دونوں مدد کے لیے چاروں طرف دیکھ رہے تھے مگر وہاں ہماری مدد کرنے والا کوئی نہ تھا ابھی ہم ان سے نجات کے طریقے سوچ ہی رہے تھے کہ ایک اونٹ نے ہم پر حملہ کر دیا ہم اپنے بچاؤ کے لیے ہاتھ چلانے لگے کہ میرا ہاتھ ایک اونٹ نے اپنے منہ میں لے لیا اس نے میرا ہاتھ چبانے ہی لگا تھا کہ میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا مگر پھر بھی اس کا دانت میرے ہاتھ کو زخمی کر گیا یہ دیکھو......''

یہ کہہ کر حنا نے اپنا ہاتھ میرے سامنے کیا میں اس کا ہاتھ دیکھ کر حیران رہ گئی واقعی اس کے ہاتھ پر زخم موجود تھا اب میں اسے کیا بتاتی کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا فرق اتنا تھا میں زخمی ہونے سے بچ گئی تھی۔

پھر ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا ایسا لگا جیسے کوئی ان کے پیچھے پڑ گیا ہے سیاہ لباس میں ملبوس ہیولے گھر میں ہر جگہ محسوس ہوتے رات پھر ہیولے نے ثناء گردن دبوچ لی پھر دیوار کے ساتھ لگا دیا اور پورے کمرے کی دیواروں کے ساتھ رگڑنا شروع کر دیا جس سے اُسے بہت تکلیف ہو رہی تھی ایک تو اس ہیولہ کی گردن دبوچنے کی تکلیف دوسرے دیوار سے گھسیٹنے کی تکلیف ایسا لگا شاید آج زندگی کی یہ آخری رات ہو موت کے خوف سے بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی منہ سے غوں غوں کی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں قریب تھا کہ موت کے منہ میں چلی جاتی اس کے منہ سے بے اختیار قرآنی آیات جاری ہوگئیں جس سے اس ہیولے کی ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑتے پڑتے بالکل معدوم ہوگئی۔

اس نے فوراً حنا کی طرف دیکھا تو وہ زیرلب قرآنی آیات کا ورد کر کے حصار کھینچ رہی تھی اس نے ممنون نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

کچھ دیر بعد اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے اسے وہ سب بتایا جو میرے ساتھ پیش آیا تھا جسے سن کر وہ کافی خوفزدہ ہوگئی کہنے لگی۔

''ثناء ان واقعات کا سلسلہ تو بڑھتا ہی جا رہا ہے ہمیں ابو کو بتانا چاہیے۔''

''ہاں ...... تم ٹھیک کہہ رہی ہو ابو ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارہ دلا دیں گے یہ فیصلہ کر کے ہم دونوں سونے کے لیے لیٹ گئے کہ صبح کالج بھی جانا تھا۔

دوسرے دن ہم نے ابو کو اپنے ساتھ ہونے والے ان تمام واقعات کا ذکر کیا تو وہ تو کہنے لگے۔

یہ جو آپ دونوں خوفناک موویز اور ڈراؤنے قصے کہانیاں پڑھتی ہیں یہ سب اسی کا نتیجہ ہے آپ مووی دیکھنا چھوڑ دیں اور خوفناک قصے کہانیاں پڑھنا چھوڑ دیں اور اپنی پڑھائی پر توجہ دیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ابو یقین کریں ہم سچ بول رہے ہیں۔''

''بیٹا میں کب کہہ رہا ہوں آپ جھوٹ بول رہی ہیں کچھ باتیں انسان کے لاشعور میں سما جاتی ہیں پھر وہ خواب میں آ کر انسان کو پریشان کرتی ہیں۔''

''جب آپ کو ڈر لگا کرے اللہ کے کلام کا ذکر کیا کریں کلام الٰہی کی برکت سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کے پیپرز ہونے والے ہیں ان کی تیاری کرو مجھے اچھا رزلٹ چاہیے۔''

''جی ابو......'' ہم دونوں اپنے کمرے میں آ گئے ابو ہماری مشکل کو سمجھ ہی نہیں رہے تھے ہم نے بھائی سے بھی بات کی تھی انہوں نے بھی تقریباً ابو والا جواب دیا تھا یعنی ہمارے ساتھ جو کچھ بھی پیش آتا ہمیں اکیلے ہی جھیلنا تھا اس لیے ہم نے آئندہ آنے والے حالات کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا۔

دو تین دن خیریت سے گزر گئے تو ہم نے بھی سکھ کا سانس لیا مگر یہ عارضی ثابت ہوا اس رات ہم سو رہے تھے کہ اچانک ہماری آنکھ کانوں کے پاس ہونے والے بے ہنگم شور سے کھل گئی کیونکہ گہری نیند سے جاگے تھے اس لیے پہلے تو کچھ سمجھ نہ آیا مگر غور کرنے پر پتہ چلا کہ ہمارے آس پاس بہت سارے پرندے اڑ رہے تھے حیرت کی بات یہ تھی کہ آواز بہت واضح تھی مگر وہ پرندے ہمیں کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے جبکہ ہمارے کان ان کے پروں سے پیدا ہونے والے شور کی وجہ سے پھٹے جا رہے تھے۔

ہم نے فوراً قرآنی آیات کا ورد شروع کر دیا اور آیۃ الکرسی کا حصار کھینچ لیا کچھ دیر بعد سب کچھ معمول پر آ گیا۔ اس سے پہلے بھی یہ آوازیں ہم نے سنی تھی مگر ہم نے کوئی توجہ نہ دی تھی آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔

ابو کی طرح ہم بھی اسے اپنا وہم قرار دیتے اگر صبح ہمیں کمرے میں چند پر نہ ملتے یہ پر ہمارے کمرے میں کیسے آ گئے تھے سوچ سوچ کر ہمارا دماغ شل ہو گیا مگر کچھ سمجھ نہ آیا۔ حنا کہنے لگی۔

''ثناء یہ سب کیا ہو رہا ہے اور ہمارے ساتھ ہی کیوں ہو رہا ہے ابو یا بھائی کو تو کچھ بھی نظر نہیں آتا اور نہ ہی ان کے ساتھ اس قسم کے کوئی واقعات پیش آئے ہیں۔''

''اسی وجہ سے تو انہیں یقین نہیں آتا اگر یہ سب کچھ جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے اگر ان کے ساتھ بھی پیش آئے تو تبھی انہیں یقین بھی آئے گا۔''

''لیکن اب ہم کیا کریں گے؟'' حنا نے بے چارگی سے کہا۔

''انتظام......'' اپنی حفاظت کا خود ہی انتظام کریں گے وہ اسی طرح کہ ہم ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کریں گے اور چلتے پھرتے درود و آیات پڑھتے رہیں گے۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو میں نے سنا ہے باوضو رہنے سے بھی بہت سی بلاؤں سے انسان محفوظ رہتا ہے۔'' حنا نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''تمہیں پتہ ہے ثوبیہ آ رہی ہے۔'' ثنا نے باتوں کا رخ بدلہ۔

''سچ......ثوبیہ آ رہی ہے پھر تو بڑا مزہ آئے گا۔'' حنا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ثوبیہ ان کی ہم عمر تھی اور ان کی پھوپو کی بیٹی تھی جب یہ تینوں اکٹھی ہوتی تو خوب ہلہ گلہ کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں اس کے آنے کا سن کر خوش ہو رہی تھیں۔

ثوبیہ صالح بھائی کے ساتھ آئی تھی پھوپو کی

طبیعت ٹھیک نہ تھی اسی لیے وہ نہیں آئیں تھیں صالح بھائی کو کچھ کام تھا اس لیے شام تک آنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔

یہ دونوں ثوبیہ سے مل کر بے حد خوش تھیں ان تینوں نے خوب باتیں کیں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا رات کو کھانے سے فارغ ہو کر یہ تینوں کمرے میں آ گئیں ایک بار پھر باتوں کا سلسلہ چل نکلا باتوں کا یہ دریا نا جانے کب تک چلتا کہ حنا نے کہا۔

''یار مجھے نیند آ رہی ہے چلو سوتے ہیں۔'' تو وہ دونوں بھی سونے کے لیے لیٹ گئیں۔ دیر تک جاگنے کی وجہ سے ان کی آنکھ بھی دیر سے کھلی دوسرے آج اتوار تھا اس لیے بھی یہ آج کے دن دیر سے اٹھتی تھیں۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ثناء برتن دھو رہی تھی ثوبیہ کہنے لگی۔

''آج کا لنچ میں تیار کروں گی۔'' ثناء حنا نے کہا۔

''ضرور ضرور......'' کام کے دوران ثوبیہ کہنے لگی۔

''یار تمہارے کمرے میں رات کو کتنی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔''

''ہمیں تو کوئی گھٹن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔'' ثناء نے کہا۔

''رات جب میں سو رہی تھی تو مجھے کمرے میں پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ بھی محسوس ہو رہی تھی پتہ نہیں یہ میرا وہم تھا یا خواب دیکھ رہی تھی ثوبیہ کے کہنے پر ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کیے پھر حنا بولی۔

''تمہیں کمرے میں کبھی گھٹن محسوس ہو رہی تھی کبھی پرندوں کی آوازیں لگ رہی تھیں ہمیں تو کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا یہ سب تمہارا وہم ہے اور کچھ نہیں۔'' حنا نے جان کر جھوٹ بولا تھا۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ثوبیہ بہت ڈرپوک ہے اگر انہوں نے اس کی بات کی حمایت کی تو وہ ڈر جائے گی اسی لیے مجبوراً اسے جھوٹ بولنا پڑا تھا۔ ثوبیہ نے کہا۔

''ہو سکتا ہے میرا وہم ہو اچھا یہ بتاؤ شام کا کیا پروگرام ہے۔'' خود ہی بولی۔

''پہلے پارک چلتے ہیں پھر واپسی پر آئس کریم کھاتے ہوئے آئیں گے کیا خیال ہے؟''

''آئیڈیا برا نہیں ہے تو ہم تینوں کے مشترکہ قہقہوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ رات کا کھانا ہم نے باہر ہی کھایا تھا بھائی ہر اتوار ہمیں اچھے سے ریسٹورنٹس میں ڈنر کرواتے تھے۔

صالح بھائی آ گئے تھے اسی لیے ثوبیہ چلی گئی اس کے ساتھ ہمارا بہت اچھا وقت گزرتا تھا۔

ایک روز بھائی گھر آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک زخمی چوزہ تھا وہ چوزہ ثناء کو دے کر بولے۔

''یہ چوزہ بلی کھانے جا رہی تھی میں نے اس سے چھین لیا ہے تم اس کی دیکھ بھال کرو ٹھیک ہو جائے گا تو میں اسے کسی کو دے دوں گا۔''

وہ چوزہ بہت کیوٹ تھا ہم نے اسے ایک کارٹن میں رکھا تھا رات کو ہم اسے ٹرالی کی دراز میں رکھتے تھے اس طرح اس چوزے کو آئے ایک ہفتہ ہو گیا اس کا زخم بھی کافی حد تک ٹھیک ہو گیا تھا۔

ایک رات ہم سوئے ہوئے تھے آج پھر مجھے بلی کا خود پر حملہ کرنے والا خواب نظر آیا تھا میں بلی سے بچنے کے لیے بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اس جدوجہد کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی

کچھ دیر تک میں اسی خواب کے بارے میں سوچتی رہی پھر سونے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

اچانک مجھے کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی میں نے فوراً آنکھیں کھول کر دیکھا تو بلی کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا میرے ذہن میں فوراً چوزے کا خیال آیا میں بیڈ سے اتر کر ٹرالی کی دراز کھول کر چیک کرنے لگی دیکھا تو اس میں سے چوزہ غائب تھا یہ دیکھ کر مجھے شدید دھچکا لگا۔

یعنی بلی بڑی صفائی سے دراز سے چوزہ نکال کر لے جا رہی تھی۔ میں کمرے سے نکل کر بلی کے پیچھے بھاگی وہ ابھی ابو والے پورشن میں تھی مجھے دیکھا تو لپک کر دیوار پر چڑھ گئی اور برابر والے گھر میں کود گئی بے بسی سے میری آنکھ میں آنسو آ گئے مجھے بہت دکھ ہو رہا تھا اتنی حفاظت کے باوجود بھی وہ کتنی آسانی سے چوزہ لے گئی تھی میں بوجھل قدموں سے کمرے میں آ گئی کمرے میں آئی تو مجھے یاد آیا ہم تو کمرہ بند کر کے سوتے تھے پھر لاک ہوا دروازہ کس نے کھولا؟

حنا سے پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا یہ بات اب تک ہماری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ دروازہ کیسے کھلا تھا؟

صبح جب ہم نے چوزے والی بات بھائی کو بتائی تو انہوں نے کہا۔

''اس بے چارے کے نصیب میں بلی کے پیٹ میں جانا لکھا تھا اس لیے اسے بلی لے گئی۔ رہی دروازے کی بات تو وہ تم بند کرنا بھول گئی ہوں گی۔''

جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ ہمارا گھر ڈبل بنا ہوا تھا ایک حصے میں ہم رہتے تھے جبکہ دوسرے حصے میں ابو نے بہت سارے پیڑ، پودے لگا رکھے تھے اور اسی حصے میں واشم روم بھی تھا ہمارے والے واش روم میں پانی کا کنکشن خراب ہو جانے کی وجہ سے اس واش روم میں سب ہی جاتے تھے کیونکہ گھر میں افراد ہی کتنے تھے اسی لیے کبھی اسے ٹھیک کرانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی گئی تھی واش روم کے بالکل سامنے ابو کا کمرہ تھا۔

دن میں اس حصے کی ہریالی بڑی دل کو بھاتی تھی مگر رات میں یہی ہریالی خوف میں مبتلا کرتی تھی اگرچہ وہاں روشنی کا انتظام کیا گیا تھا مگر جب لائٹ چلی جاتی تو یہی پیڑ پودے کسی آسیب سے کم نہ لگتے تھے ہمارا جب اس حصے میں جانا ہوتا تو ابو کے کمرے کی وجہ سے حوصلہ رہتا تھا اکثر ابو اپنے کمرے میں اخبار پڑھتے رہتے یا ٹی وی پر نیوز دیکھتے رہتے تھے۔

اکثر اب ایسا ہونے لگا تھا کہ ہم اس حصے میں جاتے تو ابو کمرے میں موجود ہوتے اور اخبار پڑھتے ہوئے ملتے مگر جب ہم واپس اپنے والے حصے میں آتے تو ابو باہر سے اندر آ رہے ہوتے اگر ابو گھر سے باہر تھے تو پھر ان کے کمرے میں وہ کون تھا جو ہم ابھی دیکھ کر آئے تھے؟

اس بات کے بارے میں جب ہم ابو سے پوچھتے تو وہ کہتے۔

''بیٹا آپ کو دھوکہ ہو رہا ہے میں تو ابھی آپ کے سامنے باہر سے آیا ہوں۔''

لیکن ابو کو ہم یہ بات سچ ثابت کرنے سے قاصر تھے کہ ایسا کئی بار ہوا تھا اگر ہماری نظروں کا دھوکہ تھا تو ایک بار دو بار ہر بار تو انسان کی نظریں دھوکہ نہیں کھا سکتیں ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہمارے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ دن بدن ان واقعات کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا تھا۔

ان حالات میں میری پڑھائی بھی متاثر ہو رہی تھی طبیعت بے زار بے زار سی رہنے لگی تھی۔ میری دوستیں مجھ سے پوچھتیں ثناء کیا بات ہے تم اتنی خاموش رہنے لگی ہو کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ شاید ہم تمہاری مدد کر سکیں؟

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بس ایگزام کی ٹنشن ہے۔"

"تم نے ایگزام کو اتنا سر پر سوار ہی کیوں کر لیا ہے پہلے بھی تو ہوئے ہیں یہ ایگزام پھر اتنا اسٹریس لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور نہیں تو کیا زندگی بھی تو ایک امتحان ہے تو کیا انسان زندگی کی کٹھنائیوں سے ڈر کر جینا ہی چھوڑ دے گا فاریہ نے فلسفہ جھاڑا۔

"اچھا بھئی نہیں لیتی کوئی ٹیشن خوش اب چلو سر افضل کی کلاس شروع ہونے والی ہے چلو سب نے اپنے اپنے بیگ سنبھالے اور کلاس کی راہ لی۔

ہمارے ایگزام میں چند دن باقی تھے میں اور حنا اچھے رزلٹ کے لیے خوب دل لگا کر پڑھ رہے تھے اس رات حنا کو جلدی نیند آ گئی تھی اس لیے وہ جلد سو گئی جبکہ میں جاگ رہی تھی پڑھتے پڑھتے مجھ پر بھی نیند غالب آ گئی میں نجانے کب تک یونہی سوتی رہتی اگر جھٹکے سے میری آنکھ نہ کھل جاتی میں بیڈ سے نیچے اتری اور واش روم چلی گئی وہاں سے واپس آ رہی تھی کہ میں نے دیکھا حنا اسٹور روم کا دروازہ کھولے کچھ تلاش کر رہی تھی میں نے وہیں سے کھڑے کھڑے اس سے پوچھا اتنی رات گئے تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

اس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہ دیا بس اندر گھسی کھٹر پٹر کرتی رہی۔

اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر میں اپنے کمرے میں آ گئی اور جیسے ہی اپنے بیڈ کی طرف بڑھی تو مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا کیونکہ حنا تو بے خبر بیڈ پر سوئی ہوئی تھی اگر حنا یہاں تھی تو پھر اسٹور روم میں حنا کی شکل میں کون تھا؟

خوف سے میرا برا حال تھا میں نے جھٹ آیت الکرسی کا حصار اپنے اور حنا کے گرد کھینچ اور خود کو چادر میں قید کر کے بیٹھ گئی باقی کی رات بیٹھے بیٹھے ہی گزر گئی۔

ان واقعات نے میرا چین سکون برباد کر کے رکھ دیا تھا ایک روز میں اپنے کمرے میں صفائی کر رہی تھی کہ پھوپو ہمارے گھر آئیں ابو اور بھائی تو دکان پر گئے ہوئے تھے۔

پھوپو نے بتایا کہ وہ صالح بھائی کی شادی کر رہی ہیں اسی سلسلے میں ابو سے ملنا چاہ رہی ہیں ابو سے ملنے کے بعد جاتے ہوئے وہ کہہ کر گئی تھیں کہ تم دونوں نے ایک ہفتے پہلے ہی آنا ہے ثوبیہ بہت یاد کر رہی ہے کیونکہ ہمارے ایگزام ہو چکے تھے اور ہم بھی فارغ تھے اس لیے ہمیں ایک ہفتے پہلے جانے میں کوئی مسئلہ نہ تھا۔

صالح بھائی کی شادی میں جس نے بھی ثناء کو دیکھا تو یہی کہا کہ اسے کیا ہو گیا ہے پہلے تو کتنی صحت مند تھی یہ اب کیا بیمار رہنے لگی ہے؟" پھوپو کی نند نے کہا۔

"اسے کوئی بیماری بھی نہیں ہے ڈاکٹری علاج بھی کروا کر دیکھ لیا ہے تو میری مانیں اسے کسی عامل کو دکھائیں۔

آج کل جعلی عامل ہی ہیں سب پیسے بنانے کے لیے الٹے سیدھے عمل بتایا کرتے ہیں ہم نے بھی ثناء کو ایک جگہ لے کر گئے تھے مگر وہاں سے کچھ فائدہ نہیں ہوا اس کے بعد ہم نے پھر ڈاکٹر کے سوا کسی کو نہ دکھایا۔

ہمارے گھر سے کافی فاصلے پر ایک سید

صاحب ہیں جو کافی مشہور ہیں لوگ دور دور سے ان کے پاس آتے ہیں اگر چاہو تو ان سے رابطہ کر کے دیکھ لو۔

''میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں وہ یقیناً کوئی درست حل بتائیں گے۔''

''شادی سے فارغ ہو جاؤں تو بھائی صاحب سے بات کرتی ہوں۔'' پھوپو نے کہا۔

''امی آپ یہاں بیٹھی ہیں سب آپ کو اسٹیج پر بلا رہے ہیں۔ پھوپو آپ بھی چلیں۔'' ثوبیہ نے دونوں خواتین سے کہا۔

''ارے بیٹا...... میں کہاں یہ تصویریں مووی بنواتی ہوں اپنی امی کو لے کر جاؤ۔ اسے تصویریں بنوانے کا بہت شوق ہے۔'' پھوپو کی حس مزاح جاگی۔

''بس رہنے دو بچوں کا شوق ہے میں تو ان بچوں کا دل رکھنے کے لیے بنوا لیتی ہوں۔''

''ارے بھابی میں مذاق کر رہی ہوں۔''

''ثوبیہ بیٹا جاؤ اپنی امی کو لے کر سب انتظار کر رہے ہیں۔''

''جی پھوپو......'' اور دونوں اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔ پھوپو نے ہمیں اپنے گھر کھیر کی رسم میں بلایا تھا وہیں انہوں نے ابو سے سید صاحب سے ملنے کے لیے کہا تھا۔

''تم جانتی ہو میں نے پہلے بھی ثناء کو ایک جگہ دکھایا تھا مگر وہاں کوئی فائدہ نہ ہوا۔''

''ضروری تو نہیں وہاں فائدہ نہیں ہوا تو اور کہیں بھی نہیں ہوگا سینکڑوں لوگ جا رہے ہیں فائدہ ہو رہا ہے تو جا رہے ہیں ورنہ کسی کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ وقت اور پیسہ برباد کریں۔ لگتا ہے امی آج تو ماموں کو راضی کر کے ہی دم لیں گی۔''

ثوبیہ نے حنا کے کان میں کہا۔

''جی بھائی آپ کہیں تو میں راشدہ سے بات کروں؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ثناء تمہاری بیٹی کی طرح ہے تم جو چاہے کرو۔'' اور پھوپو ثناء اور ابو کے ساتھ عامل کے پاس پہنچ گئیں۔

سید صاحب نے ثناء کو دیکھ کر پھر کچھ دیر تک منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا پھر کہنے لگے۔

''اس بچی پر کالا علم کروایا گیا ہے اس کے عمل کی کاٹ ہو جائے گی آپ یہ چیزیں لا دیں باقی کا کام ہم خود کر لیں گے۔'' انہوں نے یہ بھی ہدایت کی کہ گھر سے باہر جو کیاریاں بنائی گئی ہیں ان کی تمام مٹی پودوں سمیت کہیں دور ویرانے میں ڈلوا دیں اتنی مٹی نکالیں کہ زمین میں گڑھے بن جائیں پھر وہیں نئی مٹی ڈال کر پودے لگائے جا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ باقی کی جگہ کی بھی اچھی طرح صفائی کروائی جائے سید صاحب کی ہدایت کے مطابق صفائی کرا دی گئی پھر انہوں نے دم کیا ہوا پانی ساتھ ہی کچھ کیلیں دیں اور کہا کہ یہ پانی گھر کی تمام دیواروں پر چھڑک دیں اور کیلیں گھر کے کونوں میں لگا دیں۔

ساتھ ہی ثناء کو گلے میں پہننے کے لیے تعویذ دیا اور دم کیا ہوا پانی دیا اور کچھ دنوں بعد آنے کو کہا۔

سید صاحب کے کیے گئے علاج کی بدولت ثناء بالکل ٹھیک ہو گئی۔

بھائی کے بے حد اصرار پر انہوں نے بتایا کہ یہ عمل ان کے جاننے والے نے کروایا ہے اور وہ کون ہے؟ یہ انہوں نے نہیں بتایا بس یہی کہا کہ اس بچی کی شادی کر دیں تا کہ آپ اس کی فکر سے

آزاد ہو جائیں گھر آ کر بھائی نے ابو سے کہا۔
''ابو مجھے لگتا ہے یہ گھٹیا کام ایاز خان کا ہو سکتا ہے بھائی کو جیسے کچھ یاد آیا تھا ابو آپ کو یاد ہے کچھ سال پہلے انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے ثناء کا رشتہ مانگا تھا آپ نے یہ کہہ کر رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا کہ ثناء پڑھ رہی ہے جبکہ انکار آپ نے ان کے بیٹے کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے کیا تھا۔
''نہیں بیٹا تم غلط سوچ رہے ہو ایک انکار پر کوئی ایسی نیچ حرکت کیسے کر سکتا ہے یہ نہیں ہو سکتا۔''
''ابو ایسا ہی ہے۔'' حنا جو کافی دیر سے خاموش بیٹھی سن رہی تھی درمیان میں بولی۔ ثناء کے منع کرنے کے باوجود حنا نے کہا۔
''ابو اصل بات یہ ہے کہ جب ہم میٹرک کے پیپر دے رہے تھے تو انکل ایاز کے بیٹے دلدار ہمارا پیچھا کرتا تھا وہ اکثر ہم سے فری ہونے کی کوشش کرتا رہتا مگر ہم نے اس کی کبھی کسی بات کا جواب نہ دیا کالج جوائن کیا تو وہ تب بھی اکثر کالج آ کر ہمیں ستایا کرتا تھا(
اسی طرح ایک روز وہ بے ہودہ قسم کے جملے کستا ہوا ہمارے پیچھے چلا آ رہا تھا جب اس نے دیکھا کہ ہم نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تو اس نے حد ہی کر دی اس نے ثناء کے دوپٹے کا کونا پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔
''میں تم سے کہہ رہا ہوں۔'' ثناء کو اس کی یہ بات بے حد ناگوار گزری تھی اس نے اپنا دوپٹہ کھینچا اور زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا یہ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا وہ منہ پر ہاتھ رکھے ثناء کو دیکھنے لگا اس کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا اس نے ثناء کا ہاتھ پکڑا اور کہا۔
''تو نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اچھا نہیں کیا ہے۔ دلدار کی کسی بات پر انکار کرنے والا ابھی پیدا نہیں ہوا ہے اور تو نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے میں تیرا وہ حال کر دوں گا کہ دنیا دیکھے گی آج سے تیرے برے دن شروع......''
یہ کہہ کر وہ غیض و غضب میں بھرا واپس چلا گیا تھا اور اس دن کے بعد سے پھر دوبارہ نظر نہیں آیا تو ہم نے بھی سکون کا سانس لیا۔''
اتنا کچھ ہو گیا اور تم لوگوں نے ہمیں بتانا بھی گوارہ نہیں کیا میں اس کی جان نکال دیتا۔'' بھائی نے غصے سے کہا۔
''بھائی اسی لیے آپ کو نہیں بتایا تھا کہ آپ غصے میں نا جانے کیا کر بیٹھتے۔''
''جو ہونا تھا ہو گیا اب ختم کرو اس قصے کو...... میں آج ہی رفیق (بہنوئی) سے بات کرتا ہوں کہ ان کا کیا ارادہ ہے ثناء کے بارے میں۔'' یہ کہہ کر ابو کمرے سے باہر چلے گئے۔
بعد کہ معاملات انتہائی تیزی کے ساتھ انجام پا گئے اور ثناء کی شادی خالہ کے بیٹے کے ساتھ بخیر و عافیت ہو گئی۔
ثناء کی شادی کے بعد میں اکیلی رہ گئی تھی مگر اب مجھے بالکل بھی ڈر نہیں لگتا تھا ہر طرح کی بلاؤں سے حفاظت کا تعویذ جو میرے گلے میں تھا جو کہ سید صاحب نے دیا تھا۔
آج ہم سخی حسن کے علاقے میں بنے ایک خوبصورت سے گھر میں رہ رہے ہیں پہلے والا گھر ابو نے فروخت کر دیا ہے بھائی کی بھی شادی ہو گئی ہے کچھ دنوں بعد میری بھی شادی ہونے والی ہے میں اور ثناء جب اکٹھے ہوتے ہیں تو ان واقعات کو یاد کرتے ہیں۔''

سیالکوٹ سے ارسال کردہ سائے کی پُراسرار کتھا

سایہ



سایہ چمٹ جائے تو انسان اپنے آپ میں نہیں رہتا لیکن اگر سر سے والدین کا سایہ اٹھ جائے تب بھی تو انسان کہیں کا نہیں رہتا......

راکی ولسن

آفتاب میرا دوست تھا ہم لوگ ایک ساتھ کالج میں پڑھا کرتے تھے وہ کسی دور دراز گاؤں کا رہنے والا تھا۔ جبکہ میری آنکھ ہی شہر کی رنگینیوں میں کھلی تھی۔

ہم نے تعلیم مکمل کی تو آفتاب نے مجھے ایک کاغذ پر اپنے گاؤں کا پتہ لکھ کر دے دیا کہ جب کبھی فرصت ہو تو ضرور آنا۔

تب موبائل کا دور نہ تھا وگرنہ تو موبائل فون کے دور میں اتنی دوریاں کہاں ہر کوئی موبائل ہاتھ میں لیے دنیا کے کسی بھی کونے میں موجود اپنے جاننے والے سے رابطہ میں رہ لیتا ہے۔

میں نے وہ پتہ سنبھال کر رکھا تھا۔ آج کل شدید گرمی کے دن تھے اور گاؤں کے پُرسکون ماحول کی امید لیے ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنے کا خیال دل میں سمائے میں آفتاب کے گاؤں کے لیے نکل پڑا۔ اپنی بائیک پر سفر کرتا ڈیڑھ گھنٹے میں میں وہاں پہنچ گیا۔ آفتاب نے بہت محبت سے خوش آمدید کہا اور اس کے امی ابو نے بہت محبت دی شام کے وقت ہم گاؤں کے باہر سیر کے لیے گئے۔ مجھے بہت ہی اچھا لگ رہا تھا گندم کی کٹائی کے بعد دھان کی فصل کاشت کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اکثر کھیتوں میں پانی کھڑا کر دیا گیا تھا۔

شام کے کھانے کے بعد ہم لوگ چھت پر چارپائیاں بچھا کر باتیں کرنے لگے۔ کالج ٹائم کی باتیں اور گاؤں کے ماحول کی باتیں کرتے کون سا ٹائم ہو گیا ہمیں پتہ ہی نہ چلا۔

ہلکا ہلکا نیند کا تاثر آنکھوں میں دیکھ کر آفتاب بولا۔

”تم سو جاؤ بائیک کا سفر کر کے آئے ہو تو تھکاوٹ بھی ہوئی ہوگی صبح سیر پر جائیں گے۔ تو بقیہ باتیں صبح کریں گے۔“

ابھی ہم لوگ کمر سیدھی کر کے لیٹے ہی تھے کہ ایک دم چیخ و پکار کی آواز نے ڈرا ہی دیا میں نے آفتاب کی طرف دیکھا تو وہ بالکل آرام سے لیٹا ہوا تھا جبکہ اسے میری طرح اچھل کر باہر دیکھنا

چاہیے تھا۔

''وسیم تم سو جاؤ...... گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔''

''مگر آفتاب یہ شور کیسا ہے؟''

''میں نے کہا نا کہ کوئی بات نہیں تم سو جاؤ۔ یہ ساتھ والے گھر سے آواز آرہی ہے۔ اُن کی سولہ سالہ بیٹی سیما کو سایہ ہے۔ تو اکثر اسے ایسے دورے پڑتے رہتے ہیں۔''

''سایہ...... یہ سایہ کیا ہوتا ہے۔''

''ارے بھائی اس کو کوئی چڑیل یا جن چمٹا ہوا ہے...... وہ جب مرضی تنگ کرنے لگ جاتا ہے تو یہ اسی طرح شور کرتی ہے۔'' مجھے تو عجیب طرح کا خوف محسوس ہو رہا تھا اور پھر شور کی وجہ سے نیند بھی اڑ گئی تھی۔

پھر آفتاب نے میری طبیعت کا بوجھل پن محسوس کرتے ہوئے مجھے نیچے بیٹھک میں چل کر لیٹنے کا کہا تو ہم لوگ نیچے آ گئے۔

صبح جلدی آنکھ نہ کھل سکی تو جب ہم اٹھے تب ہی آفتاب نے کہا۔

''آؤ باہر کا چکر لگا کر آتے ہیں تب تک امی ناشتہ تیار کرتی ہیں۔''

☆......☆......☆

جب ہم دونوں دوست باہر نکلے تو گاؤں میں خوب چہل پہل تھی۔ بہت خوشگوار ماحول تھا مجھے گاؤں کا صبح کا منظر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ہم لوگ چلتے چلتے کافی دور تک آ گئے۔ گاؤں کے اس طرف اسکول تھا بچے اسکول میں داخل ہو رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے ان میں سے کتنے بچے ہوں گے جو یہاں سے آگے اعلیٰ تعلیم جاری رکھ سکیں گے اور اپنے ملک کا نام روشن کریں گے۔

میں نے دیکھا کہ ایک دس سالہ بچہ تین اپنے سے چھوٹے بچوں کو اسکول چھوڑ کر واپس گھر کی جانب جانے لگا ہے۔



میں نے اسے آواز دی تو وہ نہایت فرمانبرداری سے میرے قریب آ گیا اور بولا۔

''جی انکل......'' تو میں نے کہا۔

''بیٹا آپ کا نام کیا ہے تو اس نے فہد بتایا ......تو میں نے کہا۔

''بیٹا آپ اسکول نہیں پڑھتے ؟'' تو وہ بولا۔

''تایا ابو کہتے ہیں تم اگر اسکول چلے جاؤ گے تو گھر کا کام کون کرے گا اور پھر بچوں کو اسکول چھوڑنے اور لینے بھی تو آنا پڑتا ہے اور تایا ابو تو شہر کام پر جاتے ہیں تو گھر پر تائی اکیلی ہوتی ہیں۔ تو وہ تو ان بچوں کو لینے نہیں آ سکتی نا؟'' اتنی بڑی بڑی باتیں کرکے وہ بچہ گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

میں نے آفتاب پوچھا تو وہ بولا۔

''یہ چھوٹا سا تھا جب اس کے اماں ابا کی حادثے میں موت ہو گئی تھی۔ ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے سے یہ تایا کے زیرِ سایہ آ گیا اور انہوں نے اسے پڑھانا ضروری نہیں سمجھا...... انہیں ایک بلا معاوضہ ملازم مل گیا ہے۔ یہ بچہ سارا دن اور رات گئے تک کام ہی میں لگا رہتا ہے اس کی زندگی اپنے تایا اور تائی کی غلامی میں ہی گزرے گی۔'' میں پھر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کون سا سایہ ہے جو اس بچے کے سر سے اٹھ گیا ہے۔ ایک وہ سایہ تھا کہ وہ لڑکی سیما چیخ و پکار کرتی ہے اور ایک یہ بچہ فہد ہے جس کی روح چیخ و پکار کر رہی ہے کہ 'مجھے جینے دو' مگر یہ بچہ اپنے تایا کی اجازت کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتا۔

☆......☆......☆

ہم لوگ واپس گھر آ گئے۔ آنٹی نے بہت مزے کا ناشتہ تیار کر رکھا تھا۔ ساتھ گاؤں کی تازہ لسی تھی میں نے خوب مزے سے ناشتہ کیا اور واپسی کی اجازت چاہی۔ آفتاب کا ارادہ آج بھی مجھے یہاں رکھنے کا تھا مگر میرا دل نہیں چاہ رہا تھا اس لیے میں نے واپسی کا قصد کیا۔ نکلتے نکلتے دن کے گیارہ بج گئے دھوپ کی شدت میں تیزی ہو رہی تھی۔ میں نکل پڑا آہستہ آہستہ چلتے میں گاؤں سے باہر نکلا تو مین روڈ سے پہلے ایک اور گاؤں آ گیا۔

وہاں پر سڑک کنارے ایک گھری چھاؤں والے درخت کے سایے میں نلکا (ہینڈ پمپ) لگا دیکھ کر پیاس محسوس ہوئی تو میں رک گیا۔ بائیک چھاؤں میں کھڑی کی۔ نلکے سے ہاتھ منہ دھویا ٹھنڈا پانی پیا اور اس درخت کے سایے میں بیٹھ گیا۔

''آہ......سایہ...... کتنا پُرسکون سایہ تھا اس درخت کا......'' میں نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ بادشاہ شیر شاہ سوری اور احمد شاہ ابدالی نے راستوں میں سرائے تعمیر کروائے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے کنویں کھدوائے۔ تاکہ لوگ سفر میں کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں اور انہیں گرمی اور سردی سے بچنے کا سایہ مہیا ہو سکے۔

نہ جانے وہ کیسا سایہ تھا جو سیما کے ساتھ چمٹا ہوا تھا کہ اسے کوئی سکون ہی نہیں لینے دیتا تھا۔ ایک سایہ وہ تھا جو فہد کے سر پر نہ رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی جی سکے۔ اور ایک یہ سایہ جس کے سایے میں مجھے بہت سکون مل رہا تھا کہ میں اتنی شدید گرمی اور تپش میں بھی سکون محسوس کر رہا ہوں۔

یقیناً بڑوں کا سایہ اور والدین کا سر پر سایہ ہونا دنیا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جن بچوں کے سر سے یہ سایہ اٹھ جاتا ہے ان کا چین اور سکون چھن جاتا ہے خدا ہم سب پر یہ سایہ ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔

□□......❁......□□

کراچی سے ارسال کردہ پُراسرار تحریر

وشمہ

زندگی میں کچھ واقعات بہت پُراسراریت رکھتے ہیں
انسانی عقل ان کی نفی کرتی ہے مگران کا ہونا حقیقت ہوتا ہے......

نزہت جبیں ضیاء

واک کرتے کرتے غیر ارادری طور پر میری نظر بار بار اس بینچ کی طرف اٹھ جاتی جہاں پر تین دن سے میں ایک پیاری سی اٹھارہ انیس سالہ لڑکی کو بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ وہ بس خاموش اسی بینچ پر بیٹھی رہتی اپنے موبائل کو دیکھتی رہتی یا پھر کبھی یونہی اِدھر اُدھر نظریں دوڑا لیتی کبھی کبھی مجھ پر نظر پڑتی تو اس کے لبوں پر میٹھی مسکان آجاتی بلاشبہ وہ خوبصورت اور جاذبِ نظر لڑکی تھی تین دن سے وائٹ ٹراؤزر پر مختلف پرنٹ کی کاٹن کی شرٹس بڑا سا دوپٹہ اوڑھے دیکھ رہی تھی۔ ابھی میں اس کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ تیسرا راؤنڈ کر کے واپس پلٹی تو وہ اسی جگہ پر موجود تھی۔ بے ساختہ میرے لبوں پر اسے دیکھ کر مسکراہٹ آ گئی جواباً وہ بھی مسکرادی اور اٹھ کر میری جانب بڑھی اور میں رک گئی۔

"آج دیر ہو گئی تم کو......" میں اس کے سلام کا جواب دے کر سوال کیا۔

"جی دراصل نومی کی کال آ گئی تھی۔" کہتے ہوئے اس کے گالوں کی لالی بتا رہی تھی کہ نومی سے اس کا بڑا گہرا اور دل کا رشتہ ہے۔

"نومی میرا منگیتر ہے امریکہ میں ہوتا۔" اس نے بات کو جاری رکھتے ہوئے شرمگیں لہجے میں کہا۔

"ارے واہ......!" میں نے بے ساختہ کہا۔ مجھے وہ معصوم سی لڑکی بہت اچھی لگی تھی۔

"اوہ......سوری آپ واک کیجیے......میرا کیا ہے میں فالتو ہوں۔" وہ خوش دلی سے بولی۔

"ارے نہیں......اچھا لگ رہا ہے مجھے تم سے بات کر کے سچ پوچھو تو میں بھی تم کو مس کر رہی تھی آج تم کو وہاں بینچ پر نہ پا کر۔" میں نے اعتراف کیا۔

"سچی آپ نے مجھے مس کیا؟" اس نے معصومیت سے اپنی خوب صورت آنکھیں پھیلا کر سوال کیا۔

"مچی......" میں نے شرارت سے اس کے سر پر چپت لگائی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ہماری یہ پہلی ملاقات لگتا تھا کہ برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ وہ بھی میرے ساتھ واک کرنے لگی

اس کے پاس پانی کا تھرموس تھا موبائل اور چھوٹا سا پرس جو اس نے آڑا کر کے کندھے پر ڈالا ہوا تھا۔ مغرب کی اذان ہونے والی تھی اس نے بھی اجازت چاہی اور میں نے بھی، ہم دونوں مخالف سمتوں میں چل پڑے۔

یہ شہر کا پوش ایریا تھا ہماری رہائش گزشتہ دس برس سے یہیں پر تھی۔ میرے شوہر علی غیر ملکی فرم میں اعلیٰ عہدے پر تھے فیملی میں علی، علی کی والدہ اور میرے دو بچے صلہ اور شامی شامل تھے۔ شامی آٹھویں کلاس میں تھا جبکہ صلہ ساتویں میں علی میری طرف سے بڑے فکرمند تھے۔ مجھے وہ اڑتیس سال کی عمر میں بھی اٹھارہ سال کی دوشیزہ کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے تب ہی میرا ذرا سا ویٹ بڑھتے ہی اُن کو ٹینشن ہوگئی۔

''یہ مت کھاؤ یہ مت پیو زیادہ چلا کرو، ایکسر سائز کرو نہیں تو ڈیلی ایک گھنٹہ واک کرو۔'' ان کی بے شمار پابندیوں سے میں گھبرا گئی آخر کار شام کو عصر کی نماز کے بعد قریبی پارک ایک گھنٹہ واک کرنے کا فیصلہ کیا اور گزشتہ پندرہ دن سے برابر آرہی تھی مگر تین دن سے پارک کے عقبی حصے میں ڈم ڈم کی باڑ کے ساتھ سنگی بینچ پر ایک پیاری سی لڑکی کو بیٹھا دیکھ رہی تھی اور آج اس سے بات ہوئی تھی۔ شائستہ انداز میں معصومیت اور حسن کا مرقع وہ لڑکی جس کا نام وشمہ تھا مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ میں نے گھر آ کر علی اور بچوں سے بھی اس کا ذکر کیا۔

''بن گئی سہیلی تمہاری اماں کی......اب ہوگئی



اُن کی واک......'' مما کی اونچی آواز میرے کانوں تک آ پہنچی تھی میں زیرِلب مسکرا دی سچ میں آج پندرہ منٹ ہم نے باتوں میں گزارے تھے۔ میں نے دوسرے دن سے اپنی واک کا ٹائم تھوڑا سا بڑھالیا اب میں عصر کی نماز کے فوراً بعد بنا چائے پیئے گھر سے نکل جاتی۔ کیونکہ واک کے بعد پندرہ بیس منٹ وشمہ سے بات چیت بھی کرنی ہوتی۔ وشمہ سے بات کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔

اس نے باتوں باتوں میں جب یہ بتایا کہ وہ بی ایس سی کر چکی ہے تو میں اچھل پڑی اتنی چھوٹی سی لگتی تھی وہ......

''آپی میری انگیجمنٹ میرے کزن نومی سے دو سال پہلے ہو چکی ہے وہ امریکہ میں ہوتا ہے ہم لوگ ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں۔ ڈیلی ہماری بات ہوتی ہے تین ماہ بعد وہ آنے والا ہے پھر ہماری شادی ہو جائے گی۔''

یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر حیا اور خوشی کا رنگ بکھر گیا تھا۔ اس کی باتوں میں نومی کا ذکر زیادہ ہوتا وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اس کے پاپا کا بزنس تھا اور مما گھر پر ہی ہوتی تھیں بقول اس کے وہ کافی دور سے آتی ہے۔ کبھی اس نے مجھے گھر چلنے کی آفر نہیں کی۔

''آپی آپ میری شادی میں آئیں گی ناں......؟ میں مما کے ساتھ کارڈ دینے آؤں گی۔'' ایک دن اس نے پوچھا۔

''ہاں بالکل......!'' میں خوشدلی سے مسکرائی ایک روز وہ آئی تو بہت خوش تھی خوب صورت سا نگینیوں والا بریسلیٹ اور رسٹ واچ تھی۔

''آپی آپی دیکھیں نومی نے میری برتھ ڈے پر بھیجا تھا۔''

''ارے واہ میں تعریف کیے بنا نہ رہ سکی۔ کبھی وہ پرس لا کر دکھاتی' ایک روز چھوٹا سا البم لے آئی اس میں نومی کے ساتھ ڈھیر ساری پکس تھیں۔ واقعی نومی بھی بہت خوب صورت اور اسمارٹ تھا۔

''ماشاءاللہ بہت پرفیکٹ کپل ہے یار تمہارا اللہ پاک سلامت رکھے۔'' میں نے بے ساختہ دعا دے ڈالی اس کے چہرے کا رنگ ایکدم پھیکا پڑ گیا۔

''کیا ہوا وشمہ؟'' میں نے اسے بہ غور دیکھا۔ میں نے اسے بہ غور دیکھا۔

''کچھ نہیں آپی......'' اس کی آنکھوں کے گوشے نم تھے۔

''ہونہہ......! یاد آ گئی ناں سجن کی۔'' میں نے شرارت سے اس کا سر پکڑ کر ہلایا تو وہ پھیکی ہنسی ہنس دی۔

''اچھا چلتی ہوں مما ویٹ کر رہی ہوں گی۔'' وہ اٹھ گئی۔

''او کے ٹیک کیئر۔'' میں نے مسکرا کر اسے الوداع کہا۔

دو دن بعد آئی تو بہت زیادہ خوش تھی اس کے چہرے سے خوشی چھلک رہی تھی۔

''آپی آپی میری شادی کا کارڈ......'' اس نے آتے ہی ایک خوب صورت کور والا سرخ مخملی کارڈ میری جانب بڑھایا۔

''آپ نے ضرور آنا ہے......سوری آپی گھر نہیں آ سکی مما کو بالکل فرصت نہیں اور کام بہت زیادہ ہیں' اچانک ہی ڈیٹ فکس ہو گئی۔ تین دن بعد نومی آ رہا ہے۔'' وہ خوشی سے بے قابو ہو رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں ڈیئر......ضرور آؤں گی بس اللہ پاک تمہیں خوش رکھے۔'' مجھے وشمہ سے حقیقت میں محبت ہو گئی تھی بالکل چھوٹی بہن جیسی لگنے لگی تھی ہر بات مجھ سے شیئر کرتی ہر بات ہر چیز لا لا کر مجھے

دکھاتی بچوں کی طرح معصوم لگتی۔
''اچھا شاید اب میں نہ آسکوں مگر...... آپ نے ضرور آنا ہے۔ ایڈریس کارڈ پر لکھ دیا ہے میں نے گھر کا۔'' جاتے جاتے وہ میرے گلے لگ گئی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں مجھے بھی رونا آ گیا۔ وہ پچھلے ایک ماہ سے مسلسل میرے ساتھ تھی خاصی انسیت اور لگاؤ ہو چکا تھا اس سے...... وہ چلی گئی میرا دل بھی تھوڑا سا اُداس ہوگیا بس اللہ پاک اسے آباد رکھے۔ دل ہی دل میں دعا کی۔
''ارے بھئی کون ہے پتہ نہیں اور تم نے شادی پر جانے کی رٹ لگادی۔'' حسب معمول ساسو ماں کو میری بات سے اختلاف تھا۔
''مما سلینہ چھوٹی بچی تو نہیں ہے کہ گم جائے گی۔ ظاہر ہے کارڈ ہے تو شادی بھی ہوگی۔'' علی کی مثبت بات سے میری جان میں جان آئی۔
''علی میں چاہتی ہوں کہ میں اسے گھر پر جا کر گفٹ دے دوں اگر آپ اجازت دیں تو آج شام کو چلی جاؤں اس کے گھر ڈرائیور کے ساتھ۔'' میں نے دوسرے دن صبح ناشتے پر علی سے اجازت چاہی۔
''اوکے چلی جانا۔'' علی کی یہ بات مجھے اچھی لگتی تھی کہ عام مردوں کی طرح پابندیاں نہیں لگاتے نہ ہی پنچائیت کرتے تھے۔
''اوکے تھینکس......'' میں خوش ہوگئی۔ آج ظہر کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہوکر مما سے بازار جانے کا کہہ کر ڈرائیور کے ساتھ مارکیٹ آگئی بہت سوچ بچار کے بعد میں نے وشمہ کے لیے 'تاج محل' خرید لیا نازک سا کرسٹل کا حسین تاج محل جو 'محبت' کا سمبل تھا اس کے لیے بہترین تحفہ تھا گو کہ قیمتی تھا مگر مجھے بہت اچھا لگا۔ بنا پیک کیے میں ایسے ہی لیے دکان سے باہر آ گئی اور ایڈریس ڈرائیور بابا کو سمجھا کر گاڑی میں آ بیٹھی۔ ہمارے گھر سے کچھ

غزل

دل کے نگارخانہ سے باہر رکھا ہوا
اچھا نہیں ہے سانس کا بستر رکھا ہوا

بے آس ہو کے گر پڑا فوراً چراغِ حُسن
میں نے تھا عشق ہاتھ کے اوپر رکھا ہوا

مجھ کو جگا کے نیند سے بولا کہ جلدی چل
ہے خواب ایک حبس کے اندر رکھا ہوا

خطرہ ہے، جم نہ جائے کہیں ضبط کا غبار
ہے دل کو ہم نے اس لیے اندر رکھا ہوا

کب ہوگئے فِگار میرے ہاتھ، کیا خبر؟
پہلو میں اُس نے ہے کہیں خنجر رکھا ہوا

اِس احتیاط سے تمھیں چاہا کہ اے فلک
اب تک زباں پہ چپ کا ہے پتھر رکھا ہو

افتخار ملک کاظمی

فاصلے پر دوسرے بلاک میں وشمہ کا بنگلہ تھا۔ میں نے بیل بجائی پہلے چوکیدار اور پھر نوکرانی کی معیت میں اندر داخل ہوئی میں اچانک سے جا کر اس کو سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ مجھے یقین تھا وہ یوں مجھے اپنے گھر میں دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو جائے گی پتہ نہیں کتنا اچھل کود کرے گی۔ مجھ سے گلے مل کر ویسے بھی بے ساختہ ہنسے گی۔

میں لمبی چوڑی راہداری عبور کر کے اندر کی طرف آئی۔

"یہ وشمہ کا گھر ہی ہے ناں؟" پلٹ کر ملازمہ سے پوچھا۔

"بی بی یہ...... وشمہ بی بی کی والدہ ہیں۔" ایک بڑے سے کمرے کے سامنے ملازمہ نے رُکتے ہوئے سامنے کی جانب اشارہ کیا لاؤنج کے دوسری جانب ایک ادھیڑ عمر خاتون وہیل چیئر پر بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم آنٹی!" میں نے ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......" انہوں نے شائستگی سے جواب دیا۔

"وشمہ کہاں ہے...... مجھے اس سے ملنا ہے...... میں اس کی سلینہ آپی ہوں یقیناً اس نے آپ سے میرا ذکر کیا ہوا ہے۔" میں نے خوشگوار لہجے میں خاتون کو مخاطب کیا۔

"وشمہ...... وشمہ......" اُن کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔

"وشمہ...... وشمہ...... میری بیٹی...... تھی اس کے انتقال کو چار برس ہو گئے ہیں...... وہ......"

"ارے...... کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ وشمہ ابھی دو تین دن پہلے تک تو مجھ سے ملی باتیں کیں ایک ماہ سے زیادہ ہم لوگ روزانہ ملتے رہے ہیں۔ اس نے مجھے شادی پر بھی بلوایا تھا اس کی شادی ہونے والی ہے اور اس کا کارڈ بھی میرے پاس ہے...... آپ ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں۔" میں بدحواس ہو کر تیز لہجے میں بولی۔

مجھے لگا جیسے میرے سر پر بم آ گرا ہو۔

"میری بچی وشمہ...... میری اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ ہماری آنکھوں کا تارا...... وہ اور میرا بھتیجا نومی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے ان دونوں کی شادی بھی طے ہو چکی تھی مگر...... نومی جس دن امریکہ سے واپس آیا...... اسی روز واپسی پر کار ایکسیڈنٹ میں نومی اور وشمہ ختم ہو گئے تین دن بعد ان کی شادی ہونے والی تھی۔ اور میں بدنصیب...... اپاہج ہو کر اس حادثے میں اپنے غموں کو سمیٹے زندہ رہ گئی۔ فروری میں ہی اس کی شادی طے ہوئی تھی۔ لیکن اللہ پاک کو کچھ اور ہی منظور تھا۔" خاتون نے بات ختم کی تو میرے ہاتھوں سے تاج محل چھوٹ کر زمین پر گر کر بے شمار ننھے ٹکڑوں میں ماربل کے چکنے فرش پر پھیل گیا میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گھومتا سر تھام لیا۔ یہ کیسا انکشاف تھا یہ کیسی ناقابل یقین بات تھی۔ میرے پیروں تلے زمین نکل رہی تھی۔ میرا سارا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔

میں دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بے تحاشہ روتی ہوئی پلٹی۔ اور کرسٹل کے ٹکڑوں پر پیر رکھتے ہوئے تقریباً بھاگتی ہوئی باہر کی جانب نکلتی چلی گئی اور گھر پہنچتے پہنچتے مصمم ارادہ کر لیا کہ کل سے واک کرنے نہیں جاؤں گی۔ جاتے جاتے وشمہ کی والدہ کا جملہ میری سماعتوں میں جو گونج رہا تھا......

"پارک کے بینچ پر اکثر وشمہ اور نومی بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ مجھ میں دوبارہ اس بینچ کو دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ میری آنکھوں میں وشمہ کے ادھورے خوابوں کی کرچیوں کی چبھن اتر آئی تھی۔

☐☐......❀......☐☐

ایک جن زادے کی آپ بیتی

رباظ

(قسط نمبر 9)

وہ انسانوں کی دنیا میں چلا آیا تھا پھر اس کے ساتھ کیا ہوا......

لمحہ لمحہ پُراسراریت بڑھاتی تحریر

کاوش صدیقی

''ارے......!! یہ کیا......؟'' ثروت کے منہ سے نکلا۔

وہ پلنگ پر چاروں خانے چت پڑی ہوئی تھی...... ثروت اس کی طرف لپکی، اسے آوازیں لیکن بے سود...... پھر پانی کے چھینٹے ہی کارگر ثابت ہوئے تھے...... ایمان نے آنکھیں کھولیں اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا ایمان......؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے......؟''

''وہ......وہ......!'' ایمان ہکلا کر رہ گئی...... پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا ہوا......؟ تم بے ہوش تھیں......!''

''اچھا......!'' ایمان روارَوی سے بولی۔ ''ہاں...... طبیعت ٹھیک نہیں تھی...... بس چکر سا آیا اور پھر مجھے ہوش نہ رہا......!''

میں دل ہی دل میں اس کی دوررس سمجھ داری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا...... اگر اس وقت خود ثروت اس کی جگہ ہوتی تو یقیناً اس واقعے کا تذکرہ ضرور کرتی...... لیکن یہ میرا انتخاب تھا...... اس میں واقعی کچھ انوکھا تھا...... نرالا تھا...... اوروں سے ذرا ہٹ کر تھا...... ثروت نے پھر پوچھا۔

''اب کیسا محسوس کر رہی ہو......؟''

''ہاں...... ٹھیک ہوں......!''

''اپنا خیال رکھو بھئی...... اور تم نے دروازہ بھی کھلا چھوڑا ہوا تھا، کوئی بھی دھڑلے سے گھس آئے، وہ تو شکر کرو کہ میں اس وقت آ گئی...... انکل سو رہے ہیں اور تمہاری بے ہوشی بھی پھر نہ جانے کتنی طویل ہوئی......!''

''دروازہ کھلا ہوا تھا......!'' ایمان نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں......!''

''حیرت ہے......!'' وہ بڑبڑائی۔



''کیوں......؟''

''کچھ نہیں......!'' ایمان نے طویل سانس لی۔ ''اچھا یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی، کیا پیو گی......؟''

''صرف چائے......وہ بھی اگر تم آسانی سے بنا سکو......میں تو یونہی چلی آئی تھی......گھر میں آج بوریت سی ہو رہی تھی......تم بتاؤ...... جاب کیسی چل رہی ہے......؟''

''کل تک تو بہت اچھی چل رہی تھی......'' وہ غم زدہ سے انداز میں بولی۔ ''لیکن آج جو کچھ ہوا، اس کے بعد شاید میں اب جا نہ سکوں......!''

''ارے......ایسا کیا ہوا......؟ کیا کسی سے جھگڑا ہو گیا......؟''

''نہیں......!'' یہ کہہ کر ایمان نے اسے رضوان کی حرکت سے آگاہ کیا اور آخر میں بولی۔ ''اگر اس وقت غیبی طور پر میری مدد نہ ہوتی تو شاید......'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

''واقعی یہ بہت برا ہوا......!'' ثروت کے لہجے میں ہمدردی تھی۔ ''سچ ہے...... یہ دنیا بڑی خراب جگہ ہے......اس میں اگر کوئی پریشان حال انسان عزت سے اپنی روزی روٹی کمانا چاہے تو کتنی دشواری ہوتی ہے......اور پھر تم تو ایک لڑکی ہو...... اور اگر دل کی بات کہوں تو تم کافی خوب صورت بھی ہو......بہرحال...... جب رضوان نامی اس بدبخت کا راز کھل گیا تھا تو ان لوگوں نے اس کی ٹھکائی نہیں کی......؟''

''وہ تو اسے پولیس کے حوالے کر رہے تھے، لیکن میں نے ہی منع کر دیا......!''

''کیوں......منع کیوں کیا......؟''

''اور کیا کرتی......'' ایمان کے لہجے میں بے بسی تھی۔ ''چار دن بعد وہ جب ضمانت پر باہر آتا تو مجھ سے باقاعدہ انتقام لینے پر آمادہ ہوتا......! اس وقت میں کیا کرتی......؟ میرا تو صرف بیمار باپ ہے، جو بے چارہ گھر میں پڑا ہے......''

''ہاں ایمان......!'' ثروت نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''تم واقعی ٹھیک کہہ رہی ہو......تم نے دور اندیشی سے کام لیا ہے......تمہارے معاف کر دینے پر شاید وہ اب تم سے نظریں بھی نہ ملا سکے......!!''

''یوں بھی اب میں وہاں نہیں جاؤں گی......!'' ایمان نے کہا۔ ''میں اب جاب نہیں کروں گی......اگر گئی بھی تو صرف سیلری لینے جاؤں گی......!!''

''تو پھر کیا کرو گی ایمان......؟''

''مجھے سلائی کا کام آتا ہے......گھر میں بیٹھ کر کپڑے سی لوں گی، لیکن اب نوکری مجھ سے نہ ہو گی......تم یقین کرو کہ آج میں بہت دلبرداشتہ ہو چکی ہوں......!!''

''ٹھیک کہہ رہی ہو......واقعی بہت برا ہوا...... خیر......یہ آئیڈیا بھی اچھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہارے پاس کام کا اتنا ڈھیر ہو جائے گا کہ تمہیں سر کھجانے کی بھی فرصت نہ ہو گی...... ویسے تمہیں ایک مشورہ دوں......؟''

''کیا......بولو......؟''

''میری امی ہر جمعرات کو تین ہٹی والے بابا کے مزار پر جاتی ہیں......!'' اس نے بتایا۔ ''تم بھی ساتھ چلی جایا کرو......!''

''تین ہٹی والے بابا کے مزار پر......؟''

''ہاں ایمان......!'' اس نے سر ہلایا۔ ''تم وہاں ضرور جایا کرو...... وہ نوری شاہ بابا کا مزار ہے...... وہاں جو بھی جاتا ہے......کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا......''

''لیکن...... میں وہاں جا کر...... کیا کروں

گی......؟''

''جو سب کرتے ہیں......!''

''اور سب کیا کرتے ہیں......؟'' ایمان نے سادگی سے پوچھا۔

یہ سن کر ثروت مسکرائی اور بولی۔

''جب تم وہاں جاؤ گی، تو خود بہ خود ہی تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے......دراصل تم اس وقت پریشانیوں میں گھری ہوئی ہو......اور ایسے وقت میں اللہ سے مدد مانگنے کے ساتھ اس کے نیک بندوں اور ولیوں کی صحبت بہت ضروری ہوتی ہے......کسی وقت میں ہمارے گھر کے حالات بھی کافی مخدوش تھے......لیکن پھر امی نے وہاں جانا شروع کیا اور آہستہ آہستہ راہیں کھلتی چلی گئیں......تم بھی وہاں جا کر دیکھو......مجھے یقین ہے کہ تمہاری مشکلیں آسان ہو جائیں گی......

''اچھا......ٹھیک ہے......!'' ایمان بولی۔

''کیا آنٹی اس جمعرات کو جائیں گی......؟''

''ہاں......وہ اکثر جاتی ہیں......اور میں کنفرم کر کے تمہیں بتادوں گی......!!''

''میں ضرور جاؤں گی......! ذرا تمہاری بات بھی آزما کر دیکھوں......!''

''مجھے دعائیں ہی دو گی......!!''

''اوہ......!'' اچانک ایمان چونکی۔ ''میں چائے تو بھول ہی گئی......!!!''

☆......☆......☆

رات اپنے انتہائی وقت میں داخل ہو چکی تھی......چاند کی خواب انگیز روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی......ٹھنڈی سی ہوا جسم سے ٹکرا کر ایک عجیب سا احساس پیدا کر رہی تھی......ایک دم سے ہی کوئی شریر ہوا کا جھونکا درختوں کے درمیان سے سائیں کرتا ہوا گزر جاتا اور درختوں کی شاخیں گویا ہڑبڑا کر جاگ اٹھتیں......

میں اپنی مکین گاہ سے نکل آیا......ہاں......یہ نیم کا درخت ہی میرا بسیرا تھا......میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایمان کے کمرے کے سامنے آ کر رک گیا......کیا کروں......؟ اندر جاؤں کہ پھر واپس درخت پر چلا جاؤں......!

آخر کار دل نہ مانا اور میں پہلی بار اس کے کمرے میں داخل ہو گیا......اف خدا......!! یوں تو وہ پہلے ہی کم حسین نہیں تھی......لیکن اس وقت تو وہ اور بھی قاتل ادا دکھائی دے رہی تھی......

وہ ایک کروٹ سے سو رہی تھی......اس کا ایک ہاتھ سر کے نیچے تھا اور دوسرا جسم کے گرد لپٹی ہوئی چادر کے اوپر سے ہوتا ہوا زیریں حصے پر ٹکا ہوا تھا......چھت پر لگے ہوئے پنکھے کی ہوا سے اس کے بالوں کی ایک لٹ مسلسل حرکت میں تھی......کبھی کبھی وہ زیادہ ہی شریر ہو کر اس کے گال کو بوسہ دینے لگتی......

میں اس کے سحر میں کھو گیا......کوئی اور احساس ہی نہ رہ گیا تھا......بس یوں لگ رہا تھا جیسے میری زندگی میں اس لڑکی کے سوا اور کچھ نہیں رہا......یہی میری منزل ہے......!! اور یہی میرا مقصد ہے......!! میں کون تھا......؟ کہاں سے آیا تھا......؟ اور مجھے کہاں جانا تھا......؟ اس وقت میں سب کچھ بھول چکا تھا......!

میرا محبوب......مجھ سے بے خبر تھا......! میرا یہ ٹوٹ کر چاہے جانا، اس کے علم تو کیا، وہم و گمان میں بھی نہ تھا......میں......میں اس کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا......لیکن وہ میری محبت کو محسوس تو کرے......مجھے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرے......لیکن کم از کم میری مشکل تو آسان کر دے......!!

پھر بھی ثروت کی کہی ہوئی بات یاد آئی...... یہ تین ہٹی والے بابا کون ہیں......؟ کیا مجھے بھی...... ان کے پاس جانا چاہئے......؟

''ایمان......!!'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''اٹھو ایمان......! سنو...... میری بات سنو......! میرے دل کا حال جان لو...... خدا کے واسطے مجھ سے محروم نہ رہو......! مجھ سے بے خبر نہ رہو......! تم میرے وجود کو محسوس کرو...... میں...... میں تمہاری محبت میں فنا ہو جانا چاہتا ہوں...... میں تمہاری سانسوں میں پناہ لینا چاہتا ہوں...... مجھے تم اپنی زلفوں کے حصار میں باندھ لو......!! تم...... تم میری ہو جاؤ......!!!''

میں کہہ رہا تھا اور وہ...... سو رہی تھی...... قطعی لاپرواہ اور بے خبر......!!

☆......☆......☆

رات کو اسے جگانا مناسب نہیں تھا...... ایک تو اس کی نیند خراب ہوتی اور دوسری بات یہ تھی کہ رات کے سناٹے اور پرہیبت ماحول میں اگر میں اسے نیند کی آغوش سے نکال کر اپنی محبت بیان کرنے کی کوشش کرتا تو پھر نہ جانے کیا ہوتا......؟ کیونکہ میں دن کے وقت ہی اس کی بے ہوشی کا منظر دیکھ چکا تھا...... چنانچہ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں آہستہ آہستہ اس کے ذہن میں، اس کے دل میں اپنی محبت کا جادو جگاؤں گا......!!

چنانچہ میں پھر سے اپنی جگہ پر واپس آ گیا...... فی الحال یہی بہت تھا کہ میں نے اس کی خوب صورتی کو ایک اور زاویے سے اپنی آنکھوں میں اتار لیا تھا......!!

ابھی یہاں بیٹھے ہوئے مجھے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ مجھے کسی قسم کی بو کا احساس ہوا...... میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا...... سرسراہٹ سی ہوئی اور پھر وہ سامنے آ گیا...... میں اس سے واقف نہیں تھا...... لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک دوستانہ مسکراہٹ دیکھ کر میرے عضلات ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ میری ہی طرح ایک جن تھا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں......؟'' اس نے پوچھا۔

''میں منع نہیں کروں گا...... لیکن وجہ ضرور پوچھوں گا......!'' میں نے کہا۔

وہ دھیرے سے ہنسا اور بیٹھنے کے بعد بولا۔

''میں تو یہاں سے گزر رہا تھا، تمہاری موجودگی کا احساس ہوا، تو اس طرف چلا آیا...... کیا تم یہاں بیٹھ کر کسی کا انتظار کر رہے ہو......؟''

''نہیں......!''

''ہوں...... تو پھر کیا یہ تمہارا مستقل بسیرا ہے......؟''

''نہیں......!''

''اچھا...... اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی آج ہی یہاں آئے ہو......؟''

''تمہارا قیاس بھی غلط ہے......!!''

''کیا مطلب۔؟''

''محبت......!'' میں مسکرایا۔ ''اس گھر کے ایک مکین سے مجھے محبت ہو گئی ہے......!''

''جن زادی ہے......؟''

''نہیں...... آدم زادی'!''

''اوہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟''

''کیوں...... کیا ہوا......؟''

''بس...... تم نے میرے پرانے زخموں کو تازہ کر دیا ہے...... میں نے بھی کبھی ایک آدم زادی کو چاہا تھا...... لیکن......'' وہ بولتے بولتے رک گیا......

''لیکن کیا......؟''

''میں نے اسے ہر قسم کی آسائش دی...... اس پر

انعامات کی برسات کر دی......لیکن......وہ میری نہ ہو سکی اور مجھ سے بے وفائی کر کے ایک آدم زاد کی ہو رہی......!!

''اوہ...... یہ تو واقعی بہت برا ہوا......!''

''ہاں...... لیکن انجام یہی تو ہے......!'' اس نے طویل سانس لی۔ ''اس کے علاوہ کچھ اور تو ہو نہیں سکتا تھا......''

''وجہ...... اس کی کیا وجہ ہے......!'' میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''کیا تمہاری محبت سچی ہے......؟''

''ہاں...... بالکل......سو فیصد......!!'' میں نے جواب دیا۔

''میں تو پھر تمہیں خود ہی سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا......تھوڑا انتظار کرو...... سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا......!''

یہ کہہ کر وہ ہنسا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب میں جا رہا ہوں...... میں تمہارے اور تمہاری محبت کے درمیان میں دیوار نہیں بنوں گا...... کرو......تم محبت کرو......لیکن شرط صرف یہ ہے کہ انجام کی پرواہ مت کرنا...... کیونکہ اگر تم نے انجام کے بارے میں سوچا تو پھر محبت نہیں کر سکو گے......!!''

یہ کہہ کر وہ اٹھا......اور آگے بڑھتا چلا گیا...... جلد ہی وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا......

دوسرے دن میں نے فیصلہ کر لیا کہ آج میں ایمان کو اپنے متعلق بتا کر ہی رہوں گا......پھر میں بھی وہاں جاؤں گا، جہاں ثروت نے ایمان کو جانے کا مشورہ دیا تھا......!

وہ اس وقت ناشتہ وغیرہ کر کے اور اپنے باپ کی تیمارداری سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی...... جب میں نے اسے مخاطب کیا۔

''ایمان......دیکھو ڈرنا نہیں......میں تمہیں نہ تو کوئی ضرر پہنچاؤں گا، اور نہ ہی میں کوئی بدنیت ہوں......''

اس نے پھر چاروں طرف دیکھا، لیکن یہ محسوس کر کے مجھے خوشی سی ہوئی کہ وہ گزشتہ روز کی طرح آج خوفزدہ نہیں دکھائی دے رہی تھی......وہ ہراساں ضرور تھی......ایک عجیب سی خوف تجسس اور الجھن کی آمیزش بھی اس کی آنکھوں میں نظر آ رہی تھی......

''تم آخر کون ہو......؟'' اس کا لہجہ سرسرایا ہوا تھا......

''میں ایک جن ہوں......میرا نام رباظ ہے......''

''جن......؟؟'' وہ پھر خوف زدہ دکھائی دینے لگی......

''ہاں...... لیکن ڈرو نہیں...... میں...... میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں......تمہاری مدد کا خواہاں ہوں......اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم رضوان جیسے آدم زادوں سے دور رہو......!!''

''لیکن...... لیکن...... جن تو بہت خوفناک ہوتے ہیں......!!'' وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

وہ بار بار پہلو بدل رہی تھی...... یوں لگ رہا تھا جیسے کمرے سے بھاگ جانا چاہتی ہو...... بس میرے پاس یہی وہ لمحات تھے کہ جن میں اسے اپنا بنایا جا سکتا تھا...... اگر اس وقت میں نے اسے بھاگنے سے روک لیا اور اس کے دل سے خوف نکال دیا تو میری جیت تھی......ورنہ پھر اس کے اٹھ کر چلے جانے کی صورت میں مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا...... پھر یہ بات یقینی تھی کہ میں جب بھی اسے آواز دیتا...... وہ خوف زدہ ہی ہوتی......!! اور میں کبھی بھی اس کے دل میں اپنے لیے جگہ نہ بنا پاتا...... چنانچہ میں جلدی سے بولا۔

"ہاں...... میں تمہاری اس بات کو مانتا ہوں...... لیکن ہم دل کے بہت اچھے ہوتے ہیں...... تم نے رضوان کو دیکھا تھا...... وہ کتنا خوب صورت لگ رہا تھا...... لیکن اس کا ارادہ کتنا مکروہ تھا...... پر ہیبت تھا......!! کیا تم سوچ بھی سکتی تھیں کہ اس کا ارادہ اتنا گندہ ہوگا......؟"

ایمان خاموش تھی...... اس کے تنے ہوئے دلکش ابرو قدرے نرم پڑ چکے تھے...... اور حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھیں بھی اب اپنی جگہ پر واپس لوٹ چکی تھیں...... میں نے پھر کہا۔

"حالانکہ میں تمہیں دکھائی نہیں دے رہا...... اب تم خود سوچ لو کہ میں کیا نہیں کر سکتا......! اور ویسے بھی ہم لوگ حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں...... تم اندازہ نہیں کر سکتیں...... لیکن اس کے باوجود اگر تم مجھے دیکھ سکتیں تو ضرور تمہیں یہ نظر آتا کہ میں اس وقت بھی دست بستہ تمہارے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوں...... غلاموں کی طرح...... اور غلام بھی ایسے، جو جدی پشتی غلام ہوں...... میں تمہارے سامنے کسی حقیر سے کیڑے کی مانند ہوں...... تم...... تم لازوال خوبیوں کی مالک ہو...... اگر تم میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا...... دنیا کی ہر نعمت ہر قسم کی دولت تمہارے آگے ڈھیر کر دوں گا...... بولو...... کیا تم میری محبت کو اپنے قدموں میں جگہ دو گی......؟"

میں جذباتی انداز میں بولتا چلا گیا...... وہ گویا سکتے کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھی...... کسی بت کی طرح...... ساکت و جامد...... مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھیں بھی پتھرا گئی ہوں...... میں نے گھبرا کر اسے آواز دی۔

"ایمان...... ایمان...... بولو......!!"

لیکن وہ کیا بولتی......! اس پر ایک بار پھر بے ہوشی طاری ہو چکی تھی...... میں سناٹے میں آ گیا۔

☆......☆......☆

مجھے ثروت کی ترکیب یاد تھی، چنانچہ میں نے اسی پر عمل کیا...... وہ خوف زدہ سے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی...... میں خاموش ہی رہا...... وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی......

ایک بار پھر وہ متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی...... اب میں اس سے فیصلہ کن انداز میں بات کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"ایمان......! تمہارے دل میں اب تک خوف ہے، ڈر ہے...... اس لیے میں جا رہا ہوں...... میں نیم کے درخت پر موجود رہوں گا...... کیونکہ تمہاری حفاظت اب میرا فرض ہے...... اگر میں موجود نہ ہوتا، تو شاید رضوان اپنا کام کر جاتا...... لیکن میں تمہیں اپنا وہ احسان یاد دلا کر تمہیں اپنی طرف مائل نہیں کرنا چاہتا...... بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو...... اور تمہیں کوئی پریشانی نہ رہے...... اب اگر تم یہ سب کچھ چاہتی ہو، تو نیم کے درخت کے پاس آ کر صرف میرا نام لینا...... میں حاضر ہو جاؤں گا...... میں تمہارے لیے دنیا کے خزانے لا کر تمہارے قدموں میں ڈھیر کر سکتا ہوں...... میں تمہارا انتظار کروں گا......!!"

یہ کہہ کر میں اس کے کمرے سے نکل آیا...... اور پھر واقعی میں نے اپنے آشیانے کا رخ کیا...... ہاں...... یہ آشیانہ ہی تو تھا...... جیسے پرندے بسیرا کرتے ہیں...... میں بھی ان ہی کی مانند تھا...... اب یہ اور بات ہے کہ میں نہ جانے خود کو کیوں مایوس اور ناکام محسوس کر رہا تھا......!!

اداس سی طبیعت ہو رہی تھی...... اور پھر ذہن میں خود بخود خود یادوں کے دریچے کھلتے چلے

گئے...... میرا یہ سفر زہرہ کی بدولت شروع ہوا تھا...... نہ میں اسے مصیبت میں پھنسا ہوا دیکھتا اور نہ ہی میرے دل میں اس کے لیے درد اٹھتا...... اس کی پریشانیوں کا خاتمہ ہوا تو پھر میں نے شازیہ کی مدد کرنے کی کوشش کی...... اس کے بعد بھی میرا یہ سفر رکا نہیں تھا...... اور میں نے اب تک جتنی آدم زادیوں کی بھی مدد کی تھی، ان سے کوئی صلہ نہیں چاہا تھا۔

لیکن ان میں ایمان سب سے الگ تھلگ تھی...... بس اسی کے لیے میرے دل میں تڑپ تھی، لگن تھی...... ورنہ اب تک کسی کے لیے بھی یہ جذبہ میرے دل میں نہیں ابھرا تھا...... اور پھر اس میں برائی بھی کیا تھی......؟ میں نے اب تک اس کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی تھی...... حالانکہ میں سب ہی کچھ کر سکتا تھا...... لیکن میں ایمان کی رضامندی چاہتا تھا...... اس کے بغیر کوئی قدم اٹھانا مجھے گوارا نہیں تھا......!!

اب مجھے صرف انتظار کرنا تھا...... مجھے امید تھی کہ ایمان میری طرف ضرور متوجہ ہوگی...... وہ ایک دن یہاں آئے گی اور مجھ کو پکارے گی......!!

لیکن شاید یہ میری غلط فہمی تھی......!! پہلے تو وہ پھر بھی اس طرف آجایا کرتی تھی...... لیکن اب تو اس کا باغیچہ بھی ویران ہو رہا تھا...... اجڑ رہا تھا......!! اس نے اس طرف آنا ہی چھوڑ دیا تھا......!!

وہ اب دن بھر گھر میں ہی رہتی تھی...... اور دن کا بیشتر حصہ کپڑوں کو سیتے ہوئے گزار دیتی...... اس کی سہیلی ثروت اکثر آجایا کرتی تھی...... کبھی اسے مفید مشورے دیتی اور کبھی اس کے کام میں ہاتھ بٹا دیتی......!! میں محسوس کر رہا تھا کہ جب سے میں نے اس سے غائبانہ ملاقات کی تھی، وہ کچھ خاموش خاموش سی رہنے لگی تھی......

اس نے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا...... یہ بات میرے لیے دکھ کا باعث بھی تھی اور مسرت کا باعث بھی...... دکھ اس بات کا تھا کہ اس پیشکش کا تعلق میری ذات سے تھا...... اور مسرت مجھے ایمان کے کردار سے ہو رہی تھی...... جس میں نہ لالچ تھا اور نہ حرص...... اسے محنت مزدوری کرنا منظور تھا، لیکن یہ بات گوارا نہ تھی کہ وہ کسی کا احسان لے کر اس کے رحم و کرم پر آجائے......!!

ایک دن رات میں وہی آوارہ شب مجھ سے آ ٹکرایا...... آج بھی وہ اپنی موج مستی میں تھا...... اس نے میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور بولا۔

''کب تک انتظار میں بیٹھے رہو گے......؟''

میں نے اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھا اور طویل سانس لے کر بولا۔

''جب تک مجھ میں جان باقی ہے......!''

''کسی کا مقولہ ہے کہ عشق ہوتا ہے، تو عقل جاتی ہے...... کبھی میرا بھی یہی حال تھا...... لیکن پھر کیا ہوا......؟ اس راہ جنوں میں نہ تو کچھ حاصل ہے اور نہ وصول...... تو اس آدم زادی کا خیال یا تو اپنے دل سے نکال دے یا پھر اس پر زبردستی اپنا حق جما لے...... اس کے جسم پر قبضہ کر لے...... ورنہ تو کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ وہ میری محبت کا جواب محبت سے دے...... ارے نادان......! وہ آدم زادی ہے، صنف نازک ہے...... کیا تم نے وہ ڈالی دیکھی ہے...... جس پر گلاب کا پھول کھلتا ہے......؟''

''ہاں...... دیکھی ہے......!'' میرے منہ سے نکلا۔

''یہ ذات اس سے بھی زیادہ کمزور ہوتی

ہے...... پھر تم خود ہی سوچو کہ وہ ایک ایسی مخلوق سے کیسے محبت کرے گی کہ جس کی کہانیاں اس نے اپنے بچپن میں سنی ہوں گی اور انہیں سن کر وہ خوف کے مارے دبک کر سوئی ہو گی...... ارے نادان......! تیرا اور اس کا کیا ملاپ......؟ تو آگ میں ڈھلا ہوا...... وہ مٹی کی صورت...... تو خود سوچ کہ یہ کیسے ممکن ہو گا...... ہاں...... البتہ ایک صورت موجود ہے......!''

اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور جلدی سے بولا۔

''کیا...... کیا صورت ہے...... بتاؤ مجھے......!!''

''تم کسی آدم زاد کا روپ اختیار کرلو......اور پھر اس لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کرو...... یہ تو ممکن ہے...... اور اس میں امید بھی ہے کہ وہ شاید تمہاری طرف مائل بھی ہو جائے......لیکن جو کچھ تم چاہتے ہو، اس میں سوائے انتظار کے اور کچھ نہیں ہے......اب......اب میں جارہا ہوں......!! اگر تم چاہو تو میری باتوں پر غور کر سکتے ہو...... میں جا رہا ہوں......!!''

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور الوداعی انداز میں ہاتھ ہلا کر وہاں سے رخصت ہو گیا...... میں ایک بار پھر سوچ کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا......

☆......☆......☆

گھر میں ناصر اور سعدیہ موجود تھے......لیکن پھر بعد میں ان کے والدین کی شادی سے واپسی ہو گئی تھی......سعدیہ اب بھی بے خبر سو رہی تھی...... دونوں اپنے کمرے میں چلے آئے...... پھر نرگس بیگم نے کہا تھا۔

''دل تو چاہ رہا تھا کہ دردانہ کی چٹیا پکڑ کر کھینچ لوں...... کم بخت کسی بات کا جواب ہی نہیں دے رہی تھی......!!''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے خیال میں اس کی چٹیا باندھی ہی نہیں تھی۔ شکیل صاحب بولے۔ ''اور دوسری بات یہ ہے کہ تم نے موقع دیکھ کر بات نہیں کی......ظاہر ہے ایسا تو ہونا ہی تھا......!''

''کیا مطلب ہے آپ کا......؟''

''بھئی سامنے کی بات ہے...... اس کے بھائی کی شادی تھی...... وہ اسی میں مصروف تھی...... اب تمہارے لیے کہاں سے ٹائم نکالتی......''

''کیا آپ طنز کر رہے ہیں......؟''

''نہیں......ٹھیک کہہ رہا ہوں میں......اسے ولیمے سے فارغ ہو جانے دو، پھر بات کریں گے......!''

''بھاڑ میں گئی وہ اور ولیمہ......!'' وہ غصے سے بولیں۔ ''میں تو اب سعدیہ کو اس کے بھوت بنگلے میں قدم بھی نہ رکھنے دوں گی......''

''ہاں یہ الگ بات ہے......! خیر......ہم نے اپنا فرض تو پورا کر دیا......!''

''میں بھی اسی وجہ سے گئی تھی...... اور اب مجھے فقیر بابا کی بات یاد آ رہی ہے......!''

''کون سی بات......؟''

''انہوں نے کہا تھا کہ اگر اپنی لڑکی کے بارے میں جاننا ہے تو رات کے وقت اس کے کمرے کا رخ کرنا......''

''اچھا...... تو چلو...... رات تو ہو رہی ہے......!

''ابھی نہیں......آدھی رات کو......!''

''ہائیں......!اس وقت کیا ہو گا......؟''

''یہی تو دیکھنا ہے......!''

''تو پھر تم ہی دیکھنا...... میں سو رہا

ہوں......!"

"آپ واقعی اپنی اولاد سے بہت لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں......"

"آدھی رات کو اولاد کے کمرے میں جھانکنا بھی تربیت کا حصہ ہے......؟" شکیل صاحب نے انہیں گھورا۔

"کسی وجہ کے بغیر تو انہوں نے یہ بات نہیں کہی ہوگی......!"

"تم چلی جانا...... وجہ معلوم کر کے مجھے بھی بتا دینا......!!"

یہ کہہ کر وہ بستر پر ڈھیر ہو گئے......

☆......☆......☆

لیکن قراطبل میری توقع سے زیادہ چالاک ثابت ہوا...... اس نے اس رات سعدیہ کو چھیڑا ہی نہیں...... اور یوں وہ رات بھر سکون سے سوتی رہی...... ماں پھر ماں ہوتی ہے...... اس لیے نرگس بیگم نے رات میں اس کے کمرے کے وقفے وقفے سے کئی چکر لگائے...... لیکن کچھ ہاتھ نہ لگا......

چنانچہ قربت سحر میں وہ بھی تھک کر سو گئیں تو قراطبل نے اپنے گھناؤنے کھیل کا آغاز کیا...... اور میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا...... یہ سب کچھ صبح کی روشنی پھیلنے تک جاری رہا......

نرگس بیگم صبح بھی کمرے میں آئی تھیں، لیکن سعدیہ بے خبر سوئی ہوئی تھی...... وہ اسے دیکھ کر واپس لوٹ گئیں...... میں نے ان کے ماتھے پر سلوٹیں پڑی ہوئی دیکھیں...... میں خود بھی کافی الجھن میں تھا...... قراطبل نے مجھے موقع نہیں دیا تھا کہ میں اس کو ان لوگوں کے سامنے پیش کر سکوں......

پھر میں نے فیصلہ کیا کہ غیاث شاہ کا خود ہی سراغ لگاؤں گا...... لیکن پھر مجھے کسی حد تک اپنا کام بنتا ہوا دکھائی دیا...... کیونکہ دوپہر کے وقت ایک جوڑا گھر میں داخل ہوا۔ یہ دونوں میاں بیوی تھے اور شکیل صاحب کے قریبی دوست تھے...... وہ لاہور کے رہائشی تھے اور کچھ دنوں کے لیے کراچی میں آئے ہوئے تھے...... میاں کا نام سعادت تھا اور بیوی رضیہ تھی...... اس گھر سے ان کا کافی پرانا میل ملاپ تھا......

بہرحال ان کے آنے سے گھر میں کافی رونق ہو گئی تھی...... شکیل صاحب کو اطلاع ملی تو وہ بھی شام کو جلدی گھر لوٹ آئے تھے...... یوں محفل جم گئی...... سعدیہ بھی ان لوگوں کے درمیان موجود تھی، لیکن وہ زیادہ تر چپ چاپ ہی رہتی تھی...... کسی نے کچھ پوچھا تو ہنس کر جواب دے دیا، ورنہ پھر اس کے ہونٹوں کو گویا تالا لگ گیا تھا...... میں نے موقع دیکھ کر سعادت کو گھیرا اور اس کے جسم میں داخل ہو گیا......

رات کو جب سب ہی لوگ ایک کمرے میں جمع تھے تو اس وقت میں نے ذکر چھیڑ دیا۔

"بھئی...... یہ سعدیہ کو آج کل کیا ہوا ہے......؟"

"کیا ہوا......؟" شکیل صاحب چونکے......

"گم صم سی ہے...... کوئی پریشانی ہے بیٹی......؟" سعادت اس طرف گھوم گیا۔

"نہیں انکل......! ایسی کوئی بات نہیں ہے...... بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے......!" سعدیہ پھیکے سے انداز میں مسکرا کر بولی اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی......

سعادت نے اس کی طرف غور سے دیکھا...... پھر وہ شکیل صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

"اسے کیا بیماری لاحق ہو گئی ہے......؟"

''کچھ نہیں بھئی......!'' وہ ہنسے۔ ''یونہی بس ایک شادی کی تقریب میں حصہ لیا تھا، اس کی تھکن سوار ہوگئی ہے......!''

''یہ تھکن نہیں ہے بھائی......! کچھ اور ہی سوار ہے......!'' سعادت نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

ناصر بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟''

''سعدیہ اس وقت کسی اوپری چیز کے زیر اثر ہے......!'' سعادت نے انکشاف کیا۔ ''میری آنکھیں اور میرا تجربہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا...... میں نے تو اسے دیکھتے ہی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا...... بس مناسب موقع کی تلاش میں تھا...... ورنہ میں تو سعدیہ کو دیکھتے ہی اس بات کا تذکرہ کرتا......!!''

نرگس بیگم نے معنی خیز نظروں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور بولی۔

''اب بولیں آپ......! میں غلط ہوں، جھوٹ بول رہی ہوں...... لیکن آپ کے دوست بھی کیا آپ کو بے وقوف بنائیں گے......؟''

شکیل صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلا اور سعادت کی طرف دیکھ کر بولے۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو......؟''

''صرف یہ کہ سعدیہ کی طرف توجہ دو...... اسے کسی عالم کو دکھاؤ...... اور اس کا علاج کرواؤ...... مجھے بھی ان معاملات میں تھوڑی بہت سمجھ بوجھ ہے......''

''اوہو......!'' شکیل صاحب مسکرائے۔ ''تم نے یہ کام کب سے شروع کر دیا...... تم تو ہمیشہ ہی ان چیزوں سے دور بھاگتے تھے......''

سعادت سنبھل کر بیٹھ گیا...... کیونکہ ظاہر ہے کہ اس وقت جو کچھ وہ بول رہا تھا، اس کے پیچھے میرے الفاظ تھے...... چنانچہ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، نرگس بیگم نے مشکل آسان کر دی۔

''آپ کی یہ بے اعتمادی کسی دن آپ کو ضرور زک پہنچائے گی...... آپ کسی پر بھروسہ ہی نہیں کرتے...... لیکن اب کم از کم اپنے دوست کی بات پر تو توجہ دیں...... دیکھ لیں کتنے سمجھدار ہیں...... سعدیہ کو دیکھتے ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے......!!''

یہ سن کر شکیل صاحب کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہوگئی۔ میں نے لوہا گرم دیکھ کر اس پر چوٹ لگائی۔ ''بلکہ میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ سعدیہ کے ساتھ ایسا کیوں ہوا اور کہاں ہوا......!''

''اوہ...... تو پھر...... جلدی بتائیں......'' نرگس بیگم بے تاب ہوگئیں۔

''سعدیہ نے دراصل......''

الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ عین اسی وقت دروازہ زوردار آواز سے کھلا اور سعدیہ کا چہرہ دکھائی دیا...... جس پر شدید غصے کے آثار نمایاں تھے اور وہ شعلہ بار نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی...... پھر وہ پاؤں پٹختی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی ماں سے بولی۔

''امی...... انکل سعادت فضول باتیں کر رہے ہیں...... ان سے بولیں کہ رات ہوگئی ہے...... یہ اب اپنے گھر کا راستہ لیں......!! ہاں......!!''

اس کی یہ بات سن کر سب ہی بھونچکے رہ گئے...... پھر نرگس بیگم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا اور بولیں۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو سعدیہ......!''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں......'' وہ گرجی! ''یہ بے وجہ فالتو باتیں کر رہے ہیں...... انہیں ہمارے گھریلو معاملات میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے...... انہوں نے کھا پی لیا، اب ان سے کہیں کہ یہ چلتے نظر آئیں......!''

یہ کہہ کر اس نے خون خوار انداز میں سعادت کی طرف دیکھا اور پھر طیش کے عالم میں باہر نکل گئیں...... میں دل ہی دل میں کافی خوش ہوا...... میرا یہ وار کافی حد تک کامیاب رہا تھا......

ان انسانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وقت یہ سادہ سا دکھائی دینے والا معاملہ کس قدر گھمبیر تھا...... یہ لڑائی انسانوں کی نہیں بلکہ دو ماورائی طاقتوں کی تھی...... وہ باہر نکلی تو کمرے میں سناٹا طاری تھا...... ہر کوئی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہا تھا، پھر سعادت نے یعنی میں نے کہا۔

''دیکھ لیا تم لوگوں نے......؟ اب خود سوچو کہ اپنے کمرے میں اسے یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی کہ میں اس کے بارے میں یہاں بیٹھ کر باتیں کر رہا ہوں......''

شکیل احمد نے یہ سن کر سر ہلایا اور بولے۔

''ہاں...... اب تو مجھے بھی کچھ کچھ شک ہونے لگا ہے......!''

''اب اس شک کو یقین میں بدل لو...... جو چیز سعدیہ پر قابض ہے، وہ بہت خطرناک ہے...... اگر تم مزید اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کے کمرے میں جا کر قرآنی آیات کا ورد کرو...... تمہیں خود ہی احساس ہو جائے گا کہ سعدیہ اپنے بس میں نہیں ہے......!! اور یہ بھی بتا دوں کہ جو کچھ ہوا ہے، اس کا تعلق سعدیہ کی سہیلی کے گھر سے ہے......!!''

☆......☆......☆

میری کہی ہوئی بات بالکل ٹھیک نکلی، جب نرگس بیگم نے سعدیہ کے کمرے میں پڑھائی کی تو اس کی طبیعت بگڑنے لگی...... اس کے منہ سے عجیب عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ دیوار سے اپنا سر پٹک رہی تھی......

پھر میں نے ہی نرگس بیگم کو روکا تھا اور پھر سب کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا...... پھر میں نے سعادت کے روپ میں ان لوگوں سے کہا۔

''ابھی معاملہ بگڑ سکتا ہے...... اس لیے زیادہ چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں ہے...... فوری طور پر کسی عالم کا انتظار کرنا ضروری ہے......''

''کل ہمارے گھر پر ایک فقیر بابا آئے تھے......!'' نرگس بیگم بولیں۔ ''انہوں نے کسی غیاث شاہ کے بارے میں بتایا تھا...... میرا خیال ہے کہ ان ہی کے پاس جانا چاہیئے......!''

''اچھی بات ہے......!'' میں نے فوراً کہا۔

''تو پھر کل صبح انہیں تلاش کیا جائے...... یہ کام بہت اہم ہے...... ابھی تازہ تازہ معاملہ ہے...... اگر ہم نے دیر کر دی تو پھر ذرا مشکل ہو جائے گی......!''

اور یہ حقیقت تھی...... میں جانتا تھا کہ اگر قراطبل نے اپنے قدم جما لیے، تو پھر اسے باہر نکالنا کافی مشکل ثابت ہو سکتا تھا......!! مدت زیادہ گزر جانے پر سعدیہ کے خون میں شامل ہو جاتا......!!

رات میں ان لوگوں نے سعادت اور اس کی بیوی کو یہیں روک لیا تھا...... چنانچہ ایک کمرے میں ہم دونوں بھی لیٹ گئے......

سعادت کی بیوی کا نام کومل تھا...... وہ کافی خوبصورت بھی تھی...... ایک موقع پر اس نے کہا۔

''مجھے ایک بات تو بتائیں......!''

''کیا......؟؟''

''آپ نجومی کب سے ہو گئے......؟ میں نے تو کبھی زندگی میں آپ کے منہ سے ایسی باتیں نہیں سنیں......!'' اس نے غور سے میری طرف دیکھا تھا...... یہ سن کر میں چوکنا ہو گیا...... پھر ہنس کر بولا۔

''ارے بیگم......! کبھی ایسی باتوں کا موقع ہی نہیں آیا تھا، جو میں تم سے تذکرہ کرتا...... آج سعدیہ کو دیکھا تو بتا دیا...... اور دیکھ لو، میرا اندازہ درست نکلا۔''

''اسی بات پر تو مجھے حیرت ہے......!'' وہ ہنسی۔ ''بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے کہ اس وقت آپ پر بھی کوئی بھوت سوار ہے......''

میں نے بے اختیار اپنے سر پر ہاتھ پھیرا...... اور جلدی سے بولا۔

''تم نے واقعی ٹھیک کہا......مجھ پر بھوت سوار ہے......!''

''کیا مطلب......؟'' وہ چونکی۔ تو میں بھی ہنس پڑا اور بولا۔

''بھئی تمہاری محبت کا بھوت...... اور کون سا بھوت سوار ہوگا مجھ پر......!''

یہ سن کر وہ مسکرا دی...... اب ظاہر ہے کہ موقع بھی تھا اور محل بھی...... چنانچہ ذرا ہی دیر میں میرے جذبات اس حد تک بھڑک اٹھے کہ وہ بے چاری خود حیران و پریشان ہو گئی...... شاید اتنی شدت سے اسے پہلے کبھی نہیں چاہا گیا تھا...... چنانچہ سعادت پر سوار ہونے والے ''بھوت'' نے اپنا رنگ دکھایا...... اور پھر ہم دونوں ہی اس سمندر میں ڈوبتے چلے گئے...... جس کی گہرائی کا اندازہ کرنا مشکل تھا......!!

رات آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

شکیل صاحب کو اس بارے میں کسی حد تک معلومات حاصل تھیں...... چنانچہ دوپہر تک انہوں نے اپنے ایک دوست کے ذریعے غیاث شاہ کا پتا لگا لیا......

چنانچہ شام کو وہاں جانے کا قصد ٹھہرا...... لیکن سعدیہ تو ہتھے سے بھی اکھڑی ہوئی تھی...... اسے ساتھ لے کر جانا جوئے شیر لانے کے برابر تھا...... فیصلہ ہوا کہ سعدیہ اور ناصر کو گھر میں ہی چھوڑ دیا گیا...... اور باقی لوگ ایک گاڑی میں بیٹھ کر غیاث شاہ کی طرف روانہ ہو گئے...... میں اب بھی سعادت کے جسم میں موجود تھا......

اور پھر ہم لوگ بابا غیاث شاہ کے آستانے میں پہنچ گئے...... پہلی نظر میں ہی مجھے اس آدم زاد کی شخصیت میں بے پناہ کشش دکھائی دی...... اس ہال نما کمرے میں کافی لوگ موجود تھے...... صاف شفاف دیواروں پر قرآنی آیات کے تفرے لگے ہوئے تھے...... میں نے اس ماحول کو ایک عجیب سی مسحور کن خوشبو سے مہکتا ہوا محسوس کیا۔

ہم لوگ بھی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے...... اس دوران کئی بار غیاث شاہ کی چمک دار آنکھیں مجھ سے ٹکرائیں...... اور ان کے ہونٹوں پر ایک دلکش سی مسکراہٹ عود کر آئی......

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ان کی آنکھیں سعادت کے وجود کے اندر داخل ہو کر مجھے دیکھ رہی ہوں...... لیکن یہ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا...... میرا خیال ہے کہ میں اس آدم زاد کی شخصیت سے کچھ زیادہ ہی مرعوب ہو گیا تھا...... پھر میں نے خود کو سنبھالا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا...... میری کوشش اب یہی تھی کہ میں غیاث شاہ کی طرف

دیکھنے سے احتراز ہی کروں۔

اس وقت میرے ذہن میں قالان کی کہی ہوئی باتیں گردش کرنے لگیں...... اس نے جب مجھے آدم زادوں کے متعلق بتایا تھا تو اس نے یہ بھی کہا تھا کہ بعض آدم زاد کافی خطرناک ثابت ہوتے ہیں...... اور وہ جنوں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں...... پھر انہیں اپنے تابع کر کے انہیں اپنا غلام بنا لیتے ہیں...... پھر وہ انہیں اپنی انگلیوں پر نچاتے ہیں اور ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتے ہیں......!!

"اوہ......!" میں نے سوچا۔ "اگر اس شخص نے میرے ساتھ بھی یہی کیا تو پھر کیا ہو گا......؟ یہ آدم زادوں کا عالم ہے...... یقیناً اس نے اپنے علم کے ذریعے میرے بارے میں معلوم کر لیا ہو گا...... یہ مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا ہے...... یقیناً میرے بارمیں اسے معلوم ہو گیا ہے...... اس لیے اب میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں......"

یہ سوچ کر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ عین اسی وقت ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"ارے...... کہاں جا رہے ہو رباظ...... بیٹھو......!!"

☆......☆......☆

میں اچھل پڑا...... یہ آواز یقیناً غیاث شاہ کی تھی...... میں نے گھوم کر دیکھا تو غیاث شاہ کو اپنی طرف متوجہ پایا...... ایک معنی خیز سی مسکراہٹ تھی، جو میرا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

نرگس بیگم نے فوراً ہی کہا۔

"شاہ صاحب......! ان کا نام سعادت ہے...... رباظ نہیں ہے......!"

"مجھے معلوم ہے......!" انہوں نے سر ہلایا۔

"لیکن ان کے دوست احباب پیار سے انہیں رباظ ہی پکارتے ہیں...... تو بھائی رباظ آپ بیٹھیں...... اب آ ہی گئے ہیں تو ملاقات کرتے ہی جائیے گا......"

میرے قدم رک گئے...... حالانکہ میرا ارادہ ہرگز نہ تھا کہ میں ایک لمحہ بھی یہاں گزار سکوں...... یوں لگ رہا تھا جیسے اس آدم زاد کے کہے ہوئے الفاظ میرے پیروں کی زنجیر بن گئے ہوں...... میں گھبرا سا گیا تھا، لیکن پھر میں نے خود پر قابو پایا اور گھوم کر غیاث شاہ کی طرف دیکھا......

وہ واقعی بہت شاندار شخصیت کے مالک تھے سفید اور بے داغ لبادے میں ملبوس، سر پر عمامہ باندھے ہوئے، پرنور چہرہ اور ماتھے پر سجدوں کے نشان لیے ہوئے، غیاث شاہ ایک دوستانہ سی مسکراہٹ لے کر میری ہی طرف متوجہ تھے...... لیکن ان سب باتوں کے باوجود میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے اور خوشے گھوم رہے تھے...... بہرحال میں خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا......

پھر انہوں نے سعدیہ کے بارے میں پوچھا...... اس کے بعد کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی اور وہ آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے...... عین اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان کے گرد ایک غبار سا چھا گیا تھا...... جس کے اندر دیکھ لینا میرے بس کی بات نہیں تھی...... غبار اس حد تک تھا کہ غیاث شاہ کا وجود ایک ہیولے میں تبدیل ہو گیا تھا...... لیکن پھر جلد ہی وہ غبار چھٹ گیا......

غیاث شاہ نے اپنی خاموشی توڑی اور پھر کہا۔

"سعدیہ بیٹی کو تین دن بعد یہاں لانا ہو گا......!!"

"لیکن شاہ صاحب......! اسے تو کمرے

سے نکالنا ہی مشکل ہے...... وہ یہاں تک کیسے آئے گی......؟''

نرگس بیگم بول اٹھیں۔ یہ سن کر غیاث شاہ مسکرائے اور بولے۔

''میرے پاس آنے میں اسے کوئی عار نہ ہو گا...... میں کچھ نقش دے رہا ہوں...... یہ اسے پانی میں گھول کر پلا دینا...... تیسرے دن وہ خاموشی سے یہاں چلی آئے گی......!!''

پھر وہ مڑ کر اپنے قریب بیٹھے ہوئے مرید سے کچھ کہنے لگے...... اور میں اس وقت اس غبار میں کھویا ہوا تھا...... آخر اس دھند کا کیا راز تھا...... جو تھوڑی دیر قبل غیاث شاہ کے گرد لپٹی ہوئی تھی......!

''پھر غیاث شاہ نے نرگس بیگم کے ہاتھ میں چند تعویذ دیے...... اس کے بعد انہوں نے میری طرف دیکھا۔

''رباط......! تم اسی دن میرے پاس آنا...... پھر میں تم سے بات کرتا ہوں......! میں تمہارا انتظار کروں گا...... اب جاؤ تم لوگ......!!!''

☆......☆......☆

میں اب سعادت کے جسم کو چھوڑ چکا تھا...... میرا خیال تھا کہ اب مجھے اس گھر میں رہنے کی ضرورت نہیں تھی...... کیونکہ میرے خیال میں عالم غیاث شاہ بے پناہ روحانی قوتوں کے مالک تھے......

اب سعدیہ کے معاملات وہ بخوبی نمٹا سکتے تھے کیونکہ جو آدم زاد میرا نام تک جانتا ہے...... وہ پھر کیا نہیں کر سکتا......!!

حالانکہ میں سعادت کے جسم میں داخل ہو چکا تھا...... لیکن اس کے باوجود انہوں نے سعادت کا نام لینے کے بجائے مجھے میرے نام سے پکارا تھا...... مجھے غیاث شاہ کو دیکھ کر خاشاب کی یاد آ گئی......!!

اس وقت میں نے سوچا کہ دوسروں کی فکر اور مدد کرنے کا جذبہ کس قدر قوی ہوتا ہے...... جن کے دلوں میں خدا ترسی اور ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے......

وہ پھر ایسے ہی منصبوں پر فائز ہوتے ہیں...... کہ پھر ایک عالم ان کے پیچھے موجود ہوتا ہے...... ان کی ہستی پھر شمع کی مانند ہوتی ہے جس کا فیض اور روشنی حاصل کرنے کے لیے چاروں طرف پروانوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے...... غیاث شاہ اور خاشاب کی حیثیت بھی ایسی ہی تھی......!!

بہر حال اب میں ایک بار پھر کھلے آسمان کے نیچے موجود تھا...... تنہا...... اکیلا......!! دور دور تک نہ کوئی ساتھی تھا اور نہ ہی کوئی ہم سفر...... بس ایک سفر تھا، جس کی کوئی منزل نہ تھی...... چلنا تھا...... چلتے ہی رہنا تھا...... اور بس......

اس وقت نہ جانے کیوں میں نے اپنے دوست قالان کو شدت سے یاد کیا......

''ہاں ہو میرے دوست......!'' میں نے ایک سرد آہ بھر کر پکارا...... لیکن جواب ندارد تھا......

طبیعت کچھ اداس سی تھی...... تھکے تھکے انداز سے میں آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ ایک پر رونق بازار تھا...... جہاں سے میں اس وقت گزر رہا تھا......

عین اس وقت میری آنکھوں میں بجلی سی لپک گئی...... وہ کوئی آدم زادی تھی یا پھر کوئی پری یا اپسرا......؟ میری نگاہیں اس پر رکیں، تو پھر وہیں جم کر رہ گئیں...... واقعی بے حد حسین تھی...... وہ اپنی ماں کے ساتھ سودا سلف لینے آئی ہوئی تھی......

(اس دلچسپ اور تحیر خیز آپ بیتی کا اگلا حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجئے)

کتاب دوستی

کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تصنیف دوام پائے؟

کیا آپ سچی کہانیاں ڈائجسٹ میں اپنی کتاب پر مفصل آرٹیکل دیکھنا چاہتے ہیں؟

مجید احمد جائی کے فسوں رنگ انداز اور سحر کار قلم سے......

آج ہی اپنی کتاب کی دو کاپیاں اس پتے پر بھیجیں۔

ہم دیں گے آپ کے شہ پارے کو نیا رنگ

مجید احمد جائی

ادبی لائبریری، ظہور سوئٹ اڈا بلی والا مین بہاولپور روڈ پوسٹ آفس لارڑ، تحصیل و ضلع ملتان۔

لاہور سے ارسال کردہ معلوماتی سفرنامہ

کھیوڑہ



دنیا میں موجود نمک کی دوسری بڑی کان

شاہین علی

فطرت کو خرد کے روبرو کر
تزئین مقام رنگ و بو کر

پیارے وطن پاکستان کے ہر خوب صورت شہر کی سیر و سیاحت پہلے میرا خواب تھی خواہش تھی شوق تھا اب ان تمام تاریخی اور اہم ترین مقامات کو دیکھنے کے بعد ایک اور خواہش نے جنم لیا کہ......

کاش میں لکھوں سیاحت پر بھی میں کوئی کتاب

اور اس خواب کی تکمیل میں میری مددگار تھیں منزہ سہام مرزا ان کی ہمت افزائی نے مجھے قلم اٹھانے پر دل سے آمادہ کیا۔ اب یہ (سچی کہانیوں) کے لیے میرا سفرنامہ ان تمام قارئین کے لیے جو سیر و سیاحت کو پسند کرتے ہیں اور خاص طور پر عجائبات و غرائب کا شوق، مجھے قدیم عمارات صدیوں پرانے مقامات گئے وقتوں کی کہانی سناتی آثارات اور بوسیدہ کھنڈرات بہت پسند ہیں کہ ہر کھنڈر کبھی ایک آباد شہر تھا، پرانے وقتوں کی تعمیر بہت منظم اور مضبوط ہوتی تھی اس لیے آج بھی ان کی باقیات ہم کو تحیر میں مبتلا کرتی ہے۔

تو اسی سلسلے میں آج ہم اپ سب کو ایک ایسے بہت دلچسپ اور یادگار سفر کا احوال سناتے ہیں جو اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی خوردنی نمک کا ذخیرہ ہے جس کو سالٹ سٹی بھی کہا جاتا ہے۔

ھم نے اپنے عزیز دوستوں کے ھمراہ مختلف شہروں کے سفر کیے ہیں ان شا اللہ ان تمام اسفار کا احوال ھم رقم کرینگے

دوستوں ......دل چاہتا ہے کہ میں بھی ایک مضبوط سفینے میں ساری دنیا کی سیر کروں اور اب دنیا کے معتدد ممالک کی سیر کے بعد یہ جذبہ وجنون کہ پیارے وطن پاکستان کی سیر کروں، جگہ جگہ مقام یادگاروں کو دیکھوں ۔ ہر شہر میں پودے لگاؤں، پورے سندھ، بلوچستان، خیبر پختونخوا، آزاد کشمیر، پنجاب کی تہذیب وثقافت پر ایسی کتاب لکھوں کہ جس کو پڑھ کر پاکستان میں

موجودان تمام قابل دید جگہوں پر لوگوں کی بڑی تعداد جائے اور جن نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے وطن کو نوازہ ہے وہ اپنی آنکھوں سے ان تمام دیدہ زیب مناظر کو دیکھ کر شکر خدا ادا کریں کہ ہم سب کو رب العالمین نے کتنے خوب صورت ملک سے نوازہ ہے۔فروری کی ایک دلکش صبح ہم اپنے لندن اور سڈنی سے خاص طور پر تشریف لائے مہمانان گرامی ادبی' سماجی' علمی حلقوں کی معروف شخصیت اور 7 کتابوں کی مصنفہ ڈاکٹر نگہت نسیم اور ماہر لسانیات' ماہر نشریات' معروف صحافی ریڈیو پاکستان سے ان کا بہت قلبی تعلق رہا ہے اور ان کے والد مصطفیٰ علی ہمدانی نے 13' 14 اگست 1947ء کی درمیانی شب آزادی کا اعلان کیا تھا۔

یعنی اولین ناشر آزادی کے فرزند ارجمند ادیب شاعر' تنقید نگار' فلاسفر' اسکالر جناب صفدر ہمدانی صاحب کے ساتھ کھیوڑہ میں موجود نمکین شہر کو دیکھنے کے لیے سفر کا آغاز کیا۔

کھیوڑہ...... پنجاب کے شہر جہلم کے پنڈ داد خان میں واقع ہے۔لاہور سے تقریباً 250 کلو میٹر کے فاصلے پر جنوبی ایشیا کی قدیم ترین اور دنیا کی دوسری بڑی نمک کی کان ہے۔۲۲۳ قبل مسیح میں جب سکندر اعظم اور پورس کے درمیان جنگ



ہوئی تو اس مقام پر جنگ میں نمایاں کردار ادا کرنے والے تمام گھوڑے موسمی تغیرات اور تھکن اور مسلسل سفر کی مشقت کے باعث سخت بیمار ہوگئے تو انہوں نے پتھروں کو چاٹنا شروع کر دیا اسی لیے یہ قدیم شہر اپنے نمک سے بنی خوب صورت۔اشیا ڈیکوریشن پیس کے لیے بھی بہت مشہور ہے۔

کھیوڑہ کی کان میں داخل ہونے کے لیے ٹرین بھی تیار کھڑی تھی جیسے ہر ٹرین کے سفر کے

لیے ٹکٹ ضروری ہے تو پہلے ہم ٹرین کے ٹکٹ کے حصول کے لیے لائن میں لگے کہ ٹرین ایک تھی اور مسافر بہت سارے

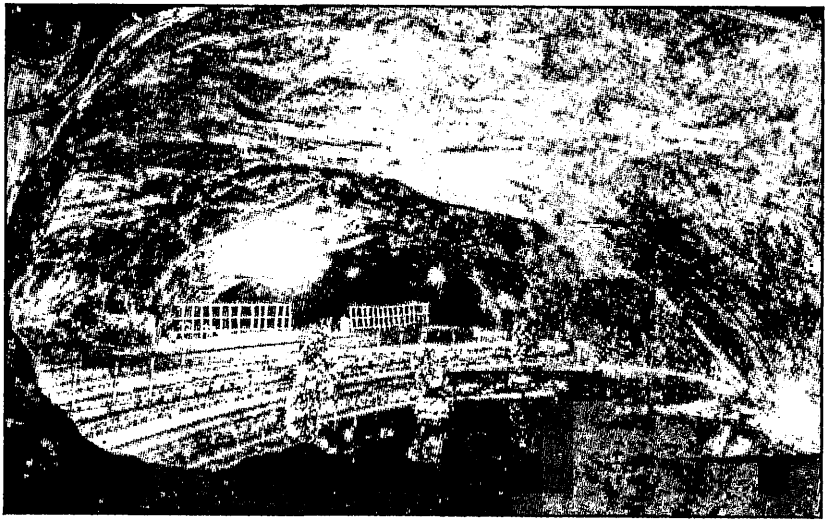
ویسے تو یہ سفر پیدل بھی کیا جاسکتا ہے یہ تقریباً ایک کلومیٹر کا سفر تھا۔

کان کے اندر قدرتی طور پر گرمیوں میں سردی سردیوں میں گرمی کا لطیف احساس ہوتا

عبادت کی جاتی ہے۔ وہ عبادت گاہ جس کو مسجد کہتے ہیں ۔ مسجد اللہ کا گھر اور ہماری عبادت گاہ ہے۔

دنیا کی پہلی عبادت گاہ خانہ کعبہ ہے۔ اللہ تعالی کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر جو پہلی عمارت بنائی وہ خانہ خدا تھی۔

مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہیں وہاں قلبی



ہے۔ نمک کی کان میں داخل ہوکر ہم سب بہت حیران ہوئے تھے ۔ روشنی کے دلکش خدوخال لگا جیسے ہم کسی شیش محل میں داخل ہو گئے ہیں ۔ سرخ ، گرین ، زرد ، نیلی ، پیلی ، کتنے حیرت انگیز رنگوں سے سجی نمکین بستی تھی۔

مجھے کان کے اندر بنی مسجد کو دیکھنا تھا ، اللہ تعالی کائنات کا مالک و خالق عرش و فرش کا بنانے والا کہکشاں در کہکشاں سجانے والا اس حسین و جمیل کائنات کو اتنے حیرت انگیز و خوش نظر مناظر سے مزین کرنے والا رب

ساری کائنات اللہ رب العالمین کی ہے ۔ مگر ایک بہت خاص اور پاکیزہ جگہ جہاں معبود حقیقی کی

فکر ، جسدی طہارت اور درس تدریس کا کام بھی ہوتا ہے ۔ مساجد میں عبادات کا اجر ثواب بہت زیادہ ہے ، تو کھیوڑہ میں بنی مسجد میں کچھ عبادت گزار عبادت میں مصروف تھے ۔ مجھے نمک کی کان میں عبادت کرنے والوں کی وجہ سے لگا جیسے یہ نمک کی کان نور کی کان ہو یہ نمک کی اینٹوں سے بنائی گی اپنی طرز کی بہت منفرد مسجد ہے۔

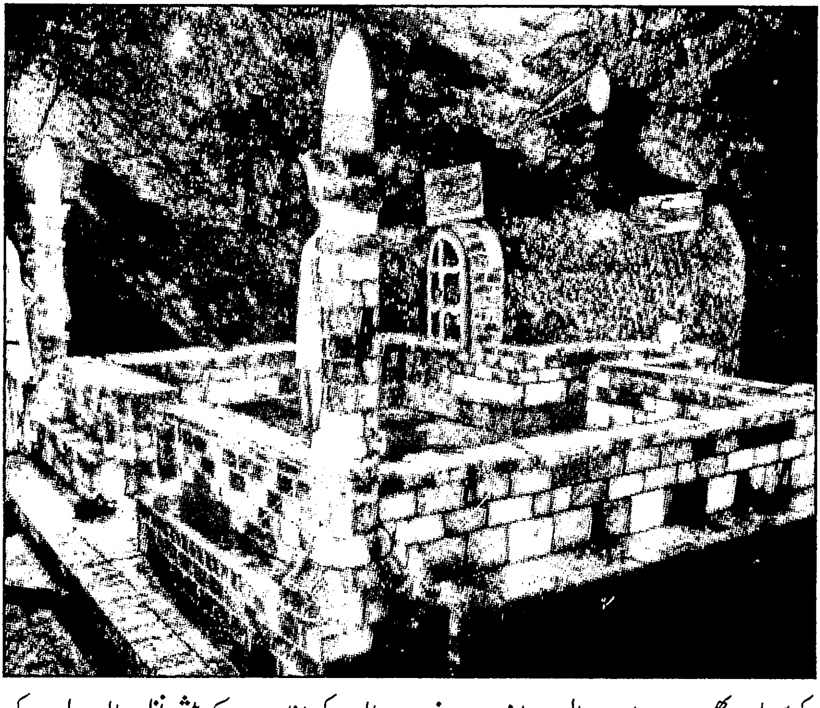
مختلف رنگوں کی روشنی نے اسے کہکشاں بنا دیا تھا۔ مسجد کے اندر سرخ رنگ کی روشنی کا فرش اسے لعل یمن بنا رہا تھا۔ مسجد سے آگے بہت خوب صورتی سے مینار پاکستان بنایا گیا تھا۔ نمک کی یہ صدیوں پرانی دنیا کسی بہت بڑے مصور کا شاہکار

لگ رہی تھی ۔ یہاں کی اب و ہوا میں حبس گھٹن کے بجائے تازگی اور فرحت کا احساس ہوا۔

نمک کی وجہ سے یہاں دمہ کے مریض بھی آتے ہیں جن کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ سالٹ سٹی کے اندر ڈسپینسری بھی ہے۔ جہاں علاج معالجے

سے خالی ہاتھ نہیں آتا ہے' کبھی سفر وسیلہ ظفر بنتا ہے۔ کبھی علم' تحقیق اور جستجو کی نیت سے کیا گیا سفر دل و دماغ کو سرشاری عطا کرتا ہے۔

ہم کھیوڑہ سے نمک کے بنے بہت سارے لیمپ بھی لائے تھے۔ آج کل دنیا میں پنک



کی سہولت بھی ہے۔ چار سو سال دریافت ہونے والی کان میں بہت سارے غیر ملکی سیاح بھی موجود تھے۔

ہمارا گائیڈ ہم کو نمک کی کان میں بنے دوسرے قابل دید گوشے اور مناظر دکھا رہے تھے۔ نمک کے قطرات نے کتنی عالیشان شکلیں اختیار کی تھیں۔ کہیں اشک نمک کہیں غنچہ نمک' کہیں عشق نمک' کہیں تحیر نمک' کہیں حیات نمک' کہیں نمک' کی آہ تھی۔ کہیں دیوار پر ہجر کی داستان' کہیں مجھے سکندر اعظم کے گھوڑے اور اونٹوں کی یاد آرہی تھی۔ مسافر کسی سفر

سالٹ کی افادیت کے پیش نظر سالٹ لیمپ کی بہت مانگ ہے جو پاکستان میں کثرت سے دستیاب ہے اور دنیا بھر میں پنک ہمالیہ سالٹ کے نام سے بیچا جاتا ہے۔ میں نے دنیا کے 18' 19 ممالک کا سفر کیا ہے مگر منزہ جو خوشی مسرت تحیر اور مسرت مجھے پاکستان میں سفر کر کے ملی اس کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

انشاء اللہ اگلے ماہ آپ کو ہرن مینار کی تاریخی اہمیت اور شیخو پورہ کی سیر کراؤں گی۔

□□......❀......□□



لاہور سے ارسال کردہ پُراسرار تحریر

زرتاش

وہ دیوانہ تھا ان نیلی آنکھوں کا تبھی تو سب کچھ
بھول کر دیوانہ وار کنویں کی جانب بھاگتا تھا......

حنا بشریٰ

رات سرد بھی تھی اور قنوطیت میں لپٹی ہوئی بھی...... اور اماوس کی تاریک راتوں جیسی بھیانک بھی......نقطہ انجماد نے گر کر دسمبر کے مہینے کو کئی گنا

زیادہ سرد کر دیا تھا۔ ایک طرف جان لیوا ٹھنڈک اور دوسری طرف سرد برفیلی ہواؤں نے رگوں میں خون جما ڈالا تھا۔ ہر بندہ و بشر شام کے سیاہ سائے پھیلتے ہی اپنے بستروں میں دبک گیا تھا۔ سوائے اس بدنصیب کے...... اس کا اضطراب اور بے چینی اُسے اس جان لیوا موسم میں بھی ٹہلنے پر مجبور کیے ہوئے تھی۔ خود کو سیاہ موٹی چادر میں لپیٹے وہ اذان مغرب کے بعد سے باغ میں ٹہلتے ہوئے وہ کوئی ہزار بار عالم اضطراب میں سیاہ تاریک آسمان کی طرف دیکھ چکا تھا۔

ایام بیض کا آغاز ہو چکا تھا دو سے تین دن بعد چاند نے مکمل ہو جانا تھا۔ آج ایام بیض کی گیارہ تاریخ تھی۔ اس کے بدن میں بے چینی نے آگ لگا دی تھی۔ پورا بدن سرتاپا کسی انگارے کی طرح دہک رہا تھا اور ساری کی ساری آگ اس کے دائیں گال پر موجود بدنما جلے ہوئے داغ میں بھری ہوئی تھی گویا وہ سچ مچ کا انگارہ ہو۔ ابتدا میں یہ بدنما داغ سرخ رنگ کا تھا پھر اس کا رنگ نیلا ہو گیا اور آج پورے سات سال گزر جانے کے بعد یہ داغ سیاہ رنگ کا ہو چکا تھا۔ اس کی سیاہی اس قدر سنگین تھی کہ ایک نظر دیکھ کر کراہیت کے مارے دوسری نگاہ ڈالتے ہی اس کی طرف سے دل متلانے لگتا تھا۔

کبھی تو دیکھنے والے کا دل یہ چاہنے لگتا تھا کہ تیز دھار چاقو سے ایک ہی وار میں اس دہکتے انگارے کو کاٹ کر جلد سے علیحدہ کر ڈالے اور اس



مضطرب وجود کو ہمیشہ کے لیے پُرسکون کر دے۔
مگر سکون تو اس بدنصیب کی قسمت میں تھا ہی نہیں...... اس کے نصیب میں تو درد لکھا تھا...... اضطراب لکھا تھا حزن والم لکھا تھا مگر سکون...... وہ نہیں لکھا تھا۔

زیب محل کے وسیع احاطے میں ٹہلتے ہوئے اس نے اپنی ٹانگیں شل کر لی تھیں۔ مگر بدن میں پھیلی انتظار کی شدت اسے لحظہ بھر بھی رکنے نہ دے رہی تھی۔

سیاہ اور سرمئی قدیم وقتوں کے موٹے موٹے کھردرے پتھروں سے بنا وسیع وعریض پیالہ نما کنواں اس کی توجہ کا مرکز تھا۔ وہ قلبی انتشار میں مبتلا اس کے قریب ہی ٹہل رہا تھا۔ تھوڑے وقفے کے بعد اس کی ایک نگاہ آسمان کی طرف جاتی تو دوسری نگاہ چاند کی سمت متعین کرتی سیاہ تاریک کنویں کی گہرائیوں میں اتر جایا کرتی تھی۔ اس انتظار میں بے حد شدت تھی کہ کب چاند عین کنویں کے روبرو آئے گا مگر ابھی اس امر میں کچھ ساعتیں باقی تھیں۔

یہ چند ساعتیں اس کے لیے صدیوں جیسی بھاری ہوتی جا رہی تھیں۔ یہ انتظار یہ بے چینی اس کے گال کے داغ کو مزید دہکاتے ہوئے جیسے اس کی جان لینے کے در پر تھی۔ اس کا حسین وجمیل چہرہ اس داغ کی وجہ سے سرخ اور سیاہ نظر آنے لگا تھا۔ درد واذیت اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھی۔ بس نہیں تھا کہ اس تکلیف کے مارے اس کے حلق سے درد ناک چیخ نکل پڑتی۔ ایسی چیخ جو اس رات کی نحوست واذیت کو چیرتے ہوئے اسے پُرسکون کر دے۔ مٹھیوں کو بھینچتے ہوئے اس نے ایک تکلیف سے بھری نگاہ آسمان پر ڈالی۔ رات کے دس بجے چکے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جب ایام بیض کی پہلی رات کا چاند جو ابھی کامل نہیں ہوا تھا عین اس وسیع وعریض کنویں کے اوپر آ جاتا تھا۔ یوں کہ کنویں میں پانی کی سطح پر چاند کا واضح وشفاف عکس بن جاتا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر یوں گمان ہوتا تھا کہ جیسے دو چاند آج کی رات میں نکلے ہوں۔ ایک آسمان پر اور دوسرا کنویں کے پانی کے اوپر......

آسمان کے کشادہ سینے سے پھوٹتا خنک اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ وہاں چاند کے چہرے سے نکلتا نور بھی دودھیا ہو کر چہار سو پھیل گیا۔ کنواں اور اس کے اردگرد ہر شے چاندنی میں نہا گئی تھی۔ کنویں کا پانی بھی دودھیا ہو گیا تھا اور اسے اسی بات کا انتظار تھا کہ پانی کا رنگ بدلے...... وہ تیزی سے کنویں کے قریب آیا ایک آخری وحشت بھری آسمان پر ڈالی اور دوسری کنویں میں تیرتے چاند پر...... کنویں کی منڈیر پر جھکتے ہوئے اوک میں پانی بھرا اور اپنے چہرے کے بدنما داغ پر ڈال لیا۔

''چھن......'' فضاء میں ایک زوردار سی آواز یوں گونج اٹھی کہ جیسے یخ بستہ پانی بھڑکتی ہوئی آگ پر ڈال دیا جائے تو وہ بجھ جائے۔ اس مضطرب وجود میں سرتاپا قرار ہی قرار اتر آیا تھا۔ ایسے کئی چھینٹے 'انگارے' پر ڈالتے ہوئے خود کو پُرسکون کرتا رہا۔ بے شک آج کی رات ہی سہی مگر اس دہکتے ہوئے انگارے کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ مزید سکون کے لیے اس نے جنونی انداز میں کنویں سے لٹکا ڈول جو موٹی سانپ نما رسی سے بندھا تھا بھر کر باہر نکالا اور اپنا سر کنویں کی منڈیر پر جھکا لیا۔

اس سرد یخ بستہ رات میں اس نے خود کے ساتھ وہ عمل کیا جو اگر عام انسان کرتا تو کنویں کا

سرد پانی اس کی جان لے لیتا...... اس نے وہ لبالب بھرا ڈول اپنے سر پر انڈیل لیا۔

☆......☆......☆

زیب محل کا شمار شہر کی پُرشکوہ باوقار عمارتوں میں ہوتا تھا۔ برس ہا برس سے یہ خالی محل اپنے مکینوں کا منتظر تھا۔ بہت بار یہ آباد ہوا مگر اپنی پُراسراریت کی وجہ سے جلد ہی ویرانی اس کا مقدر بن جاتی۔ اس محل سے متعلق مشہور تھا کہ اس پر نادیدہ مخلوق کا قبضہ تھا...... وہ نادیدہ مخلوق جنات میں سے تھی یا آسیبی...... اس کے متعلق کوئی جان نہ پایا تھا۔

''زیب محل بہت بھاری ہے۔''

جب بھی اس محل کی بولی لگنے لگتی تو ساتھ ہی یہ باتیں بھی گردش کرنے لگتیں کہ یہاں ہوائی مخلوق کا بسیرا ہے۔ بہت سے لوگ تو اس بات کے چشم دید گواہ بھی تھے کہ انہوں نے زیب محل کی راہداریوں اور دالانوں میں دیو ہیکل ہیولوں کو رات کی تاریکی میں دیکھا تھا کئی لوگوں کے مطابق اس محل کے گھنے درختوں سے بندھے جھولوں کو خود بخود ہلتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ پائیں باغ میں تالاب میں لگے فوارے شام کے وقت جادوئی انداز میں چل پڑتے ہیں جس میں سے رنگین روشنیوں والا پانی ماحول کو بھی رنگین بنا دیتا تھا۔ اس محل کی زیریں اور بالائی منزلوں میں قطار در قطار بنے کمروں کی بلند و بالا چھتوں سے لٹکتے سنہری اور سفید رنگ کے فانوس خود بخود جلتے بجھتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ ہر جمعرات کے دن اس محل کی صفائی ستھرائی بہت عمدگی سے نادیدہ ہاتھ کرتے تھے۔

تقسیم ہند سے قبل یہ خوبصورت عمارت ایک نواب نے اپنی محبوب بیوی کے لیے بنوائی تھی۔ جو اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی خوبصورتی کی وجہ سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے مگر اس کے بارے میں یہ باتیں سن کر خوفزدہ ہو کر لوٹ جاتے۔

آخر اس بے آباد سنسان مسکن کو احمد علی خان نے خرید لیا جو انگلینڈ سے اپنے خاندان کے ہمراہ آئے تھے اور حیدر آباد میں سکونت کے لیے کوئی مستقل ٹھکانہ چاہتے تھے سو زیب محل ان کی امیدوں پر ہر طرح سے پورا اترا۔ اس محل کو بے خوف و خطر خریدنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ احمد علی خان ان قصے کہانیوں کو من گھڑت مانتے تھے جو زیب محل کے متعلق مشہور تھیں۔

''جنات اور ہوائی چیزوں کا کوئی وجود نہیں۔'' یہ ان کا عقیدہ تھا اور سوچ بھی۔

''جناب جنات کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ہے۔'' کوئی بحث کرنے والا قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے دلیل پیش کرنے لگتا۔

''ممکن ہے کسی دور یا کسی زمانے میں یہ مخلوق انسانی زندگی میں عمل دخل رکھتی ہو مگر اکیسویں صدی میں ان باتوں کو میں محض دقیانوسی ہی کہوں گا۔'' مشہور ہے کہ جب بھی کسی نے اس آتشی مخلوق کے وجود سے انکار کیا ہے تو پھر یہ مخلوق جلال میں آ جاتی ہے۔ پھر اپنے وجود سے انکار کرنے والوں کو ایسا یقین دلاتی ہے کہ بنا دیکھے ہی ایسی آنکھ عطا کر دی جاتی ہے کہ انکار کرنے والا نہ صرف مانتا ہے بلکہ تسلیم کرنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔

وہ پہلی بار شاہ زیب علی خان (جو احمد علی خان کا اکلوتا بیٹا) تھا۔ کو زیب محل کے پائیں باغ میں تالاب کے قریب نظر آئی تھی۔ نیلی چمکدار آنکھوں والی لڑکی بالکل اس کی ہم عمر تھی۔ اس کی آنکھیں غیر معمولی چمکدار تھیں یوں جیسے دو عدد نیلم

کے پتھر جڑے ہوں۔

''تم کہاں رہتی ہو؟''

''زیب محل میں......''

''تمہارا کمرہ کون سا ہے؟''

''کوئی نہیں۔''

''میں تو اپنے خاندان کے ساتھ وہاں رہتی ہوں۔'' وہ بے حد حسین سات سالہ بچی جو شاہ زیب کی ہم عمر تھی وہ پیالہ نما کنویں کی طرف اشارہ کرتی تو شاہ زیب حیران رہ جاتا اور اُلجھ بھی جاتا۔

''تمہیں پتہ ہے میں کس دن پیدا ہوئی ہوں؟''

''جس دن تم پیدا ہوئے ہو...... میں بھی ٹھیک اسی دن پیدا ہوئی تھی۔'' اس کی ہر بات ہی اُلجھا دینے والی تھی۔ یہ اور بات وہ بڑی خوشی اور جوش سے بتایا کرتی کہ اس کا اور شاہ زیب کا پیدائش کا دن ایک ہی تھا۔

''تم کبھی اپنے گھر والوں کو بھی لے کر آؤ۔'' شاہ زیب نے ہمیشہ اسے زیب محل میں تنہا پھرتے اور کھیلتے دیکھا تھا۔ اس کے اندر تجسس تھا کہ وہ اس کے گھر والوں سے بھی ملے مگر وہ کبھی نظر نہیں آئے تھے۔

''نہیں وہ کبھی تم لوگوں سے ملنے نہیں آئیں گے...... بلکہ وہ تو مجھے بھی منع کرتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بے حد مغموم سی ہو جاتی تھی کہ اس کی آنکھوں میں جڑے نیلم سے نکلتی غیر معمولی روشنی بے حد مدھم ہو جایا کرتی تھی۔

''کیوں......؟''

''وہ...... وہ کہتے ہیں تم خاک ہو۔'' وہ ہمیشہ اداسی سے جواب دیتی تھی۔

''خاک...... یہ خاک کیا ہے؟''

''پتہ نہیں......''

''اچھا اگر ہم خاک ہیں تو تم کیا ہو؟'' سات سالہ شاہ زیب کو کبھی یہ بات سمجھ نہ آئی تھی۔ نہ اس کی عمر ایسی تھی کہ وہ خود بخود سمجھ جاتا۔ کہ وہ بچی کون ہے بہر حال جو بھی تھا وہ اسے اچھی لگتی تھی۔ خاص طور پر اس کی خوبصورت آنکھوں کے چمکتے نیلم...... شاہ زیب کو اس کے ساتھ کھیلنا اچھا لگتا تھا۔ چند ہی دنوں میں وہ اس کی بہترین دوست بن گئی تھی۔

''یہ لو مٹھائی......'' وہ اکثر اس کے لیے کچھ نہ کچھ تحفتاً لایا کرتی تھی۔ جسے دیکھ کر وہ حیران رہ جاتا تھا س۔ وہ چیزیں بے حد بیش قیمت ہوا کرتی تھیں اور بہت منفرد اور ذائقہ دار' شاہ زیب نے ایسی چیزیں پہلے نہیں دیکھی تھیں۔ ضرور اس بچی کا تعلق کسی امیر کبیر گھرانے سے ہے وہ اکثر سوچتا۔

''یہ تو بہت مزے کی ہے...... یہ کس دکان سے لائی ہو؟'' وہ اس کے سوال کا جواب ہمیشہ مبہم دیتی تھی۔

''تمہارا دل جب چاہا کرے بتا دیا کرو میں لا دیا کروں گی۔'' وہ یوں لاپروائی سے جواب دیتی کہ جیسے شہر کی تمام مٹھائیوں کی دکان کی مالک ہو جہاں سے وہ جب چاہے جو چاہے لا سکتی ہے۔

ایک بار وہ اس کے لیے بہت عمدہ سی خوشبو (عطر) لائی۔ اس کی خوشبو بے حد مسحور کن تھی۔ اتفاق سے شاہ زیب نے اسے لگایا تو مولوی صاحب قرآن پڑھانے آ گئے۔ وہ اسے عصر کے وقت قرآن پڑھاتے تھے۔

شاہ زیب کو اپنی طبیعت میں بوجھل پن سا محسوس ہو رہا تھا۔ سر بھی بھاری ہو رہا تھا طبیعت قرآن پڑھنے کی طرف مائل نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بے دلی سے قرآن پڑھ رہا تھا غنودگی کی وجہ سے

اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

قاری عبدالقہار اپنے شاگرد کی حالت پر غور و خوض کر رہے تھے کہ تیز خوشبو کا جھونکا ان کے نتھنوں میں اترا تو لمحہ بھر کے لیے ان کا دماغ چکرا کر رہ گیا کہ بے اختیار زبان 'لاحول ولاقوۃ' پڑھنے پر مجبور ہوگئی۔

''شاہ زیب...... آپ نے خوشبو لگا رکھی ہے؟'' قاری عبدالقہار کو اپنے شاگرد کی سستی و غنودگی کا سرا مل گیا تھا۔

''جی قاری صاحب......'' بچے نے غنودگی میں ڈوبا جواب دیا۔ چند لمحوں بعد وہ یقیناً نیند کے ہاتھوں مغلوب ہونے والا تھا۔

''کس نے دی آپ کو یہ خوشبو؟'' قاری صاحب قدرے غصے میں بولے تھے۔ انہیں ایک کم عمر معصوم بچے کا عطر لگانا بالکل مناسب نہیں لگا تھا۔ قاری صاحب کے مزید سوال کرنے پر شاہ زیب نے اس بچی کے بارے میں بتا دیا۔ جو اس کی دوست تھی جو زیب محل کے کنویں میں رہتی تھی۔ یہ سننے کی دیر تھی کہ قاری صاحب تو اچانک جلال میں آ گئے۔ شاہ زیب کو فوراً کپڑے تبدیل کرنے کا حکم دیا اور پھر اس سے وہ خوشبو کی شیشی منگوائی جو اس انجان بچی نے دی تھی۔ شاہ زیب کا ہاتھ پکڑ کر زیب محل کے وسیع و عریض کنویں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ شیشی اٹھا کر اس کنویں میں پھینک دی اور بلند آواز میں چلائے۔

''قابو میں رکھو...... ورنہ نقصان اٹھائے گی۔'' قاری صاحب کیا کر رہے تھے اور کیا بول رہے تھے۔ شاہ زیب کچھ سمجھ نہیں پایا تھا وہ کس سے مخاطب تھے...... کس کو دھمکا رہے تھے۔ یہ سب اس کی سمجھ سے بالاتر تھا اس کا معصوم ذہن صرف یہ سوچ رہا تھا کہ قاری صاحب نے اس کی دوست کا دیا تحفہ کنویں میں پھینک دیا تھا۔ اس کا دل بری طرح سے اداس ہوا کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس واقعے کے بعد قاری عبدالقہار نے شاہ زیب پر کڑی نظر رکھنی شروع کر دی۔ اکثر اس بچی کے متعلق پوچھتے کہ وہ کوئی تحفہ تو نہیں لائی یا اب وہ ملنے تو نہیں آتی؟

''آئندہ اگر وہ کچھ دے تو ہرگز نہ لینا۔'' یہ ایک معلم کی اپنے شاگرد کو سخت تنبیہ تھی۔ جس کی پاسداری شاہ زیب پر انہوں نے لازم قرار دے دی تھی۔

☆......☆......☆

قاری عبدالقہار نے اس بچی سے ملنے پر کیوں پابندی لگائی تھی۔ وہ تو بے حد بھولی بھالی معصوم سی تھی جو زیب محل میں واحد اس کی دوست تھی۔ شاہ زیب اس بارے میں سوچ کر مضطرب سا ہو جاتا تھا اضطراب حد سے بڑھا تو سوال کی شکل اختیار کر گیا۔

''قاری صاحب آخر اس سے دوستی میں برائی کیا ہے؟'' پہلے تو قاری صاحب اس سوال پر برہم ہوئے پھر اس کی عمر اور ذہنی بے چینی کو دیکھتے ہوئے تحمل کا سہارا لیا۔

''بیٹا...... دوستی اپنے جیسوں سے کی جاتی ہے۔'' جواب اتنا غیر واضح تھا کہ شاہ زیب کو مطمئن کرنے کی بجائے اور بے اطمینانی عطا کر گیا۔

''مگر قاری صاحب...... وہ تو میرے جیسی ہے' میری ہم عمر ہے اور میری بہت اچھی دوست بھی ہے۔'' شاہ زیب کا یہ سوال اس بات کا غماز تھا کہ وہ اس بچی سے کتنا لگاؤ رکھتا ہے۔ وہ قاری صاحب کے حکم پر دوستی چھوڑ بھی بیٹھا تو مگر ذہن اس کی طرف ہی لگا رہے گا۔ اس کا چہرہ بہت

اداس رہنے لگا تھا۔ بجھا بجھا سا...... اس کا دھیان پڑھائی میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ قاری عبدالقہار نے جو یہ تبدیلیاں دیکھیں تو زیب محل کے مکینوں کو ہمدردانہ انداز میں ایک نصیحت کر ڈالی۔

''شاہ زیب کو اس محل سے کہیں دور بھیج دیا جائے اور اس وقت تک یہاں آنے کی اجازت نہ دی جائے جب تک وہ باشعور و بالغ نہ ہو جائے۔''

یہ نصیحت انہوں نے کیوں کی۔ کس خطرے کو بھانپتے ہوئے کی؟ اس بات کو انہوں نے شاہ زیب کے بڑوں سے چھپا کر صیغہ راز میں رکھا...... اور نہ ہی اس پُراسرار بچی کے متعلق کسی کو کچھ بتایا تھا۔ اس بات میں کیا مصلحت تھی اسے قاری صاحب ہی جانتے تھے۔ قاری صاحب کے مشورے کے مطابق شاہ زیب کو دوسرے شہر تعلیم کی غرض سے بھیج دیا گیا اور شہر کے مشہور ہوسٹل میں اس کا داخلہ کروا دیا گیا۔ وقتِ رخصت شاہ زیب نے ایک اُداس الوداعی نگاہ اس 'پیالہ نما' کنویں پر ڈالی تو وہاں کھڑی وہ بچی بے حد دلگرفتہ سی لگی تھی کہ اس کی آنکھوں کے چمکدار نیلم زیرآب تھے۔ اُسے زیب محل سے دور کیوں بھیجا جا رہا تھا؟ آخر اسے اتنی اچھی دوست سے جدا کیوں کیا جا رہا تھا؟ وہ یہ صرف سوچ سکتا تھا اس کے پاس ان سوالوں کے جوابات نہ تھے۔ کیونکہ ابھی وقت کو منظور نہیں تھا کہ حقیقتوں سے پردہ اٹھے...... اس لیے کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

ایام بیض چل رہے تھے۔ چودھویں کا چاند بحکم الٰہی اپنی تکمیل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ماحول میں عجیب سی اداس اور بے چینی رچی بسی تھی۔ لاکھ کوشش کے باوجود شاہ زیب کی آنکھوں سے نیند دور تھی۔ بوجھل دماغ کے ساتھ وہ آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا کہ کمرے کے دروازے پر دستک نے اسے جھنجھوڑ ڈالا رات کا ایک بج رہا تھا وارڈن' گارڈ یا پھر کوئی ملزم...... کسی کے بھی آنے کا یہ وقت نہ تھا۔

''ضرور کوئی اسٹوڈنٹ ہے؟'' وہ سوچ رہا تھا۔ موسم کی خنکی کچھ روز سے بڑھ گئی تھی۔ ٹھنڈ کے عمیق احساس نے شاہ زیب کے بدن میں سنسناہٹ پیدا کر دی تھی۔ سناٹے میں وقفے وقفے سے ہونے والی دستک دل کو دھڑکا رہی تھی۔

''کک...... کون ہے؟'' دماغ نے سوال کیا تو بے اختیار لبوں سے نکلا۔

''زرتاش......'' دروازے کے اس پار سے نسوانی آواز ابھری۔ آواز اور نام ہرگز بھی اجنبی نہ تھے۔ شاہ زیب نے حیرانگی سے گھڑیال کی سنہری سوئیوں کو دیکھا اسے اس اچانک آمد پر سخت حیرت تھی۔ وہ بجلی کی تیزی سے بستر سے نکلا اور برہنہ پا یخ بستہ فرش پر تیزی سے پیر جماتا دروازے کی جانب لپکا۔

ایامِ بیض کا چاند ہوسٹل کی بالکونی میں شاہ زیب کے کمرے کے بالکل سامنے تھا گو کہ وہ ابھی نامکمل تھا۔ مگر اس کے گرد نور کا ہالہ اسے مزید دودھیا بنا رہا تھا۔ چاند کا مدہم سا عکس ہوٹل کے کوریڈور میں بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس عکس میں بلا کی یاسیت گھلی تھی۔

''زرتاش...... تم اس وقت؟'' ایک حسین و جمیل دوشیزہ کا رات کے اس پہر اس کے کمرے کے باہر کھڑا ہونا اسے تذبذب کا شکار کر گیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے تو اسے خیال گزرا کہ وہ حالتِ خواب میں ہے۔ کیونکہ خواب میں تو زرتاش سے روز ہی ملاقات ہوتی تھی۔ یہاں آنکھ لگی اور وہاں وہ حاضر...... کسی جن زادی یا پری زاد کی طرح...... ایک رات بھی وہ اگر خواب میں نہ آتی تو شاہ زیب کی ساری رات اضطراب میں کٹتی‘ اور یہ اضطراب ایسا جان لیوا ہوتا کہ وہ ہر بات ہر چیز سے بیزار و لاتعلق سا ہو جاتا۔

’’بہت اداس تھی...... اس لیے خود کو روک نہ پائی۔‘‘ زرتاش کی آنکھوں میں جڑے چمکدار نیلم آنسوؤں کی وجہ سے جھلملانے لگے۔ شاہ زیب بچپن سے ہی ان غیر معمولی چمکدار آنکھوں کا دیوانہ تھا‘ اسے لگتا تھا کہ وہ ان آنکھوں کی نیلی جھیل میں کسی دن ڈوب جائے گا‘ اسے ان آنکھوں کی نمی بے انتہا دکھی کرتی تھی۔

’’تم روتی رہی ہو زرتاش......‘‘ ان فیروزی نگینوں میں دکھ اور نمی دیکھ کر شاہ زیب کا اپنا دل ڈوبنے لگتا تھا۔ ایامِ بیض کی پہلی رات کا چاند سیاہ آسمان کے بادلوں پر تیرتا بالکل شاہ زیب کے سامنے آ گیا تھا۔ بالکونی کے قریب ہی کھڑے دیو قامت درخت سرد ہوا کی سرسراہٹ سے جھوم رہے تھے کہ ماحول کے سکوت کو سائیں سائیں کی آواز چیر ڈالتی تھی۔

زرتاش اس سے پہلی بار ملنے نہیں آئی تھی۔ وہ جب سے ہوسٹل آیا تھا وہ اس سے کئی بار ملنے آئی تھی۔ مگر اکثر شام کو آتی اور رات ہونے سے پہلے چلی جاتی تھی۔ جب اسے زیب محل سے دور بھیج دیا گیا تھا تو دو دن بعد ہی زرتاش اس سے ملنے آئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر سخت حیران رہ گیا تھا کہ اتنی چھوٹی سی بچی یہاں تک کیسے پہنچی۔

’’تم نے مجھے کیسے ڈھونڈ لیا؟‘‘ اپنی دوست سے ملنے کی خوشی اپنی جگہ مگر حیرت اپنی جگہ تھی۔

’’تم کہیں بھی ہو گے میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔‘‘ وہ بہت فخر سے بولی تھی جیسے یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے وہ پھر سے شاہ زیب کے لیے تحائف لائی تھی اس کی پسندیدہ مٹھائی جو شاہ زیب کی کمزوری تھی اور مسحور کن خوشبو والا عطر تو لازمی ہوا کرتا تھا۔

’’نہیں زرتاش...... یہ عطر میں نہیں لوں گا۔‘‘ مٹھائی وہ کھا لیتا تھا مگر عطر کا تحفہ قبول کرتے ہوئے انجانا سا خوف دامن گیر ہوتا تھا شاید اپنے معلم کے حکم کا پاس ہوتا تھا۔

’’چلو...... لگانا مت...... مگر رکھ تو لو......‘‘ زرتاش بلا کی ضدی لڑکی تھی۔ اس بات کا اندازہ شاہ زیب کو بچپن میں تو نہیں ہوا تھا مگر اب بیس سال کی عمر میں اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ بھی اس کی ضدی طبیعت کا ایک عملی مظاہرہ تھا کہ قاری عبدالقہار نے شاہ زیب کو زرتاش سے دوستی رکھنے سے منع کیا تھا مگر زرتاش اس سب کے باوجود بھی شاہ زیب سے ملنے آتی رہی تھی۔ اکثر وہ دل کے بوجھل پن سے مجبور ہو کر زرتاش کو آنے سے روکتا تو وہ بے نیازی سے کہتی۔

’’پابندی تم پر ہے...... میرے پر تو نہیں ہے نا......‘‘ زرتاش کو قاری عبدالقہار پر بے حد غصہ تھا کہ انہوں نے شاہ زیب کو زیب محل سے دور کیوں بھیجا۔

’’یہ ان کی بھول ہے کہ وہ مجھے تم سے ملنے سے روک دیں گے۔‘‘ یہ بات کہتے ہوئے زرتاش کے ارادوں کی مضبوطی اور ضدی پن شاہ زیب کو لرزا گئی تھی۔ وہ اپنی اندرونی کشمکش سے سخت پریشان تھا ایک طرف تو قاری صاحب کا حکم اور دوسری طرف زرتاش سے دن بدن بڑھتا لگاؤ

اور وابستگی اسے بے قرار رکھنے لگی تھی۔ دل و دماغ میں ایک جنگ سی جاری تی۔ زرتاش کو دیکھے بنا اسے قرار نہیں آتا تھا۔ یہ بے قراری اسے نڈھال اور گم صم کرنے لگی تھی۔ ہوسٹل میں شاہ زیب کے متعلق پُراسراری باتیں گردش کرنے لگیں۔

''شاہ زیب کے روم سے رات کے وقت کسی سے باتیں کرنے کی آوازیں آتی ہیں۔'' یہ ہوسٹل گارڈ تھا۔

''آواز نسوانی ہوتی ہے.....'' جبکہ بوائز ہوسٹل میں کسی بھی لڑکی کا آنا ممنوع تھا۔

''شاہ زیب کے روم سے جمعرات کی شام کو بھینی بھینی سی خوشبو آتی ہے مگر تاثیر ایسی ہے کہ زیادہ دیر تنفس میں اترتی رہے تو جی متلانے لگتا ہے اور کنپٹیاں درد سے پھٹنے لگتی ہیں۔'' یہ ایک اسٹوڈنٹ کا بیان تھا۔

''شاہ زیب بہت گم صم اور الگ تھلگ رہنے لگا ہے۔'' یہ اس کے دوستوں کا انکشاف تھا۔ اکثر چودھویں راتوں میں شاہ زیب کو بالکونی میں تنہا کھڑے باتیں کرتے دیکھا گیا ہے۔ نا جانے اسے کوئی دماغی عارضہ لاحق ہوگیا ہے۔'' یہ ہوسٹل وارڈن کی رائے تھی۔

وہ ایام بیض کی غالباً پہلی رات تھی۔ زرتاش اس سے ملنے آئی تھی۔

''شاہ زیب..... یہاں کیوں کھڑے ہو اور کس سے باتیں کر رہے ہو۔'' اس وقت وارڈن راؤنڈ پر تھا۔ شاہ زیب کے روم کے سامنے سے گزر ہوا تو اسے رات کے ایک بجے یوں تنہا کھڑے دیکھ کر سخت حیرانگی ہوئی۔ شاہ زیب پر اس وقت گھبراہٹ کا سخت حملہ ہوا تھا کہ اب یہ بات سارے ہوسٹل میں پھیل جائے گی۔

مگر حیرت تھی کہ اسے وہ مجسم حسن جمال کیوں نظر نہ آئی؟

ان سب باتوں نے شاہ زیب کی ذات کے گرد اسرار کا ایسا جال بُن دیا تھا کہ ہوسٹل والے اسے مزید رکھنے پر راضی نہ تھے۔ ان کے مطابق شاہ زیب کو اس وقت تعلیم کی نہیں علاج کی ضرورت تھی سو اسے ہوسٹل سے نکال دیا گیا۔ واقعی شاہ زیب کی ذات میں کافی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ وہ ساری رات جاگتا رہتا تھا اور پائیں باغ میں تنہا چہل قدمی کرتا رہتا۔ وہ بہت اداس اور گم صم رہنے لگا تھا۔ اس کے کمرے اور لباس سے ایسی مسحور کن خوشبو آتی تھی جو پہلے تو اچھی لگتی مگر کچھ دیر بعد اثر انگیزی کا یہ عالم ہوتا کہ درد سے کنپٹیاں پھٹنے لگتیں اور جی متلانے لگتا تھا۔

☆......☆......☆

''شاہ زیب.....'' سوئی جاگی کیفیت میں اپنا نام سن کر وہ اٹھ بیٹھا۔ شام سے ہی طوفانی بارش ہو رہی تھی جو لمحہ بھر کے لیے بھی تھمی نہ تھی۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک روشن دانوں اور شیشے کے دروازوں کو لرزاتی تو ماحول میں بھیانک شور برپا ہوتا...... ابھی وہ اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ کسی نے اسے پکارا تھا کہ پھر سے صدا ابھری۔

''آؤ نا باہر.....'' ایک تو بارش کا شور اور دوسری طرف انجان صدا...... شاہ زیب کے دل میں خوف نے پنجے گاڑھ دیے۔

''کک...... کون ہے؟'' اس نے پوچھا مگر خاموشی چھائی رہی۔ مگر نا جانے کیا طاقت تھی کیا کشش تھی جو کشش ثقل سے بھی زیادہ زور آور تھی۔ اسے اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ انجانا سا سحر اسے باہر جانے پر مجبور کر رہا تھا۔ آخر اس کا بے اختیار وجود باہر نکل گیا۔ وہ نادیدہ طاقت کے زیر اثر کھنچا چلا جا رہا تھا اسے کوئی ہوش نہیں تھا۔ موسم

اور طوفان کی پرواہ کیے بغیر وہ بس چلتا جا رہا تھا۔
دالان کو برہنہ پا عبور کرتے ہوئے وہ طویل راہداری سے گزرتا زیب محل کے خارجی دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ بارش کا طوفان متواتر جاری تھا۔ شوریدہ ہوائیں اپنا آپ بے دردی سے دروازوں اور کھڑکیوں سے ٹکراتی تھیں۔ ایسا بھیانک اور دل کو چیر دینے والا شور کرتی کہ جیسے زیب محل کے غفلت میں سوئے مکینوں کو جگانے کے جتن میں تھیں۔ شاید پیغام پہنچانا چاہ رہی تھیں کہ زیب محل پر کوئی آفت ٹوٹنے والی ہے۔ جو اس طوفان سے بھی بڑی ہوگی۔
''آ جاؤ...... شاہ زیب......'' شاہ زیب کے بے اختیار قدموں کا رخ خارجی دروازے کی طرف تھا باہر تاریکی ہی تاریکی تھی کسی ڈائن کے سیاہ بالوں جیسی...... آسمان کے بادلوں کا رنگ سیاہ کول تاری ہو چلا تھا وقفے وقفے سے چمکنے والی بجلی سیاہ کول تاری بادلوں کو لمحہ بھر کے لیے سفیدی عطا کرتی تو آنکھیں اس وحشت ناک منظر کو دیکھ کر پھٹنے لگتیں۔
شاہ زیب ہولے ہولے قدم اٹھا رہا تھا۔ گویا وہ نیند میں چل رہا تھا' زیب محل کے پائیں باغ میں پہنچا تو ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ تھا۔ وہ اپنا توازن قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کرنے لگا تھا مگر کیچڑ میں پاؤں دھنس رہے تھے۔
''آؤ شاہ زیب...... اس کنویں کے پاس......'' آواز میں جادو بھرا تھا اک سحر تھا کشش تھی۔ جو شاہ زیب کے دل پر کسی سادھو کے تیر بہدف منتر کی طرح اثر کر رہی تھی۔ وہ بس چلتا جا رہا تھا۔ دھیرے دھیرے ہولے ہولے...... کہ اسی پل اچانک گر پڑا۔ سارا لباس کیچڑ زدہ ہو گیا تھا۔ مگر وہ آواز مسلسل آ رہی تھی۔ شاہ زیب پھر سے کھڑا ہو گیا۔ وہ اب بالکل کنویں کے قریب تھا۔ نڈھال و بے اختیار شاہ زیب کا وجود کنویں کی بلند و بالا دیوار سے لگی دو تین قدم کی سیڑھیوں پر پیر جمانے لگا مگر برہنہ پا ہونے کی وجہ سے توازن برقرار نہ رکھ پایا۔ اس سے پہلے کہ وہ کنویں کے اندر گر جاتا...... فضاء میں زوردار چیخیں بلند ہوئیں اور وہ ہوش سے بیگانہ ہو گیا شاید جنونی ہواؤں نے زیب محل کے مکینوں کو جگا ڈالا تھا۔

☆......☆......☆

اُس بھیانک رات تو زیب محل کا اکلوتا جانشین بچ گیا تھا۔ مگر ایام بیض کی اگلی دو راتوں میں جب چاند تکمیل تک پہنچتا۔ شاہ زیب ہر بار اسی کنویں کے پاس بے ہوش ملتا۔ یہ بات شاہ زیب کے والدین کے لیے باعث تشویش تھی۔ کسی کا خیال تھا کہ شاہ زیب کو کوئی دماغی بیماری ہو گئی ہے۔ یا پھر اسے نیند میں چلنے کی بیماری ہے۔ اس معاملے میں اگر کسی کی رائے مختلف تھی تو وہ زیب محل کی بوڑھی ملازمہ کی تھی۔ وہ بہت زیادہ معمر بھی تھی اور جہاں دیدہ بھی۔
''بیگم صاحبہ...... چھوٹے صاحب پر کسی 'اوپری' چیز کا قبضہ معلوم ہوتا ہے۔'' ایک روز ڈرتے ڈرتے اس نے اپنی سوچ جہاں آراء کے سامنے رکھی دی۔
''تم کیسے یہ بات بنا ثبوت کے کہہ سکتی ہو؟''
جہاں آراء کی سوچ احمد علی خان سے مختلف تھی۔ وہ اس مخلوق کے وجود کو مانتی تھی اور یقین بھی رکھتی تھی کہ انسانوں کے علاوہ اور بھی مخلوقات وجود رکھتی ہیں اور جنات کا ذکر تو قرآن پاک میں آیا ہے بلکہ ایک سورۃ کا نام بھی اس مخلوق کے نام پر ہے۔ زیب محل جب خریدا جانے لگا تو تب ان باتوں

نے جہاں آراء کو پریشان کیا تھا۔
''زیب محل پہ نادیدہ مخلوق کا قبضہ ہے۔'' مگر پھر سب کی پسند دیکھتے ہوئے وہ خاموش تو ہوگئیں مگر وہم دل کے نہاں خانوں میں پنجے گاڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔ مگر اب پھر یہ باتیں بے چین کرنے لگی تھیں کیونکہ اب معاملہ اکلوتے بیٹے کی زندگی کا تھا۔ جو پچھلی تین راتوں میں مرتے مرتے بچا تھا۔
''بیگم صاحبہ...... میں نے چھوٹے صاحب کو بچپن میں......'' اور پھر بوڑھی ملازمہ نے شاہ زیب کے بچپن کے وہ واقعات بتا ڈالے جو اس نے ابھی تک کسی کو نہیں بتائے تھے۔
''چھوٹے صاحب...... اکثر کنویں کے پاس اکیلے باتیں کرتے نظر آتے تھے۔''
''اُن کے پاس بہت قیمتی تحفے ہوا کرتے تھے۔'' اور پھر ملازمہ نے وہ قصہ بھی بیان کر ڈالا جو عطر لگانے پر عبدالقہار ناراض ہوئے تھے اور وہ عطر کی شیشی کنویں میں پھینک دی تھی۔ شاہ زیب کو زیب محل سے دور رکھنے میں بھی یہی باتیں کارفرما تھیں کہ قاری عبدالقہار کے مطابق وہ جتنا یہاں سے دور رہے گا اتنا ہی ان اثرات سے دور رہے گا۔
''تم نے کبھی شاہ زیب سے پوچھا تھا کہ وہ کنویں کے پاس کس سے باتیں کرتا تھا۔'' جہاں آراء کا دل بے حد ڈر گیا تھا۔
''جی میں نے پوچھا تھا تو انہوں نے بتایا کہ میری دوست ہے جو نیلی آنکھوں والی بچی ہے۔'' شاہ زیب نے معصومیت سے بتایا تھا۔
''تم نے پہلے یہ سب کیوں نہیں بتایا تھا؟'' جہاں آراء کو سخت غصہ آ رہا تھا کہ ملازمہ نے اتنی اہم باتیں کیوں چھپائیں کہ اب بات یہاں کہاں پہنچ گئی تھی۔

''وہ جی...... بڑے صاحب کی وجہ سے وہ ان باتوں کو نہیں مانتے نا...... اگر میں اُس وقت ایسی کوئی بات بتا دیتی تو ہوسکتا ہے وہ مجھے نوکری سے نکال دیتے۔'' بوڑھی ملازمہ کا خوف بھی اپنی جگہ درست تھا۔
''بیگم صاحب ہونا ہو...... وہ بچی یا تو جن زادی ہے یا پھر کوئی پری زاد ہے۔'' بوڑھی ملزمہ نے دل کی بات کہہ ڈالی۔ جہاں آراء دکھ اور پریشانی کے مارے رونے لگی تھیں۔
''بیگم صاحبہ...... آپ پریشان نہ ہوں حیدرآباد میں ہی ایک درگاہ ہے جہاں ایک اللہ والی بیٹھتی ہے...... ہر جمعرات کو...... ایسے لوگوں پر جن چیزوں کا بھی قبضہ ہو وہ فوراً بتا دیتی ہے۔''
جہاں آراء کو جمعرات کا بے چینی سے انتظار تھا۔ احمد علی خان کو انہوں نے اس بارے کچھ نہیں بتایا تھا جانتی تھیں کہ وہ منع کر دیں گے۔ مگر جہاں آراء اب اور دیر نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ آگے ہی بہت دیر ہوگئی تھی۔ ان دنوں میں شاہ زیب بھی بہت بے چین و بے قرار تھا۔ غصہ، چیخنا چلانا اور توڑ پھوڑ وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔
''مجھے کہیں نہیں جانا آپ کے ساتھ......''
شاہ زیب نے تیز دھار خنجر سے کئی بار نہ صرف ماں پر حملہ کیا بلکہ خود کو بھی زخمی کرنے کی کوشش کی۔ چلتی گاڑی سے بارہا چھلانگ لگانے کی کوشش کی مگر گارڈ نے ناکام بنا دی۔
''تیرے بیٹے پر جن زادی عاشق ہوگئی ہے۔'' شاہ زیب پر پہلی نظر ڈالتے ہی اس اللہ والی نے صاف بتا دیا۔
''اس کا کوئی علاج تو ہوگا۔'' جہاں آراء لرزتی آواز میں بولی۔ ان کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ زیب محل کی ساری نحوست ان کے

بیٹے پر آ جائے گی۔

''وہ بہت طاقتور ہے...... اس کا پیچھا اتنی آسانی سے نہیں چھوڑے گی۔'' اللہ والی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر جہاں آراء رونے لگی تھیں۔ اکلوتے بیٹے کی زندگی خطرے میں گھری تھی۔ شاہ زیب اس سارے وقت میں غضبناک چہرہ لیے اور سرخ انگارہ آنکھوں سے اللہ والی کو گھور رہا تھا۔ وہ بار بار منہ سے انتہائی بھیانک آوازیں نکال کر وہ رسیاں توڑنے کی کوشش کر رہا تھا جو اللہ والی نے باندھ دی تھیں وہ بھرپور کوشش کر کے اپنے آپ کو آزاد کروا کر اللہ والی پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔

''لو...... یہ دھاگہ...... اس کی دونوں کلائیوں پر باندھ دو...... اگر ایام بیض تک جن زادی انہیں کھول نہ پائی تو تمہارا بیٹا اس کی قید سے آزاد ہو جائے گا ورنہ......!''

☆......☆......☆

ایام بیض میں چودہ دن تھے۔ اور یہ چودہ دن زیب محل کے مکینوں کے لیے کسی آزمائش سے کم نہ تھے۔ یہ وہ وقت تھا جو ان کے اور زرتاش کے درمیان فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ اللہ والی کے مطابق زرتاش شاہ زیب کو اپنے ساتھ لے جانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی عشق کی اس جنگ میں اسے کسی کی جان بھی لینی پڑی تو وہ یہ بھی کر گزرے گی۔ وہ عشق زادی جو ابھی تک زیب محل کے مکینوں سے پوشیدہ رہی تھی اب اپنا آپ ان پر عیاں کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

سیاہ رنگ کی بلی جو عام بلیوں کی نسبت جسامت میں بڑی تھی۔ اس کی آنکھوں کا رنگ نیلا تھا۔ وہ زیب محل میں کافی دنوں سے نظر آ رہی تھی۔ دن بھر وہ کنویں کی منڈیر پر بیٹھی رہتی اور راتوں کو زیب محل کی راہداریوں میں پھرتی روتی رہتی' یہ آوازیں سن کر شاہ زیب بے چین ہو جاتا تھا۔

''مجھے یہ بلی نہیں وہی بلا لگتی ہے۔'' سرونٹ کوارٹر میں بوڑھی ملازمہ کی سماعتوں سے بلی کی آواز آر پار ہوئی تو اس کے دل میں خیال آیا۔ وہ دبے پاؤں باہر نکل آئی۔ اس کے قدموں کا رخ شاہ زیب کے کمرے کی طرف تھا۔ جہاں سے بلی کے رونے کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ وہ نہ صرف رو رہی تھی بلکہ اپنے تیز اور نوکیلے ناخنوں سے کمرے کے دروازے کو کھرچ رہی تھی۔

دروازہ باہر سے لاکڈ تھا ورنہ بلی کی آوازوں پر شاہ زیب ابھی تک باہر آ چکا ہوتا۔ بوڑھی ملازمہ کی نظر بلی پر پڑی تو عالم طیش میں ڈنڈے کا بھرپور وار اس کے سر پر کیا۔ بلی ایک فلک شگاف چیخ مار کر فرش پر گر پڑی۔ بوڑھی ملازمہ کا خیال تھا کہ شاید یونہی وہ زیب محل کے مکینوں کو اس جن زادی کے چنگل سے نجات دلا دے گی۔ مگر یہ محض اس کی بھول ہی تھی۔ عشق زادی کے سر پر عشق سوار تھا اس سے چھٹکارہ اتنی آسانی سے کہاں ممکن تھا۔

چند لمحوں کے لیے زیب محل پر گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ مگر یہ عارضی تھا سرونٹ کوارٹر سے ایکدم چیخوں کا طوفان بلند ہوا تھا۔ بوڑھی ملازمہ مردہ حالت میں پائی گئی تھی یوں جیسے کسی بلا نے اسے پنجوں سے ادھیڑ ڈالا ہو۔ ملازمہ کی موت کی کیا وجہ تھی؟ اسے کس نے یوں بے دردی سے قتل کیا تھا۔ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

ہاں اس دن کے بعد وہ نیلی آنکھوں والی بلی دوبارہ دکھائی نہ دی تھی۔ مگر زیب محل میں مختلف

نوعیت کے پُر اسرار واقعات رونما ہونے لگے۔ کبھی محل کے کسی گوشے میں اچانک آگ بھڑک اٹھتی کبھی کوئی قد آور ہیولہ آگ کے گولے پھینکتا ہوا دکھائی دیتا۔ کبھی اژدھا پھنکارتا دکھائی دیتا اور دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جاتا۔ کسی کو سوتے ہوئے محسوس ہوتا کہ کوئی اس کا گلا دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کسی کو سیڑھیوں سے دھکا دے کر زخمی کر دیا جاتا۔

گو کہ عشق زادی زرتاش انتقام پر اتر آئی تھی ۔زیب محل کے مکین جو اس نادیدہ مخلوق کے وجود کے انکاری تھے۔ اس بھیانک تجربے سے گزرنے کے بعد ماننے پر مجبور ہو گئے تھے۔

''ابا جان...... میں تو کہتی ہوں اگر جنات کا مسکن یہ کنواں ہے تو اسے آگ لگا دی جائے۔''

یہ شاہ زیب کی بڑی بہن تانیا تھی۔ جو زرتاش کے انتقام کا نشانہ بن کر سیڑھیوں سے گر کر بری طرح سے زخمی ہوئی تھی۔ اس کی بھی یہی خواہش تھی کہ زیب محل اور شاہ زیب کو ہمیشہ کے لیے اس عفریت سے نجات مل جائے۔ احمد علی خان نے اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے ملازموں کو ہدایت کر دی کہ اس منحوس کنویں کو جلا دیا جائے۔

مگر عین موقع پر ایک بڑا سیاہ رنگ کا ناگ نظر آیا جو کنویں کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ نیلا تھا۔ وہ اس قدر خوفناک تھا کہ اس کی پھنکار سے زیب محل کے در و دیوار لرز اٹھے تھے۔ اس نے کئی ملازموں کو ڈس لیا تو باقیوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ زیب محل پر خوف کے سیاہ بادل چھا گئے وہ چاہ کر بھی اس کنویں سے نجات حاصل نہ کر سکے تھے۔

''خان صاحب میرا مشورہ ہے کہ شاہ زیب کی شادی کر دی جائے۔'' یہ زیب محل کا خاندانی معالج ڈاکٹر تھامسن تھا جو ان باتوں کا بالکل بھی قائل نہ تھا۔ اس کے مطابق دنیا بہت ترقی کر چکی ہے یہ باتیں صرف قصے کہانیوں تک رہ گئی ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ویسے بھی بطور معالج وہ اس بات کے حق میں تھا کہ اگر ایسے شخص کی شادی کر دی جائے تو وہ ان توہمات سے نجات حاصل کر لے گا کہ کوئی اَن دیکھا وجود اس پر عاشق ہے۔

ڈاکٹر تھامسن یہ مشورہ دے کر فارغ ہو گئے مگر انہیں اندازہ بھی نہ تھا کہ یہ مشورہ انہیں زندگی سے آزاد کر دے گا۔ واپسی پر ان کی گاڑی کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا اور گاڑی گہری کھائی میں جا گری۔ زیب محل کا ایک اور ہمدرد موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

مشکلات و مصائب نے تو زیب محل میں جیسے ڈیرے ڈال لیے تھے۔ جوں جوں چاند ایام بیض میں داخل ہو رہا تھا کوئی نہ کوئی ناخوشگوار واقعہ ہو جاتا تھا۔ جہاں آراء اسی خوف و ہراس میں گھری پریشان بیٹھی تھیں کہ ایک انتہائی ضعیف و کمزور آواز جس میں بے حد درد تھا سماعتوں کے آر پار ہوئی۔

''ہے کوئی جو مجھ بھوکی کو کھانا کھلا دے۔''

پھٹے پرانے کپڑوں اور کھچڑی زدہ بال وہ بے حد ضعیف عورت تھی جس کی کمر کسی کمزور شاخ کی طرح مکمل جھکی تھی۔ لکڑی کے موٹے سے ڈنڈے کے سہارے چلتے ہوئے وہ لرز رہی تھی وہ بولتی تو الفاظ لرز رہے تھے۔ اس کی شخصیت میں کچھ نمایاں تھا وہ اس کی غیر معمولی چمکدار نیلی آنکھیں تھیں۔

''بیٹے کی وجہ سے پریشان ہو؟'' کانپتی

بوڑھی آواز میں بولتے ہوئے وہ جہاں آرا کو حیران کر گئی تھی۔ لرزتے ہاتھوں سے لقمہ منہ تک لے جاتے ہوئے وہ بیسیوں بار گرا چکی تھی۔ ابھی وہ غور وفکر میں مبتلا اس کی آنکھوں کی نیلاہٹوں پر نظر جمائے تھیں کہ ایک اور بات متحیر کر گئی۔

''جن زادی زرتاش عاشق ہے اس پر۔'' یہ بات ایسی تھی جو صرف زیب محل کے مکین جانتے تھے یا پھر وہ 'اللہ والی' یہ تیسرا انجان شخص جس سے پہلی بار ملاقات ہو رہی تھی کیسے جان گیا تھا۔ تعجب کی بات تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہی ہو سکتی تھی کہ حلیے سے بظاہر بدحال نظر آتی یہ عمر رسیدہ' کمر خمیدہ بوڑھیا ضرور 'گیانی' تھی۔ اس کی کوئی باطنی آنکھ ضرور روشن تھی۔

''تمہیں کیسے علم؟'' جہاں آرا کے سوال پر وہ ہولے سے مسکرائی تو بکھرے بالوں میں سے جھانکتی عجیب سا اسرار نظر آیا تھا۔ اس کی آنکھیں غیر انسانی سی تھیں۔

''مجھے سب پتہ ہے۔'' اور پھر کپکپاتے الفاظ کے سہارے وہ انکشافات پر انکشافات کرتی گئی۔

''شاہ زیب پر بچپن سے ہی جن زادی عاشق ہے۔'' یہ بات جہاں آراء کو حیرتوں کے سمندر میں غرق کرتی چلی گئی تھی۔ جیسے انسان کے ساتھ اُس کا ہمزاد رہتا ہے یا پھر سایہ...... وہ شاہ زیب سے محبت نہیں عشق کرتی ہے۔ زرتاش بہت طاقتور ہے کہ کسی کے قابو نہیں آئے گی۔ اس پر ہر ٹونہ منتر بیکار ہے۔ شاہ زیب کو اس اللہ والی کے دیئے دھاگے باندھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

''وہ دھاگے کھول لے گی۔'' اس کی غیر انسانی نیلی آنکھوں میں عجیب سی وحشت اتر آئی تھی۔ جہاں آراء تو جیسے سکتے میں آگئیں۔

''اُسی کے ہاتھوں وہ اللہ والی ماری جا چکی ہے۔ وہ زیب محل کے ایک ایک فرد کو مار ڈالے گی مگر تمہارے بیٹے کا پیچھا پھر بھی نہیں چھوڑے گی۔'' چند روز پہلے بیگم جہاں آراء نے یہ خبر سنی تھی کہ گزشتہ روز آندھی چلی تھی۔ ایک مضبوط تناور درخت نہ جانے کیسے اس اللہ والی پر آ گرا اور وہ مر گئی۔ مریدوں کا کہنا تھا کہ یہ کسی نادیدہ قوت کی کارستانی تھی۔

''اس مشکل سے نجات کا کوئی تو راستہ ہوگا؟'' پریشانی وخوف کے عالم میں جہاں آراء کو وہ بوڑھی عورت کوئی نجات دہندہ لگ رہی تھی۔

''ہاں ایک حل ہے۔'' اس بڑھیا نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے میلے بوسیدہ چوغے میں سے ایک بیش قیمت پتھر 'زبرجد' کی انتہائی خوبصورت انگوٹھی نکالی۔ اس کے مطابق یہ ایک طلسماتی انگوٹھی تھی۔ اس انگوٹھی کے بہت سے موکلات محافظ تھے۔ کوئی نادیدہ مخلوق یا پھر اوپری اثر اس کے مالک پر اثر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ شخص اب ہر طرح کی شرانگیزی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

''مگر پہلے اس کے دھاگے اتار دینا۔'' بڑھیا کہہ کر جا چکی تھی۔ جہاں آراء نے اس کی ہدایت کے مطابق وہ دھاگے اتار کر انگوٹھی شاہ زیب کے دائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں پہنا دی۔

☆......☆......☆

ایام بیض کی پہلی رات کا چاند آسمان کے عین وسط میں آ چکا تھا۔ زیب محل کے پائیں باغ میں یوں چراغاں ہو رہا تھا کہ روشن دیوں سے آراستہ وہ کنواں بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ وہ چراغاں اگر انسانی آنکھ دیکھ لیتی تو چندھیا جاتیں۔ کنویں کے منڈیر پر بڑے بڑے چراغ روشن تھے یوں جیسے کسی شادی کا سماں تھا۔

''ایک جن زادی اور خاک زادے کی شادی۔'' فضاء میں تیرتے چراغوں نے دونوں کے اردگرد نور کا ہالہ سا بنا دیا تھا۔ زرتاش ایام بیض سے پہلے دھاگے کھلوا کر شاہ زیب کو پا لینے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

کچھ بہت غلط اور انہونی کے احساس نے زیب محل کے مکینوں کو جگا ڈالا تو یہ روشنیوں کا سماں انہیں ورطۂ حیرت میں ڈال گیا۔ زیب محل کا جانشین شہزادے کی سی آن بان لیے ایک خوبصورت دوشیزہ جو دلہن بنی تھی اس کے ساتھ بیٹھا گرد و پیش سے بیگانہ تھا کہ جیسے وہ ان کی دنیا کا فرد ہی نہ تھا۔

یہ منظر دیکھ کر جہاں آراء تو دھاڑیں مار مار کر رو پڑیں ضرور ایسی کوئی غلطی سرزد ہوگئی تھی جو ان کا بیٹا پھر سے زرتاش کی قید میں چلا گیا تھا۔ وہ شاہ زیب کو پکارتے ہوئے اس کی طرف بڑھیں تو ان کے درمیان آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔

زرتاش نے آگ کا حصار بنا دیا تھا کہ کوئی ان تک پہنچ نہ پائے۔ وہ عشق زادی بظاہر اپنا عشق حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی کہ ایک زوردار آواز فضا میں گونجی۔

''باز آجا اے سرکش جن زادی۔'' یہ قاری عبدالقہار تھے۔ شاہ زیب کے معلم تھے۔ آیاتِ قرآنی جلالی انداز میں پڑھتے ہوئے انہوں نے مٹھی بھر خاک ہاتھ میں اٹھائی آیات کا دم کرتے ہوئے ان کی طرف اچھال دی۔

فضا میں ایک بھیانک دلدوز نسوانی آواز بلند ہوئی جیسے بہت سارے شہاب ثاقب زمین سے ٹکرا گئے ہوں۔ اس بھیانک شور کے بعد مکمل خاموشی اور تاریکی چھا گئی۔ شاہ زیب بے ہوش ہو کر گھاس کے نم فرش پر گر پڑا۔ کچھ دیر بعد منظر واضح ہونے لگا تو اس سے چند قدموں کے فاصلے پر ایک کمزور سی لڑکی جس کا چہرہ اور بدن زخموں سے چور تھا۔ وہ یوں درد سے کراہ رہی تھی کہ جیسے بہت بے دردی سے مارا گیا ہو۔ قاری عبدالقہار مسلسل ورد کرتے جا رہے تھے۔ ان کے پڑھنے سے زرتاش کے چہرے کی اذیت مزید بڑھ جاتی تھی۔

''تجھے حکم دیا تھا کہ باز رہ...... مگر تو سرکش اور نافرمان باز نہ آئی۔'' عبدالقہار سخت غصے میں تھے۔ وہ شاہ زیب کے قریب بیٹھ گئے۔ زرتاش کی کربناک نظریں شاہ زیب پر ہی جمی تھیں اسے شاہ زیب کو نہ حاصل کرنے کا غم رُلا رہا تھا۔

''میں...... شاہ زیب کو نہیں چھوڑ سکتی۔'' اس کے لفظوں میں آہیں تھیں۔ زخموں سے چور بدن سرکش اور ہٹ دھرم نظر آ رہا تھا۔

قاری عبدالقہار کو پچھلے کئی ماہ سے شاہ زیب کے متعلق پریشان کن خواب نظر آ رہے تھے انہوں نے کشف کے ذریعے اپنے چہیتے شاگرد کی حالت معلوم کی تو انکشاف ہوا کہ وہ مکمل طور پر زرتاش کے قبضے میں تھا اور یہ سب کچھ زرتاش نے اسی طلسماتی عطر کے ذریعے کیا تھا جسے بچپن میں ہی عبدالقہار نے شاہ زیب کو لگانے سے منع کیا تھا۔ مگر جب بالغ ہوا تو زرتاش کے اصرار پر لگانے لگا۔ اگر کبھی نہ لگاتا تو اپنے پاس رکھ لیتا۔

اس عطر کی یہ خاصیت تھی کہ اس کے لگانے سے شاہ زیب کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بالکل ختم ہوگئی تھی۔ اسے ہر طرف زرتاش ہی نظر آتی تھی۔ زرتاش کو دیکھنے اور اس سے ملنے کی بے قراری رہتی تھی۔

''عشق سر... سکھاتا ہے۔'' ایک بھسم کر دینے والی نگاہ اس کے زخمی وجود پر ڈالتے ہوئے قاری صاحب غضبناک انداز میں بولے تھے۔ شاہ زیب

کاسران کی گود میں تھا وہ ابھی تک بے ہوش تھا اس بات سے قطعی لاعلم کے بچپن سے لے کر وہ جوانی تک اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ زیب محل کے باقی مکین بھی پہنچ گئے تھے۔ آج پہلی بار وہ زرتاش کو ظاہری آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔ جس نے زیب محل میں عرصہ دراز سے تباہی مچا رکھی تھی۔

کشف کے ذریعے ہی عبدالقہار کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ زرتاش نے شاہ زیب کی خاطر زیب محل والوں کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ ناگن بن کر بے گناہ لوگوں کو ڈسا' بلی کی شکل میں آ کر بوڑھی ملازمہ کو بے دردی سے مار ڈالا' اللہ والی کے اوپر درخت گرایا۔ ڈاکٹر تھامسن کو بھی انتقام کا نشانہ بنایا زرتاش عمر رسیدہ بڑھیا کے روپ میں آئی تھی تاکہ شاہ زیب کے دھاگے کھلوا کر انگوٹھی پہنا سکے۔

''میں مجبور ہوں۔'' اس کے اندازِ گفتگو سے بے دلی جھلک رہی تھی اور عشق سے بغاوت شاہ زیب کو ہوش آ چکا تھا۔ وہ حیرت سے اپنے اردگرد سب کو دیکھ رہا تھا۔ زرتاش کو وہ اجنبی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ جس کی نیلی چمکدار آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ جو ہمیشہ سے شاہ زیب کی کمزوری رہے تھے۔ وہ جو شاہ زیب کے لیے ساری دنیا کو تہس نہس کر دینا چاہتی تھی وہ اس کو پہچان تک نہیں رہا تھا۔

''اس لڑکی کو جانتے ہو شاہ زیب...... اس کا نام؟'' ناسمجھی سے ایک نظر قاری عبدالقہار پر ڈالتے ہوئے دوسری نگاہ زرتاش پر ڈالتے ہوئے نفی میں سر کو جنبش دی کہ جیسے وہ بہت عرصے بے خبری میں رہا تھا آج ہوش میں آیا ہے اور اس لڑکی کو زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

زرتاش نے اپنی بے پناہ طاقت سے اسے

جب جاگ گیا وہ

بنائی میں نے اِک تصویر

بہت سارا وقت لگا کر

پھر جاگ گیا وہ

پہلے دِن غائب ہو گیا آسمان

دوسرے دِن پہاڑ

چوتھے دِن جنگل

پانچویں دِن تُم

اور چھٹے دِن میں

ایک سفید کاغذ باقی رہ گیا فریم میں

دیوار پر سجا

پھر آرام کیا اُس نے ساتویں دن

اور میں بھی سو گئی

خواجہ رضی حیدر

بچپن سے ہی اپنے قابو میں کرلیا تھا۔ وہ اسے مٹھائی اور عطر دیتی تھی جس کی یہی تاثیر تھی کہ شاہ زیب اس کے لیے بے قرار رہے۔ لمحہ بھر کی دوری اسے نڈھال کر دیتی تھی۔ آگ کے خاک سے عشق کی ایک اور وجہ شاہ زیب کی بے پناہ خوبصورتی تھی۔ وہ مردانہ وجاہت کا نمونہ تھا۔ جسے دیکھتے ہی زرتاش دیوانی ہوگئی تھی۔

''کچھ بھی ہو جائے میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔'' وہ ایکدم باغی لہجے میں بولی تھی کہ زیب محل کے مکین خوفزدہ ہوئے اور قاری عبدالقہار اشتعال میں آگئے۔

''تو پھر تجھ سرکش کی سزا موت ہے۔'' جلال میں آتے ہوئے انہوں نے مٹھی میں مٹی بھری اور آنکھیں بند کرکے پڑھنے لگے۔ ان کے پڑھنے سے عشق زادی تڑپ رہی تھی۔ دردناک انداز میں کراہتے ہوئے وہ کرب سے آنکھیں بند کررہی تھی مگر ابھی بھی اپنی شکست کا اقرار نہیں کررہی تھی۔

''میں......نن......نہیں چھوڑوں گی اِسے۔'' وہ ٹوٹے بکھرے الفاظ میں بولی۔ عبدالقہار کی مٹھی میں مٹی کا رنگ سرخ ہوگیا تھا۔ انہوں نے آج ارادہ کرلیا تھا زرتاش کے مکمل خاتمے کا...... ابھی مٹی پر پھونک مار کر وہ زرتاش کی جانب پھینکنے لگے تھے کہ انہیں لگا کہ جیسے انہیں روک دیا گیا ہو۔ وہ آنکھیں بند کر کے حالت مراقبہ میں چلے گئے۔

''مجھے منظور ہے۔'' کچھ دیر خاموشی کے بعد عبدالقہار کی بارعب آواز گونجی۔

''مگر مجھے منظور نہیں۔'' اسی پل عشق زادی بھی چلائی تھی کہ سب متوجہ ہوئے عبدالقہار کس سے ہم کلام تھے اور عشق زادی کو اس حالت میں بھی کیا منظور نہ تھا۔ سب حیران تھے۔ عبدالقہار نے عالم طیش میں کچھ مٹی اس کی طرف پھینکی تو وہ بلبلا اٹھی کہ جیسے کسی نے آگ کے وجود کو آگ کا کوڑا مار دیا تھا۔ وہ رونے لگی تھی۔

وہ اسے استفہامیہ نگاہوں سے گھور رہے تھے کہ ابھی سرکشی باقی ہے یا جلا کر بھسم کر ڈالوں۔

''ٹھیک ہے میں اپنی دنیا میں چلی جاتی ہوں۔'' اپنے زخمی وجود کو لیے اس نے حسرت بھری نگاہوں سے شاہ زیب کو دیکھا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی خاک سے عشق کی یہی سزا ہے کہ آگ کو دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی نیلی آنکھوں میں دکھ تھا۔ جبکہ شاہ زیب کی آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔ زرتاش نے اپنا زخمی ہاتھ بلند کیا اور اس دائیں گال کو چھولیا شاہ زیب کے لبوں سے چیخ بلند ہوئی عشق زادی جا چکی تھی اسے اپنی محبت کی نشانی دے کر......

☆......☆......☆

عبدالقہار جب حالت مراقبہ میں تھے تو زرتاش کے بڑے معافی مانگنے آئے تھے۔ ان کی معافی تلافی سے عبدالقہار نے زرتاش کی جان بخش دی۔ مگر اندازہ نہیں تھا کہ جاتے جاتے وہ شاہ زیب کو یہ نقصان پہنچا جائے گی۔

آج اس قصے کو سات برس بیت گئے ہیں مگر ایام بیض کی سیاہ راتوں میں عشق زادی کا دیا داغ شاہ زیب کو بے قرار کر دیتا ہے اس کا گال دہکنے لگتا ہے کہ جیسے اس میں آگ بھر گئی ہو۔ اس داغ کی جلن صرف کنویں کے پانی سے دور ہوتی ہے جو ان مخصوص راتوں میں پانی سے بھر جاتا ہے۔ ورنہ وہ کنواں سدا خشک ہی رہتا ہے یہ بدنما داغ دے کر وہ سرکش عشق زادی عشق سے دستبردار ہونے کا بدلہ لے گئی تھی کہ جو میرا نہیں ہوا وہ اپنی بدصورتی کی وجہ سے عمر بھر کسی اور کا بھی نہ ہو سکے گا۔

□□......❁......□□

سورۃ یٰسین کی برکت



حسینہ لڑکی ان کا راستہ روکے کھڑی تھی، رات گہری تھی اور ہر جانب سناٹوں کا راج تھا......

فدا شاہین بھٹی

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے۔ میں اور شیرو، صدیق، مشتاق، قادر کبڈی کھیل رہے تھے۔ مشتاق بولا۔

"مجھے ایک بات یاد آگئی ہے۔" میں نے کہا۔

"جلدی بتاؤ پھر دیر کس بات کی......"

"مجھے کنڈیرا ملا تھا اور وہ کہہ رہا تھا ہمارے گاؤں آکر ہم سے کبڈی کا کھیل کھیلنے کا مقابلہ کریں گے۔" میں نے کہا۔

"ہماری ٹیم اور اُن کی ٹیم ایک دوسرے کے خلاف کھیلیں گے اور مقابلہ سخت ہوگا۔" صدیق نے مشتاق کو کہا۔

"آپ نے اُن کو کیا جواب دیا۔"

"میں نے بھی حامی بھرلی ہے۔ لیکن مقابلے کا دن نہیں بتایا صرف اتنا کہا دوستوں سے مشورہ کر کے بتاؤں گا۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"کبھی کبھار تم عقل سے کام کر لیتے ہو ہم ضرور جائیں گے کبڈی کھیلنے......" مشتاق نے کہا۔

"آتے وقت مجھے کنڈیرا نے بتایا کہ ہم کبڈی رات کو کھیلتے ہیں اس لیے مقابلہ رات کو ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے...... چاند کی چودھویں رات کو مقابلہ ہوگا اور یہ پیغام صبح کو تم ضرور بھیج دینا، باقی اپنے دوستوں کو بھی ہوشیار کرو اور وہ چودھویں یعنی چاند کی چودھویں تک ہر رات کو میدان میں آکر کھیلیں ورنہ شکست ہمارا مقدر ہوگی۔"

ٹیم کا کپتان سجاول تھا اور دوسری ٹیم کا کپتان صدیق تھا۔ کنڈیرا کی ٹیم کے کھلاڑیوں کے نام سجاول، کنڈیرا، رفیق، شاہد اور منیر تھا۔ جبکہ صدیق کی ٹیم کے کھلاڑیوں کے نام صدیق، لطیف، مشتاق ناز، شیرو اور معشوق، اب مزہ آئے گا کیونکہ نیلا شرارتی اور رونقی ہے۔ سجاول نے کہا۔ ہمارے سرائیکستان کے مشہور ادیب، غلام حسین راہی گبول کا ناول، سجن دشمن اور عاشق پروانہ کی شاعری کی کتاب تجھے پڑھ کر سنائیں گے۔ شاہد نے کہا۔

"یار میرے پاس سچی کہانیاں ڈائجسٹ ہے وہ بھی پڑھیں گے۔" کچھ دیر بعد شاہد نے مجھے سچی کہانیاں ڈائجسٹ دیتے ہوئے کہا۔



''اس میں خوفناک کہانیاں ہیں۔کہیں پڑھ کر ڈر نہ جانا۔'' مشتاق ہنستے ہوئے بولا۔

''سچی کہانیاں میگزین لطیف پڑھ کر سنائے گا۔ کیونکہ پورے علاقے میں سب سے زیادہ سینئر لکھاری ہیں اور غلام حسین راہی' کی کتابیں لوگ شوق سے پڑھتے ہیں جیسے کہ سرائیکی اخبار جھوک واسیب میں پڑھتے ہیں۔ہم کتابوں کے پڑھنے اور سننے میں مصروف تھے کہ سجاول نے آ کر کہا۔

''یارو...... سجن دشمن ناول پڑھنا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''یار...... واقعی راہی صاحب نے ناول لکھ کر حقیقت کا رنگ بھر دیا۔'' رفیق نے کہا۔

''ناول لکھنا اتنا آسان نہیں کہ ہر شخص ہی ناول لکھنے بیٹھ جائے۔'' سجاول بولا۔

''کھانا تیار ہے اندر کمرے میں دسترخوان لگ چکا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''باہر کھانا بھوت کھا جائیں گے کہ اندر کمرے میں لگایا ہے۔'' صدیق نے اندر جاتے ہی بجی کا پیس اٹھا کر کھانا شروع کر دیا تو منیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تمہیں سب سے زیادہ بھوک لگی تھی ہمیں معلوم بھی نہیں ہوا۔'' صدیق غٹاغٹ کر کے بجی کے بعد بوتل بھی پی گیا اور سب لوگ اُسے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔رفیق نے کہا۔

''تمہارے خیال سے صدیق نہ کھائے اور کیا بجی کو جن بھوت کھائیں گے۔'' اس بات پر سب ہنس پڑے۔مشتاق مزاحیہ انداز میں بولا۔

’’یہ بھی جن ہے دیکھتے نہیں اس کا پیٹ بھی پھولتا جارہا ہے۔‘‘ اتنے میں چائے آ گئی۔ چائے پینے کے بعد ہم سب گراؤنڈ پہنچ گئے۔ مقابلہ سخت تھا اس لیے ہر کھلاڑی نے اپنی ذہانت سے داؤ پیچ لگائے۔ آخر کار ہم کبڈی میچ جیت گئے۔ تو سجاول نے ہمارے سونے کا بندوبست کیا۔ برگد کے درخت کے نیچے...... میں نے شور مچانا شروع کر دیا۔

’’میں گھر لازمی جاؤں گا۔‘‘ کنڈیرا نے کہا۔

’’پاگل ہو گیا ہے رات کے 3 بجے واپس جائے گا۔‘‘ سجاول نے کہا۔

’’دریائی علاقہ ہے اور چڑیلیں رات کو اکیلے شخص پر حملہ کر دیتی ہیں۔‘‘ کالا نے کہا۔

’’تمہیں معلوم نہیں لطیف ضدی ہے اور وہ ضرور جائے گا۔‘‘ مشتاق نے شیرو سے کہا۔

’’آپ اس کے ساتھ جائیں۔‘‘ پھر میں شیرو کو ساتھ لے کر نکلنے لگا تو سجاول نے ہم دونوں کو سورۃ یٰسین والے تعویذ دیتے ہوئے کہا۔

’’کہیں بھی خوف محسوس ہو تو کلمہ شریف کا ورد شروع کر دینا۔‘‘ آگے میں جا رہا تھا اور شیرو میرے پیچھے تھا۔ چاندنی رات تھی اور آہستہ آہستہ ہم چل رہے تھے کہ ایک دم ایک خوبصورت لڑکی ہمارے سامنے آ گئی۔ جس کی لال آنکھیں تھیں میں نے شیرو کی طرف دیکھ کر آنکھ کے اشارے سے پوچھا۔

’’یہ کیا معاملہ ہے۔‘‘ لڑکی نے کہا۔

’’مجھے تم پسند ہو اور مجھ سے ہاتھ ملالو۔‘‘

میں نے کہا۔

’’تم مکار چڑیل ہو اور میں کیسے تجھ سے ہاتھ ملا سکتا ہوں۔‘‘ میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ غصے سے لال پیلی ہو کر کہنے لگی۔

’’تمہیں کس نے بتایا ہے۔‘‘ شیرو بھی میرے ساتھ کھڑا تھا ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے خوب صورت لڑکی چڑیل بن گئی تو شیرو نے پیچھے کی طرف دوڑ لگادی۔

میں نے دیکھا شیرو پیچھے کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔ میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگادی کچھ فاصلے ہی طے کیا ہوگا کہ چڑیل میرا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور قہقہہ لگا کر کہنے لگی۔

’’آج تمہارا خون پی کر اپنی پیاس، تمہیں کھا کر اپنی بھوک مٹاؤں گی۔‘‘ میں نے گرجدار آواز میں کہا۔

’’اے مکار چڑیل میرا راستہ مت روک ورنہ تجھے مہنگا پڑے گا۔‘‘ اتنے میں سجاول، مشتاق اور منیر نے آواز دی۔

’’خبردار ڈرنا نہیں یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی کیونکہ تمہارے پاس سورۃ یٰسین ہے۔‘‘ چڑیل انہیں دیکھ کر وہاں سے فوراً غائب ہو گئی۔ اور میں پسینے میں شرابور وہاں کھڑا رہ گیا۔ مشتاق میرے قریب آ کر ہانپتے ہوئے بولا۔

’’پاگل...... اگر ہم تمہارے پیچھے نہ آتے تو تم چڑیل کی خوراک بن جاتے۔ دیکھ لیا ضد کا انجام......‘‘ سجاول نے بتایا۔

’’آج کے دور میں چڑیلیں اُن پر حملہ کرتی ہیں جو بزدل ہوتا ہے۔ پھر ہم نے واپسی کی راہ لی۔ واپس آتے ہی منیر نے بتایا۔ جب تک ہم صدق دل سے نماز اور قرآن پاک نہیں پڑھیں گے یہ چڑیلیں حملہ کرتی رہیں گی۔‘‘ مشتاق بولا۔

’’آؤ مل کر عہد کریں کہ آئندہ ہم پابندی کے ساتھ نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کریں گے۔ اپنے بڑوں کے حکم کی تکمیل کریں گے۔ پھر ہماری رات باتیں کرتے کرتے گزری جب فجر کی اذان سنی تو ہم سب باجماعت نماز پڑھنے کے لیے مسجد چلے گئے۔ نماز پڑھنے کے بعد پھر سب دوست اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

کراچی سے ارسال کردہ مافوق الفطرت داستان

ناگ دیوتا

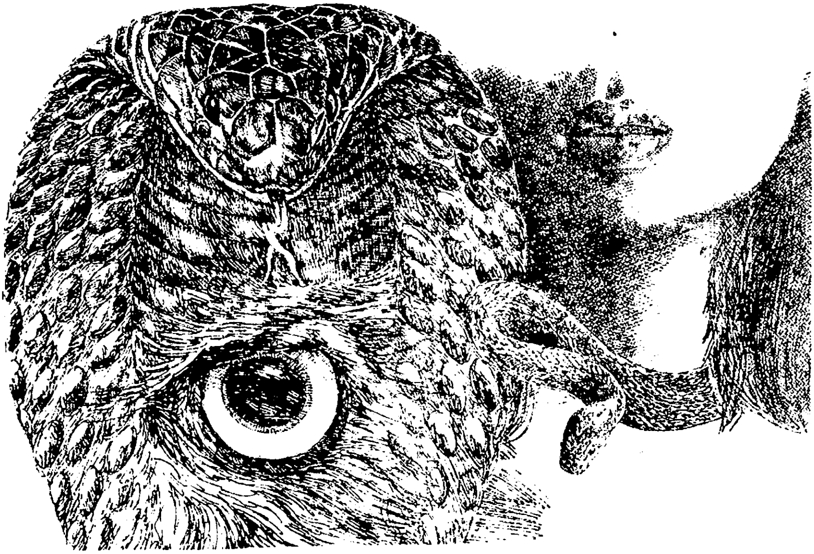


وہ سنپولیا تھا مگر ڈسنا اس کی فطرت میں نہیں تھا تبھی تو بیٹا بن گیا......

الماس فاطمہ ارمان

یہ کہانی لکھنو کے ایک آبائی گاؤں بھینس پورہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں پر ناگ دیوتا کا بہت بڑا مندر ہے یہاں کے زیادہ تر ہندو ناگوں کی پوجا کرتے ہیں جانور کوئی سا بھی ہو وہ اس وقت تک انسان کو نقصان نہیں پہنچاتا جب تک اس کو خود اپنی جان کا خطرہ نہ ہو خاص طور پر سانپ اس وقت تک نقصان نہیں پہنچاتا جب تک ہم اس پر حملہ نہ کریں یا وہ ہمارے پیر کے نیچے نہ آ جائے اگر سانپ کو راستہ دے دیا جائے تو وہ خود چلا جاتا ہے بہرحال جو کہانی میں آپ تک پہنچا رہی ہوں ایک سانپ کی ہے بھینس پورہ چونکہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں لوگ کچے مٹی کے گھروں میں رہتے اور اپنا گزر بسر محنت مزدوری کر کے کرتے یہاں پر ایک مندر تھا جو کچی مٹی سے بنا ہوا تھا جگہ جگہ جنگلی جھاڑیاں اور کھنڈرات تھے ان کھنڈرات میں سانپوں نے گھر بنا رکھے تھے یہاں وہاں وہ انڈے دیتی شاید آپ کو معلوم نہ ہو مگر میں واضح کرتی ہوں یہ سو سے زیادہ انڈے دیتی ہے اور جب ان میں سے بچے نکلتے ہیں تو اس میں وہ بچے کھا جاتی ہے جو مردہ ہوتے ہیں ورنہ آج دنیا میں انسان سے زیادہ سانپ ہوتے اس مندر کے پجاری ان سانپوں کی نگہداشت کرتے اُن کو کھانے کے ساتھ روز دودھ وغیرہ پلاتے۔

انہوں نے مندر میں ایک ناگ دیوتا کا بہت بڑا پتلا بنایا ہوا تھا جس کی صبح و شام پوجا کی جاتی اماوس کی رات وہ دودھ سے اس پتلے کو نہلاتے پوری رات بین کی دھن پر ناچ ہوتا وہ کہتے تھے یہاں پر ایک دن ناگ اور ناگن انسان کی شکل میں ہمارے دیوتا بن کر آئیں گے بس میں اپنی کہانی شروع کرتی ہوں اماوس کی رات تھی سردی بہت زور پکڑ رہی تھی چرند پرند سردی سے بچنے کے لیے پناہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے اندھیرا ہونے سے پہلے وہ اپنے اپنے گھروندے اور پناہ گاہ تک جانا چاہتے تھے۔ یہی انسانوں کا بھی حال تھا۔ سب لوگ جلد سے جلد گھر کی طرف دوڑ لگا رہے تھے کیونکہ سردی کے ساتھ ساتھ



بارش کے بھی امکانات تھے۔

ایسے میں جمنا اپنی دونوں بچیوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی۔ جمنا کا آدمی مر چکا تھا بچیاں چھوٹی تھیں وہ مٹی کے کھلونے بنا کر بیچتی اور جو پیسے ملتے ان سے گزر بسر کرتی کچا پکا گھر تھا اچھے وقت میں اس نے ایک گائے چند بکریاں مرغیاں اپنے گھر میں پالی ہوئی تھیں گائے کے دودھ سے گھی مکھن دہی مل جاتا دودھ وہ بیچ دیتی بکریوں کا دودھ گھر میں کام آجاتا ایک دو مرغیاں انڈے دیتی تو وہ بھی بچیوں کے کھانے کے کام آتے آج سردی کی وجہ سے بچیاں تھک چکی تھیں جمنا کے جوڑ جوڑ میں درد تھا اس نے گھر میں داخل ہو کر چراغ جلایا اور چولہا جلایا تا کہ بچیوں کو دودھ گرم کر کے دے اور خود کو بھی بھوک لگ رہی تھی۔

صبح کی روٹی پڑی تھی اس نے دودھ کے برتن کو اٹھایا برتن خالی تھا وہ حیران تھی۔

''یہ کیا میں تو برتن میں دودھ رکھ کر گئی تھی بھوک کی وجہ سے وہ ڈبے کی طرف بڑھی جہاں وہ انڈے رکھتی تھی۔ اس نے خود چار انڈے رکھے تھے وہ انڈے بھی نہیں تھے۔ وہ بہت پریشان ہوئی اس نے اپنی بیٹی لتا اور سرسوتی سے پوچھا۔

''تم نے انڈے دیکھے ہیں۔'' انہوں نے کہا۔

''اماں صبح تو یہاں رکھتے تھے دودھ تم نے چھنکے میں رکھا تھا پر کہاں گیا؟'' جمنا نے کہا۔

''انڈے تو شاید کوئی چوہا لے گیا پر دودھ بھگوان جانے کہاں گیا شاید تم نے جاتے جاتے پی لیا۔''

''نہیں اماں ہم نے نہیں پیا۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

''نہیں اماں سچ ہم تو تیرے ساتھ گھر سے نکلے ہیں۔'' جمنا نے پیاز کی ٹوکری سے ہری مرچ اور ٹماٹر نکال کر چٹنی بنائی سردی ہڈیوں کو توڑ کر گھسنا چاہتی تھی جمنا نے ادرک کا قہوہ بنایا اور بستر کر کے بچیوں کو سونے کو کہا۔ خود لیٹ گئی ابھی اسے لیٹے ہوئے چند منٹ گزرے تھے اسے

محسوس ہوا کوئی چیز ادھر سے ادھر رینگتی ہوئی گئی ہے ساتھ ساتھ اس کے منہ سے عجیب سی آوازیں آ رہی ہیں جیسے سانپ پھنکارتا ہے اس نے چراغ اٹھا کر بچیوں کے بستر کی طرف دیکھا کچھ بھی نہیں تھا پھر اپنے پلنگ کی طرف دیکھا اسے کچھ نظر نہیں آیا بہر حال نیند کانٹوں پر بھی آ جاتی ہے صبح تڑکے وہ اٹھی اس نے گائے کا دودھ نکالا چولہا جلایا اوپلے تھاپ کر گائے بکریوں کو چارہ ڈالا پھر وہ مرغیوں کے ڈربے کی طرف گئی انہیں دانا ڈال کر اس نے سوچا میں دیکھ لوں انڈے دیے ہیں اس نے دیکھا مرغیاں ڈری سہی بیٹھی ہیں انڈے نہیں ہیں بکریاں بھی ڈری سہی کھڑی ہیں جمنا پریشان ہوگئی۔ آخر کیا بات ہے جس سے یہ پریشان ڈرے سہمے ہیں۔ اس نے ارد گرد نظر ڈالی مگر کچھ نہ نظر آیا۔

اس نے بچیوں کو اٹھایا ناشتہ کرایا کھلونے ٹوکرے میں ڈالے اور دودھ سرسوتی کو پکڑایا اور گھر کو تالا لگا کر کام کے لیے چل پڑی۔ سردی بہت تھی ابر چھایا ہوا تھا دھوپ نام کو نہیں تھی دودھ گھروں میں دے کر وہ مندر کے سامنے چادر بچھا کر بیٹھ گئی اور صدا لگانے لگی۔

''کھلونے لے لو کاکے' کاکے کا کی کھلونے لے لو۔'' چند بچوں نے لیے پھر سردی کی وجہ سے سناٹا چھا گیا ایسا لگ رہا تھا ابھی بارش آنے والی ہے جمنا نے کھلونے کا ٹوکرا سر پر رکھا اور گھر کی راہ پکڑی آج وہ جلد ہی گھر آ گئی بچیوں سے کہا۔

''گھر بہت پھیلا ہوا ہے تم دونوں مل کر صاف کرو میں رسوئی میں بھوجن کا کرتی ہوں آج اوپلے بھی نہیں سوکھے تھے اس نے سوچا کہیں بارش نہ ہو جائے وہ سوکھے گیلے اوپلے باہر اٹھا کر لے آئی اور اس نے اس کوٹھری کی راہ لی جہاں وہ لکڑیاں اوپلے اور گھر کا دیگر سامان رکھتی تھی اس نے اوپلے زمین پر بچھا دیے تاکہ سوکھ جائیں سوکھے ہوئے اوپلے اٹھائے اور باہر رسوئی کی طرف چل پڑی ابھی وہ رسوئی تک نہ پہنچی تھی اسے مرغیوں اور بکریوں کے شور کی آواز آئی اس نے وہیں سے ڈنڈا اٹھایا اور باہر کی طرف لپکی۔

''دیکھوں یہ کون سا جانور ہے جو مرغیوں اور بکریوں کو پریشان کر رہا ہے۔'' جب وہ مرغیوں کے ڈربے کی طرف گئی تو اس نے دیکھا ایک بہت لمبا اور موٹا سانپ تھا جو مرغیوں پر پھنکار رہا تھا جمنا کو دیکھ کر سانپ زور زور سر زمین پر مارنے لگا جمنا ڈرنے لگی شاید وہ ڈس لے مگر وہ ڈربے سے نکل کر صحن میں کنڈی مار کر بیٹھ گیا جمنا نے اسے غور سے دیکھا اس کا جسم سانپ کی طرح تھا مگر پھن یعنی چہرہ ایک معصوم سے بچے کی طرح اور وہ حسرت سے جمنا کو دیکھ رہا تھا جمنا کو پتہ نہیں اس پر پیار آنے لگا جیسے وہ اس ہی کا بچہ ہے اور اس سے کچھ کھانے کو مانگ رہا ہے اس نے مرغیوں کو ایک طرف ہٹایا اسے دو انڈے ملے اس نے دونوں انڈے ایک تھیلی میں رکھے پھر اس نے چھنکے کی طرف ہاتھ بڑھایا وہاں برتن میں دودھ تھا اس نے ایک پیالے میں دودھ میں روٹی ڈالی اور صحن کے بیچ میں رکھ دیا۔

لتا اور سرسوتی ایک طرف سہی ہوئی یہ منظر دیکھ رہی تھیں جمنا نے انہیں تسلی دی۔

''ارے یہ بھگوان کا اوتار ہے یہ ہمیں اور تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔''

''اماں یہ کاٹ لے گا......''

''ارے نہیں......'' سانپ نے اپنا کھانا کھایا اور رینگتا ہوا کوٹھڑی کی طرف چل دی کوٹھڑی کی چھت سرکنڈوں کی تھی وہ وہاں جا کر بیٹھ گیا اور

اپنی لال لال آنکھوں سے جمنا کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس کا شکریہ ادا کررہا ہو اب جمنا کا روز کا معمول تھا وہ صبح سارے کاموں سے فارغ ہوکر اپنی بچیوں کے ناشتے سے پہلے وہ سانپ کی تھالی تیار کرتی کبھی وہ دیسی گھی کی چوری بنا کر دیتی کبھی وہ دودھ میں روٹی بھگو کر دیتی ساتھ روز ایک انڈا..... سانپ اپنا پیٹ بھرتا اور کوٹھری میں جاکر بیٹھ جاتا اب نہ مرغیاں اس سے ڈرتی اور نہ بکریاں ایسا لگتا گھر کا ہر فرد اس سے مانوس ہوگیا ہے بچیاں گھر میں صفائی کرتیں اور وہ نیچے ہوتا تو وہ راستہ دے دیتا اِدھر سے اُدھر قلابازیاں کھاتا یعنی ان کے ساتھ کھیلتا جمنا صبح دوپہر شام اسے روکھی سوکھی دیتی کبھی یہ نہیں ہوتا تو وہ اس کے پیالے میں دودھ دیتی اور رات کی روٹی وہ اسے ہی کھا کر خوش ہوجاتا۔

اس طرح وقت گزرتا گیا جمنا بیمار رہنے لگی اور لتا اور سرسوتی جوان ہوگئیں جمنا بچیوں کو لے کر باہر جاتی تو لڑکے دیکھ کر اوچھی حرکتیں کرتے اس لیئے جمنا اب کم لے کر جاتی خود ہمت کرکے باہر جاتی باہر جانے سے پہلے وہ اپنے سامنے دروازے کو کنڈا لگانے کی تاکید کرکے جاتی اور سانپ سے تاکید کرکے جاتی۔

''ان کی حفاظت تو کرنا جیسے بھگوان کرتا ہے.....'' جمنا نے اس کا نام لالو رکھا وہ اسے ہمیشہ اس نام سے پکارتی لالو بھی جمنا کی ایک آواز پر رینگتا ہوا آکر اس کے قدموں میں بیٹھ جاتا ایک صبح بہت ہی حبس ہورہا تھا گرمی سے جسم پسینے سے تربتر تھا جمنا نے سوچا گھر میں کچھ بھی نہیں ہے شہر جاکر ایک بکری اور بکرا فروخت کردیتی ہوں واپسی پر راشن گھر لے آؤں گی۔ جب بھی کوئی برا وقت آتا جمنا بکری وغیرہ فروخت کرکے اپنی ضرورت کو پورا کرتی بکریاں دوسرے بچے جنم دیتیں وہ انہیں اسی دن کے لیے بڑی حفاظت سے رکھتی سردی گرمی بارش سے بچاتی وہ جانا ہی چاہتی تھی کہ ایکدم بارش نے زور پکڑ لیا شام ہوگئی رات نے اندھیرے کا لبادہ اوڑھ لیا جمنا کے ساتھ ساتھ صبح سے بچیوں نے بھی کچھ نہیں کھایا گھر میں دودھ کے علاوہ اناج کا دانہ نہیں تھا لالو بھی بارش کی وجہ سے ایک طرف کنڈلی مارے بیٹھا تھا جمنا اٹھی اس نے ایک پیالی لالو کو دودھ دیا اور تھوڑا جو بچا اپنی بیٹیوں سے کہا۔

''پی لو.....'' لتا اور سرسوتی نے پی لیا مگر جمنا نے دیکھا کہ لالو نے وہ دودھ نہیں پیا وہ جمنا کی طرف حسرت و یاس سے دیکھ رہا تھا جیسا وہ کہنا چاہتا ہو اماں تو بھی صبح سے بھوکی ہے تیری بوڑھی جان میں اتنی شکتی ہے جو تو بھوک برداشت کرسکے جمنا نے لالو کو غصے سے دیکھا۔

''دودھ کیوں نہیں پیتا کہاں سے تیرے لیے انڈے اور روٹی لاؤں تیرے بڑے نخرے ہیں تو چل جا باہر تجھے بہت سی چیزیں کھانے کو مل جائیں گی میرا کوئی کمانے والا تھوڑی ہے پتہ نہیں یہ برسات کب بند ہوگی میری بکریاں اور گائے بھی بھوکی ہیں میں ان کے لیے گھاس پھونس بھی نہیں لائی بھگوان میں کیا کروں کاش میرا کوئی بیٹا ہی ہوتا جو میری مدد کرتا۔'' یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی لتا اور سرسوتی بھی رونے لگیں اسی وقت بجلی بڑے زور سے گرجی لتا اور سرسوتی ڈر کے مارے ماں سے لپٹ گئیں آج جمنا بھی ڈر رہی تھی اتنی خطرناک بجلی کبھی نہیں دیکھی گھبرا کر اس نے لالو کی طرف دیکھا مگر یہ کیا اس نے دیکھا لالو ایک لڑکے کے روپ میں کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا ہے یہ دیکھ کر جمنا سکتے میں آگئی جب اسے ہوش

آیا تو اس نے دیکھا لالو پھر اسی سانپ کے روپ میں ہے اور وہ باہر صحن کی طرف سے دیوار پر رینگتا ہوا باہر کی جانب جا رہا ہے جمنا اسے جاتا دیکھتی رہی بادل بہت زور سے گرج رہے تھے جمنا نے ہمت کی اور لتا اور سرسوتی سے کہا۔

''ہمیں بکریوں کو کوٹھڑی میں باندھنا چاہیے کہیں بارش کی تیزی کی وجہ سے بکریوں کو کچھ نہ ہو جائے۔'' لتا اور سرسوتی نے بکریوں اور گائے کو چھپرے میں باندھا یہ سب کر کے وہ پھر سے کمرے میں آ کر لیٹ گئیں چراغ کی لو بھی دھیمی پڑ رہی تھی شاید چراغ میں بھی تیل ختم پر تھا صبح ہونے والی تھی مگر بارش کی وجہ سے بہت اندھیرا تھا جمنا کی آنکھ لگ گئی بچیاں بھی سو گئی تھیں اچانک جمنا کو سانپ کے پھنکارنے کی آواز سنائی دی وہ سہم گئی وہ اندھیرے میں بچیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے مگر یہ کیا اس نے دیکھا لالو انسان کی شکل میں اس کے سامنے بیٹھا ہے۔

''اماں یہ لے......'' جمنا نے دیکھا لالو ایک تھیلے میں کھانے پینے کی چیزیں لایا ہے جمنا نے تھیلا کھولا اس میں مکھن، روٹی، مٹھائی، انڈے، حلوہ، ترکاری وغیرہ تھی اس نے جمنا کو اشارے سے صحن میں بلایا جمنا ڈری سہمی اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔

''اماں یہ میں کچھ گھاس لایا ہوں۔'' جمنا نے دیکھا ہری بھری گھاس پتے ایک کپڑے میں گٹھڑی کی شکل میں ہے۔

''تُو کون ہے؟''

''میں تیرا بیٹا پر ماں میرا ذکر کسی سے نہ کرنا مجھے بہت سے سپیرے تلاش کر رہے ہیں وہ مجھے مار دیں گے یا پھر مجھ سے خزانے کا پتہ مانگیں گے ماں میں ایک ناگن اور ناگ کا سپوت ہوں میری ماں اور باپ کو خزانے کی وجہ سے مار دیا میری ماں نے مجھے کہا تم بھاگ جاؤ اور کہیں دور جا کر پناہ لے لو میں اس پرانے مندر میں آ گیا مگر مجھے یہاں بھی خطرہ محسوس ہوا اچانک میں اس طرف نکل آیا اور اس گھر میں پناہ لی ماں تیری غربت تیرا پیار مجھے گھائل کر گیا مجھے ایسا لگا جیسے تو میری ہی ماں ہے سرسوتی لتا میری بہنیں، میں نہیں چاہتا تھا تیرے سامنے اس روپ میں آؤں مگر مجھے تیرے پیار نے مجبور کر دیا آج سے میں تیرا بیٹا ہوں پر ماں میں ہر وقت اس روپ میں نہیں ہوتا صرف چاند کی پہلی تاریخ یا اماوس کی رات کے علاوہ آج چاند کی پہلی تاریخ ہے ماں تو لتا اور سرسوتی کو کچھ نہ بتانا ورنہ میری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے وہ بچیاں ہیں آس پڑوس میں بول دیں گی، اماں تو وعدہ کر......''

''ہاں لالو میں وعدہ کرتی ہوں کبھی کسی کو نہیں بتاؤں گی۔''

''ماں تو نے جس دن سے میرا نام لالو رکھا اور پیار سے بلایا میں نے اس ہی دن سے تجھے اپنی ماں تسلیم کر لیا، صبح ہونے والی ہے میں اپنے روپ میں آتا ہوں بہنوں کو اٹھا کر کھانا دے وہ پوچھیں تو بتا دینا لالو پتہ نہیں کہاں سے اٹھا کر لے آیا۔'' جمنا نے لتا اور سرسوتی کو اٹھایا ان سے کہا کچھ کھا لو وہ حیران ہو کر کھانے کو دیکھ رہی تھیں۔

''اماں یہ کھانا کون لایا۔''

''ارے لالو پتہ نہیں کہاں سے یہ تھیلا اٹھا کر لے آیا ہے۔'' لتا اور سرسوتی لالو کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

''ارے لالو کے بچے تم بڑے ہی لوفر ہو پتہ نہیں دکان سے کس کا تھیلا لے آئے۔'' انہوں نے کھانا سیر ہو کر کھایا جمنا نے لالو کی تھالی بھی

بنا کر دی کٹوری میں انڈے رکھے اور حلوے میں روٹی چور کر اس کے آگے رکھی لالو بھی بہت خوش تھا وہ بار بار اِدھر سے اُدھر رینگ رہا تھا اماں نے لتا اور سرسوتی کو تاکید کی۔

''تم میں سے کوئی اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا ورنہ وہ لالو کو پکڑ کر لے جائیں گے۔'' لالو اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا بارش تھم گئی لالو پھر خاموشی سے باہر چلا گیا شام ہونے سے پہلے وہ واپس آ گیا اس نے جمنا کے پیروں کے پاس ایک تھیلی منہ سے نکال کر دی۔ جمنا نے تھیلی کھولی تو اس میں چند سکے تھے جس سے گھر کا اچھا خاصا سامان آ سکتا تھا جمنا نے بھگوان کا شکر ادا کیا لالو کے سر پر ہاتھ رکھا اور سامان لینے چل پڑی۔ ضرورت کا سامان لیا واپسی پر اس نے سوچا لالو کے لیے ایک پاؤ ماس یعنی گوشت بھی لے لوں وہ بھی کھا کر خوش ہو جائے گا۔ اس نے لیا اور گھر آ گئی گھر آ کر سامان رسوئی میں رکھا اور کھانے کے لیے بچیوں سے کہا پکا لو اس نے لالو کو آواز دی۔ لالو نیچے اتر کر آیا اس نے لالو کو بتایا۔

''آج میں تیرے لیے مرغی کا ماس لائی ہوں جب بھوک لگے تو بتا دینا۔'' بچیوں نے کھانا پکایا اور خوب خوشی سے کھایا لالو کی وجہ سے اُن کو سبزی کھانے کو ملی ورنہ دودھ سے روٹی یا پیاز کی چٹنی وقت گزر رہا جمنا کھلونے بیچنے پھر بھی جاتی تاکہ اس کے بدلتے حالات پر کسی کو شک نہ ہو۔ اس نے آس پڑوس میں یہی کہا وہ اور بچیاں شہر میں چند گھروں میں جھاڑو برتن بھی کرتی ہیں ایک دن جمنا لالو سے پوچھ بیٹھی۔

''تو یہ سکے کہاں سے جمع کر کے لاتا ہے۔''

اس نے صبح ہونے کا انتظار کیا صبح ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے جمنا کی ساڑھی کا پلو منہ میں

غزل

گھر کی وحشت‘ یہ در و بام‘ تجھے کیا معلوم
کتنے آتے ہیں میرے کام‘ تجھے کیا معلوم

ہم ترے ہجر کے‘ چاہت کے‘ زمانے بھر کے
دل میں رکھتے ہیں کیوں ادغام‘ تجھے کیا معلوم

مجھ سے مانوس ہیں اور دوست سمجھتے ہیں مجھے
دل کے یہ درد‘ یہ آلام‘ تجھے کیا معلوم

تو نے تو عشق‘ فقط عشق کیا ہے جاناں
اس کا ہوتا ہے کیا انجام‘ تجھے کیا معلوم

راس آئے نہ اگر وصل تو بن جاتی ہے
زندگی موت کا پیغام‘ تجھے کیا معلوم

تو نے خوشیوں کو سمیٹا ہے بچھڑ کر مجھ سے
آج ہر غم ہے مرے نام‘ تجھے کیا معلوم

کس کی خاطر میں بکھرتا ہی چلا جاتا ہوں
دلِ وحشی‘ دلِ ناکام‘ تجھے کیا معلوم

فرخ اظہار

دبایا اور اسے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا جمنا اس کے پیچھے پیچھے چل دی وہ لوگوں کی آنکھوں سے بچ بچا کر ندی کے قریب چل پڑا یہ وہ ندی تھی جہاں کے لیے مشہور تھا کہ اگر تم اپنی منت پوری ہونے کا یقین رکھتے ہو تو سکہ پانی میں ڈال دو اگر وہ سکا پانی کی تہہ میں پہنچ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ اوپر کی طرف ہی رہا تو کام نہیں ہوگا لالو جو سکے اوپر ہوتے ان کو منہ میں جمع کر کے لے آتا جمنا اس کی عقل پر حیران تھی وہ مطمئن ہوگئی کہ وہ کسی دکان یا گھر سے چوری کر کے نہیں لاتا انہوں نے تھوڑے تھوڑے پیسے جمع کر کے بچیوں کے لیے جہیز جوڑنا شروع کر دیا بھگوان کی کرپا سے ان کا اچھی جگہ سے رشتہ بھی آ گیا دونوں بھائی تھے دونوں حلوائی کی دکان پر کام کرتے تھے خیر سے شادی کے دن قریب آ گئے۔

جمنا کا کوئی نہیں تھا بیٹیوں کے سوا وہ اداس تھی بیٹیوں کی جدائی سے دوسرے اسے زیور کی فکر تھی وہ ہر بات لالو سے کہتی یہ بات بھی اس نے لالو سے کہہ ڈالی۔ لالو لڑکے والے زیور کو بول رہے ہیں کہاں سے لاؤں۔ لالو شام کو ایک پوٹلی منہ میں دبائے چلا آیا۔

''ارے یہ کیا ہے؟'' اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں سونے کی ڈلی تھی۔ اس نے سنار سے بچیوں کے لیے سونے کا زیور بنوایا شادی خیر سے ہوگئی جمنا اکیلی رہ گئی مگر لالو نے اسے اکیلا پن محسوس نہیں ہونے دیا وہ گائے بکریوں کے لیے آدھی رات میں چارا ڈھونڈ کر لے آتا گھر کی صفائی ستھائی میں اس کا ہاتھ بٹاتا اس کے پیروں کے ساتھ کنڈلی مار کر بیٹھتا رہتا وہ اس طرح خیال رکھتا جیسے ایک بیٹا...... لتا اور سرسوتی کبھی کبھی سسرال سے آ جاتیں وہ خوش تھیں دونوں کے خاوند ان سے پیار کرتے تھے جمنا بھی مطمئن تھی دونوں کے میاں آتے تو وہ نیچے نہیں اترتا وہ کہتے تھے اماں تو بھی گھر کو بیچ کر ہمارے پاس آ جا تو اکیلی کب تک اس گھر میں رہے گی وہ کہتی۔

''نہیں میں یہاں خوش ہوں میرے ڈنگر ہیں گھر ہے۔''

''ٹھیک ہے تیری مرضی......'' وقت گزرتا گیا لتا نے ایک بیٹی اور سرسوتی نے بیٹے کو جنم دیا جمنا بہت خوش تھی اس نے آس پڑوس میں مٹھائی تقسیم کی بیٹیوں کے سسرال بھی ٹوکرا مٹھائی کا بھیجا اور سندیسہ دیا کہ وہ بچیوں کی خوشی اپنے گھر میں کرے گی جمنا نے نان بائی کو بلوایا میٹھے چاول سبزیوں کا پلاؤ بنانے کے لیے کہا اس نے لالو سے کہا۔

''تیری بہنوں کے بچوں کی چھٹی دے رہی ہوں تو بھی ان بچوں کی لمبی عمر کی دعا کرنا۔'' صبح سے ہی جمنا کے گھر میں رونق لگی ہوئی تھی ڈھولکی پر گانے گائے جا رہے تھے جمنا جھوم جھوم کر گانے پر ناچ رہی تھی۔

کھانے اور مٹھائی کی خوشبو گھر میں پھیل رہی تھی پتہ نہیں لالو کب چپکے سے اترا اور چھپ چھپا کر نالی کے ذریعے باہر نکل گیا رسم ورواج شروع ہوگئے لڑکیاں بالیاں خوب شور شرابا کر رہی تھیں بچے ماں کی گود میں چہک رہے تھے ہر طرف خوشیاں رقصاں تھیں۔ اتنے میں لالو بچوں کے لیے چند سکے اور چاندی کے بچھو منہ میں دبا کر نالی کے ذریعے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ نان بائی جو کہ چاول کو ابال کر اس کا پانی بہا رہا تھا گرم گرم پانی نالی میں جیسے ہی آیا لالو کے شریر کو چیرتا ہوا اس کو زخمی کر دیا وہ تڑپ کر صحن میں بھاگا اور زور زور سے پھنکارنے لگا تمام لوگ ڈر کے

ایک طرف ہو گئے۔

جمنا سب کام چھوڑ کر صحن کی طرف بھاگی لالو زمین پر تڑپ رہا تھا جمنا لالو کی طرف دوڑی۔

''لالو میرے بچے یہ کیا ہوا تجھے اس وقت تو باہر کیوں گیا۔'' اس نے جمنا کے پیروں پر اپنا بڑا سا پھن رکھ دیا اور منہ کھول کر سکے اور چاندی کے بچھو اس کے قدموں میں ڈال دیے جیسے وہ کہہ رہا ہو میں نے بھائی کا حق ادا کر دیا لتا اور سرسوتی بھی رو رہی تھیں ہر شخص حیران تھا یہ کیا ماجرا ہے۔

''میرے بچے تو مجھے چھوڑ کر جا رہا ہے میں تیرے بغیر کیسے رہ پاؤں گی' تو نے مجھے بیٹے سے زیادہ سہارا دیا ایک سنپولیا ہو کر تو نے مجھے ماں کا درجہ دیا دیکھو لوگوں یہ میرا بیٹا ہے اس نے مجھے اس وقت سے سہارا دیا جب ہم بھوکے تھے۔ اس نے ہمیں بھوکا نہیں رہنے دیا یہ بھگوان کی مورت ہے۔'' جمنا چیخ چیخ کر رو رہی تھی سب نے دیکھا لالو کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں جو جمنا کے قدموں کو تر کر رہے ہیں جیسے کہنا چاہتے ہوں۔ ماں تو پریشان مت ہو میں اگلے جنم میں تیرا لالو بن کر پھر آؤں گا کچھ دیر بعد لالو مر گیا کچھ آدمیوں نے چاہا اسے جلا دیا جائے مگر جمنا نے ایسا نہیں ہونے دیا اس نے اپنے گھر کے صحن میں کھڈا کھود کر اسے وہاں دبا دیا مہمانوں کو کھانا دینے کے بعد اس نے وہاں پر اس کی تھالی میں اسے اسی طرح کھانا رکھا جیسے وہ اسے روز دیتی تھی تھک ہار کر وہ سو گئی جب صبح اٹھی تو اسے لالو پھر یاد آ گیا وہ پھر اشکبار ہو گئی اور اس کھڈے کی طرف جا پہنچی اس نے دیکھا۔ تھالی خالی ہے جیسے لالو نے کھانا کھایا ہو۔ اس نے وہی پر ایک مٹی کا پتلا لالو کی شکل کا بنایا اور وہ روز اس طرح ہی کھانے کی تھالی میں پروستی لوگ آہستہ آہستہ یہاں آ کر پوجا پاٹ کرنے لگے۔ لالو کے بت کو بھگوان کی شکل دی اس طرح جمنا کا گھر ایک چھوٹا سا مندر بن گیا جمنا زیادہ عرصہ نہ جی پائی اس کے مرنے کے بعد اس کے دامادوں نے چاہا کہ وہ یہ گھر فرخت کر کے کچھ پیسے کاروبار میں لگا لیں۔

مگر وہ یہ نہ کر سکے جو بھی اسے خریدنے کی کوشش کرتا اسے رات بھر ناگ کے پھنکارنے کی صدائیں سنائی دیتیں انہیں لگتا وہ اپنی لال لال آنکھوں سے منع کر رہا ہے۔

''خبردار اگر تم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔'' سب لوگ ڈر سے منع کر دیتے آخر لتا کے میاں نے ہمت کی اور ایک آدمی سے سودا کیا جس دن اس نے پیسا لینا تھا وہ گھر کے صحن میں آیا اس نے چاہا کہ وہ لالو کے بت کو مسمار کر دے اچانک اسے لگا جیسے وہ وہ سانپ اپنی اصلی شکل میں آ گیا ہو اور پھن پھیلائے اسے آگے بڑھنے سے روک رہا ہو سانپ کی پھنکاروں سے سارا محلّہ ہل گیا سب دوڑے ہوئے جمنا کے گھر کی طرف آئے انہوں نے دیکھا لالو اپنی شکل میں زندہ کھڑا ہے اور پھن پھیلائے لتا کے میاں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سب نے ایک آواز ہو کر کہا۔

''تم یہ مت کرو یہ بھگوان کا روپ ہے تمہیں اب تک کوئی نقصان نہیں پہنچایا یہ کوئی عام سانپ ہوتا تو کب کا تم کو ڈس لیتا تم اس کی جگہ سے ہٹ جاؤ ورنہ ہم تمہیں مار دیں گے۔ یہ ہمارا بھگوان ہے۔'' لتا کے میاں کو واپس اپنے گاؤں جانا پڑا آج بھی بھینس پورہ میں یہ مندر موجود ہے جہاں ہزاروں لوگ پوجا کرنے آتے ہیں آج اس مندر کا نام ناگ راجا مندر کے نام سے جانا جاتا ہے۔

□□……❁……□□

جھنگ سے ارسال کردہ ڈراؤنی تحریر

تاریک رات

سفلی عملیات کرنے والے بدبخت نے ایک ماں سے اس کی اولاد چھین لی تھی تاکہ شیطان کو اس کا خون پیش کر سکے......

فاطمہ بخاری

قبرستان کی ہولناکی میں آدھی رات کی سیاہی مزید اضافہ کر رہی تھی' چاند بھی آج کالی سیاہی میں ڈوبا ہوا تھا کالی تاریک رات ہر لمحے کو خوفناک بنا رہی تھی۔ کہیں دور کوئی جھینگر کا بین کسی مسیحا کے انتظار میں آج ہونے والی شیطانی عمل کو روکنے کی فریاد کرتا' دل کی دھڑکنوں کو اچھل پتھل کر رہا تھا ایسے میں ساعت سے ٹکراتی منتر کی آوازیں ماحول کو مزید وحشت میں مبتلا کر رہی تھی۔

قبرستان کے عین درمیان چھوٹا سا گڑھا کھودے بہروز کی ساری توجہ اسی پر مرکوز تھی اس کی حالت شدید قابل رحم معلوم ہوتی تھی وہ آج سفاکی کی ساری حدیں پار کرنے کے درپے تھا۔

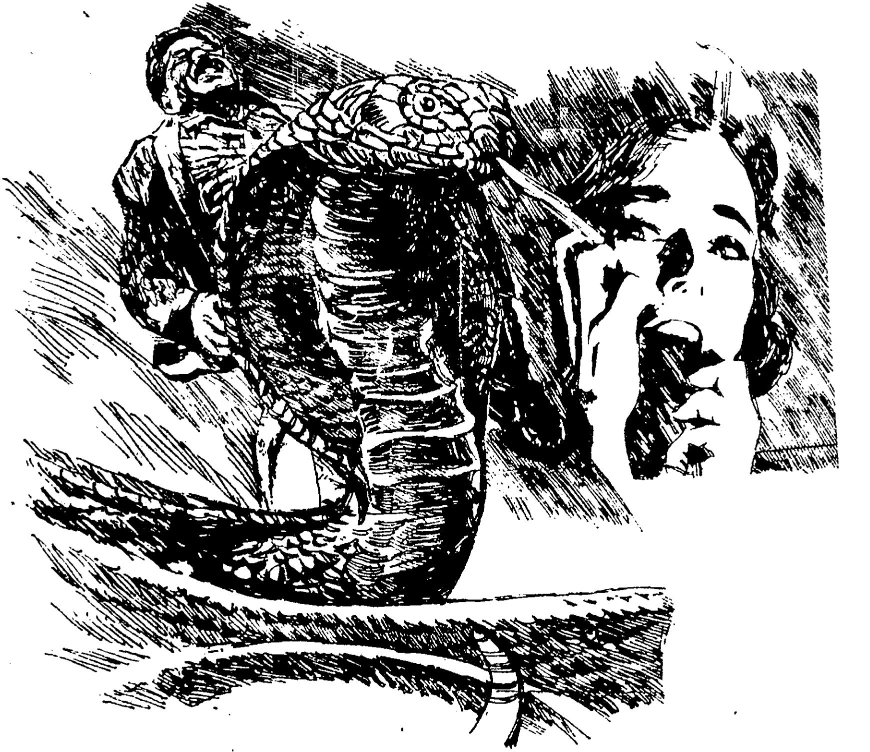
گلے میں بڑے رنگین موتیوں کے درمیان ادھ کھلے منہ والی کھوپڑی کی بنی مالا پہنے' جسم پر کپڑوں کے نام پر صرف ایک چادر لپیٹ رکھی تھی جو جسم کو ڈھانپنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی آس پاس رکھے سامان سے آتی چندن اور کافور کی مہک نے خاموش ماحول کے سینے کو گند سے بھر دیا تھا۔

گڑھے کے گرد مختلف بے ترتیب تھال میں صندور' انسانی ہڈیوں کی راکھ' پر کٹے الو اور ایک سیاہ بلی جس کی آنکھیں نکال دی گئیں تھیں۔

قبرستان کا یہ ہولناک منظر کسی انجان کی روح پرواز کر دینے کے لیے کافی تھا مگر بہروز اس شیطانی عملیات کا ماہر تھا اس نے ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑ کر منتروں کے جاپ کو تیز رفتار سے ادا کرنا شروع کیا اور ساتھ ہاتھ چلاتے ہوئے اپنے سامنے بنے چوکور خانے میں آگ جلا دی اس رات کے لیے اس نے برسوں شیطان کی پوجا کی تھی وہ ایک خاص طاقت کا خواہش مند تھا جس سے اپنے غلیظ مقصد کو پورا کرنا چاہتا تھا اس مقصد کے لیے اسے ایک نومولود بچے کی ضرورت تھی جس کو آج آگ شیطان کے لیے پیش کرنا تھا۔

☆......☆......☆

عمارہ کا نواں مہینہ چل رہا تھا اچانک



عیشاء

کے بعد اسے درد شروع ہوگیا۔ وہ جان کنی کے حالت سے گزر رہی تھی اور درد کی شدت سے بے ہوش ہوگئی جبران اس کی غیر ہوتی حالت سے پریشان ہوا اٹھا تھا شہر میں وبا کے باعث وہ اسے ایک پرانے اسپتال میں لے آیا عمارہ کو جب ہوش آیا تو اس کی ترستی ممتا کو ایک بیٹی کی خوشخبری دی گئی بچی بہت زیادہ کمزور تھی اس لیے اسے رات وینٹی لیٹر میں چلڈرن وارڈ میں رکھ دیا گیا گیارہ، ساڑھے گیارہ کے قریب جبران اپنی بیٹی کو دیکھنے کی غرض سے وہاں گیا تو بچی وہاں موجود نہیں تھی تو اس نے فوراً اسپتال کے عملے سے دریافت کیا سب بچی کو ڈھونڈنے میں لگے تھے اس اسپتال سے بچی کا غائب ہو جانا کوئی نہیں بات نہیں تھی گزشتہ کئی مہینوں سے نومولود بچے غائب ہو رہے تھے پولیس بھی اس معاملے میں کچھ نہ کر سکی تھی کیونکہ غائب شدہ بچوں میں سے کسی کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

بہروز اب تک کئی نومولود بچوں کی قربانی دے چکا تھا آج یہ آخری قربانی تھی اور وہ اپنے مقصد کو پالیتا۔

عمارہ کی بیٹی (شامی جو اسے اسپتال سے چرا لایا تھا) کو لاکر سامنے رکھ دیا اور بہروز کے اشارے پر وہاں سے چلا گیا کیونکہ بہروز کو یہ سارا عمل اکیلے کرنا تھا ذرا سی چوک اس کی جان لے کر ساری بازی پلٹ سکتی تھی۔

منتروں کی تکرار میں اس نے بچی کو اٹھا کر گود میں رکھا جس پر وہ رونے لگی۔
ننھی جان تھی جسے ابھی تک ماں کا لمس تک نصیب نہیں ہوا تھا یوں آگ کے قریب آنے سے چیخ رہی تھی مگر اس درندہ نما انسان نے سب سے پہلے اس کے گرد لپٹے کپڑے الگ کیے اور انہیں آگ کے سپرد کر دیا اور پھر اپنے جسم پر موجود واحد چادر کو بھی نکال کر آگ میں ڈال دیا۔
رات کے اس پہر وہ اکثر یونہی اپنے عمل کو انجام دیتا تھا وہ مسلسل منتر پڑھتا جا رہا تھا اب اس نے ایک ایک کر کے الو بچی کے گرد رکھنے شروع کیے اندھی بلی کو وہ پہلے ہی اپنے شیطانی عمل سے اپنے قابو میں کر چکا تھا جو اب بچی کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔
دوسری طرف عمارہ کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنی بچی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور جبران اپنی بیٹی کو ہی ہر جگہ تلاش کر رہا تھا' اور اسپتال کے اسٹریچر پر پڑا وجود اپنی کوکھ سے جنم دیے ہوئے بچے کے لئے ترس رہا تھا۔
آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں ...... دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔
عمارہ کی تو جیسے جان پر بن آئی تھی وہ قابو سے باہر ہو رہی تھی اسے سکون میں لانے کے لیے نیند کا انجیکشن لگانا پڑا۔
جبران اب اسپتال سے نکل کر ادھر ادھر دیکھتا بھاگ رہا تھا کہ شاید اسے اپنی بچی مل جائے وہ بد حواسی میں بھاگتا ہوا کسی شخص سے بری طرح ٹکرایا۔
''کیا ہوا بیٹے اس طرح کیوں بھاگ رہے ہو؟''
اندھیرے کے باعث وہ اس بزرگ کو دیکھ نہ پایا اور ٹکرا گیا اس کی پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔
''وہ......م م......میری بچی پتہ نہیں کہاں گئی' کون لے گیا سارا اسپتال چھان مارا پر وہ کہیں نہیں ملی۔''
''ساتھ موجود قبرستان میں دیکھا تم نے؟''
ٹکرانے والے بزرگ نے چہرے پر فکر مندی ظاہر کرتے ہوئے جبران سے پوچھا۔
''قبرستان!!!''
''ہاں قبرستان' آج چاند نہیں نکلے گا' ان کالی راتوں میں شیطان کے پجاری نومولود پر اپنے شیطانی عملیات کرتے ہیں' ان اسپتال والوں کو لوگ کتنی دفعہ کہہ چکے ہیں یہاں سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہو جائیں پر یہ سنتے نہیں۔''
یہ سن کر تو جبران کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے وہ قبرستان کی طرف بڑھنے لگا جب بزرگ نے اسے روک لیا۔
''رکو بیٹا! میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔''
بزرگ کی پیروی میں ایک دو لوگ اور بھی تھے انہیں قبرستان کی طرف بڑھتا دیکھ ان کے ہم قدم ہو لیے وہ سب الگ الگ جگہ تلاش کر رہے تھے اور ڈھونڈتے ہوئے عین درمیان پہنچ گئے اور وہاں کا منظر سب کے ہوش اڑا رہا تھا جھینگروں کی آواز ماحول کی وحشت بڑھا رہی تھی جب بزرگ نے کہا۔
''ہمیں اسے روکنا ہوگا اگر یہ کامیاب ہو گیا تو دنیا کو تباہ کر دے گا۔''
بزرگ نے اپنے ایک ساتھی سے زم زم مانگا اور اس پر کوئی کلام الٰہی پڑھتے ہوئے وہیں بہروز سے کچھ فاصلے پر ساتھیوں سمیت بیٹھ گئے وہ نیچ اپنی کالی عملیات میں ایسے ڈوبا تھا کہ آس پاس کی خبر تک نہ تھی وہ اپنے ورد کو مکمل کرتے اٹھ

کھڑے ہوئے اور زم زم کو ہاتھ میں لے کر بہروز پر پھینکنے لگے اس افتاد سے انجان بہروز اپنے منتروں میں مگن تھا مگر پانی گرتے ہی اس کے منتر پڑھنے کی رفتار میں کمی آنے لگی اس نے آس پاس انہیں دیکھ لیا مگر وہ یہ سب ان روک نہیں سکتا تھا کیونکہ اس مقام پر جب شیطان راضی ہونے والا تھا منتر روکنا اپنی موت کو دعوت دینا تھا بہروز نے ایک انسانی خون کا پیالہ اٹھا کر منہ سے لگایا اور غٹا غٹ پی گیا جبران کو یہ منظر دیکھ کرتے آنے لگی مگر وہ اپنی بیٹی کے لیے وہاں جم کر کھڑا رہا' خون پیتے ہی جیسے بہروز میں انجانی طاقت آ گئی اس نے منتروں کی رفتار بڑھا دی' اور راکھ پر پھونک مار کر چکر کاٹتی بلی پر پھینکی جو دیکھتے ہی دیکھتے مسلسل قد میں بڑھتی ہوئی ایک خوفناک بلی نما دیو بن گئی تھی آنکھوں کی جگہ شعلے دہک رہے تھے۔

بلی نے اچانک ایک ساتھی پر حملہ کر دیا جو اس کے لیے تیار نہ تھا بلی کے پنجے میں آ گیا اور بلی نے جھٹ سے ایک وار میں اس کی گردن تن سے جدا کر دی وہاں موجود سب پر خوف طاری ہو گیا وہ جان کی بازی لگا چکے تھے مگر اب بہروز سے جیتنا مشکل لگ رہا تھا بلی نے جیسے ہی دوسرے ساتھی پر وار کرنا چاہا۔

انہوں نے بروقت کلام کے حصار سے اپنا بچاؤ کیا اور بلی پر دم والا پانی پھینکنے لگے وہ جب بھی پانی پھینکتے بلی بہت خوفناک آواز نکالتی۔ پُرہول اور لرزہ خیز آواز جس سے روح تک کانپ رہی تھی' آواز تھی کہ جیسے کوئی مریض جان بلب کراہ رہا ہو' یا کوئی جاندار دم توڑ رہا ہو' پر شاید موت کی آخری کھڑکھڑاہٹ بھی اتنی خوفناک نا ہوتی ہو گی جیسی وہ آواز تھی۔

بلی اب بہروز کو حصار دیے ہوئے تھی تا کہ بزرگ اس تک نہ پہنچ سکیں لیکن بزرگ نے اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے سورہ کہف کے لفظ ''کہف'' کا ورد شروع کیا وہاں موجود ساتھی اور جبران بزرگ کو آیات کا حصار دے رہے تھے کیونکہ یہ عمل سانس روک کر کرنا تھا اور بہت وقت لگنا تھا کہف کے ورد سے بلی نما دیو ایک چلانے لگا اور ایک دردناک آواز میں دھمکی دینے لگا۔

''اپنی خیر چاہتے ہو تو روک دو یہ عمل ورنہ میں سب کو کھا جاؤں گا۔''

بزرگ مسلسل ورد کر رہے تھے اور ساتھی کو اشارے سے زم زم کو دیو اور بہروز پر ڈالنے کو کہا۔

ساتھی نے جیسے پانی بلی اور بہروز پر ڈالا تو دونوں ایک لمحے کے لیے آگ کی لپیٹ میں آ گئے منتر کا جاپ ٹوٹ گیا تو بہروز کسی بپھرے شیر کی طرح دھاڑا' اس کی دھاڑ سے قبروں میں سوئے مردے بھی کانپ گئے چہرہ زم زم پڑنے سے جھلس کر دہشت پیدا کرنے لگا۔

''تم لوگوں نے میری برسوں کی محنت ضائع کر دی میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔''

دھمکی دیتے بہروز نے انسانی خون کا ایک اور پیالہ اٹھایا اور پینے کے ساتھ کچھ اپنے جسم پر مل لیا کمزور جسم اب بلوان نظر آ رہا تھا اس نے مٹھی میں راکھ لے کر منتر پڑھا اور بلی کی طرف پھونک دیا بلی نے جھٹ سے پانی پھینکتے ساتھی کو دبوچا اور ہوا میں اچھال دیا یہ منظر دیکھ کر اس بار جبران بے اختیار چیخ اٹھا وہ زمین پر گری زم زم کی بوتل اٹھا کر پانی پھینکنا چاہتا تھا تا کہ وہ ساتھی کو بچا سکے مگر اس سے پہلے ہی بلی نے اپنے دانت اس کے جسم میں پیوست کر دیے خون جھرنے کی صورت بہنے لگا اور بہروز حلال خون کے نیچے کھڑے ہو کر غسل

لینے لگا جبران کی ہمت ٹوٹ رہی تھی لیکن اپنی بیٹی اور عمارہ کا سوچ کر وہ پیچھے نہیں ہٹ رہا تھا۔

اتنے میں بزرگ بھی اپنا ورد مکمل کر کے کھڑے ہو گئے تھے ان کے دونوں ساتھی اس کالی رات میں شیطان کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔

بزرگ اب بھی سانس روکے 'کہف' کہف پڑھ رہے تھے جب اچانک سفید بادل قبرستان کو گھیرنے لگے بزرگ جب بھی سانس لینے کے لیے رُکتے اپنے دائیں ہاتھ کی ایک انگلی بند کر لیتے جلد ہی پوری مٹھی بند ہو گئی۔

بہروز کو یکدم ایک جھٹکا لگا جیسے کسی شے نے اس کی گردن دبوچ لی ہے بزرگ نے بند مٹھی پر دباؤ بڑھایا تو بلی حملہ کرنے آگے بڑھی مگر کسی انجان طاقت نے اسے بھسم کر دیا بلی نما دیو جل رہا تھا اس سے میں پہلی بار جبران کو لگا اب وہ اپنی بیٹی کو بچا سکتا ہے بزرگ نے جبران کو ان کے تھیلے سے ایک بوتل نکالنے کو کہا جیسے ہی وہ اس نے بوتل کھولی بلی نما دیو ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ کر دھوئیں کی شکل میں چکر لگاتا ہوا بوتل میں چلا گیا تو جبران نے بوتل بند کر دی اب بہروز باقی تھا جس کی نس نس میں شیطانیت تھی جو اپنی بہت بڑی طاقت کو یوں بوتل میں بند ہوتا دیکھ کر پھڑپھڑانے لگا جس پر بزرگ نے ایک کاغذ آگے بڑھ کر اس کے ماتھے پر چسپاں کر دیا۔

وہ ابھی بھی ہار نہیں مان رہا تھا۔

بزرگ نے سورہ کہف کی تلاوت شروع کی بہروز کا جسم پگھلنے لگا اور جسم کے مساموں سے خون رسنے لگا دیکھتے ہی دیکھتے ایک دھماکہ ہوا بہروز کے جسم کے ٹکڑے قبرستان میں دفن ہونے لگے اور ایک دھواں بچی کے گرد چکر کاٹتا غائب ہو گیا۔

طلاق عدالت میں طلاق کے مقدمے میں جج نے کہا۔ "تمہیں علیحدگی تو مل جائے گی لیکن تم کو اپنی ساری چیزیں آدھی آدھی بانٹنا ہوں گی۔"
عورت نے کہا۔ "یہ تین بچے بھی؟"
جج نے کہا۔ "ہاں انہیں بھی برابر بانٹنا ہو گا۔"
عورت نے چند لمحے سوچا پھر اپنے شوہر کو دھکیل کر بولی۔ "چلو نکھٹو کہیں کے، گھر چلو۔" چلتے چلتے اس نے جج کی طرف دیکھا اور بولی۔ "ہم اگلے سال پھر طلاق لینے آئیں گے چار بچوں کے ساتھ۔"
نوشینہ عمیر۔ کراچی

بچی جو مسلسل رو رہی تھی سب ٹھیک ہوتے ہی جبران نے بھاگ کر بچی کو اٹھا کر اپنے کوٹ میں لپیٹ کر سینے سے لگایا اور بزرگ نے آگے بڑھ کر زم زم اس پر چھڑک دیا تاکہ کوئی شیطانی سایہ اسے دوبارہ تنگ نہ کر سکے اور ساتھ ہی ایک تعویذ بچی کے کندھے پر باندھتے ہوئے جبران کو اسے کبھی نہ نکالنے کی تاکید کی۔

اس رات جبران اور عمارہ کی بچی کے نصیب سے ایک شیطان جہنم واصل ہوا تھا۔ جبران نے گھر جا کر نوافل ادا کیے کہ اس کی بیٹی کی جان بچ گئی۔ عمارہ پوچھتی رہی کہ بچی کہاں تھی لیکن بزرگ کی ہدایت کے مطابق اس نے سب اپنے تک رکھا۔

آج بھی جبران وہ رات یاد کرتا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اگر وہ ایک لمحہ بھی دیر کر دیتا تو بہروز اس کی بیٹی کو آگ میں ڈال چکا ہوتا' بے شک اللہ بے حد رحیم و کریم ہے جیسے چاہے زندگی بخشے' ہم ہی اس کے ناشکرے بندے ہیں۔ جبران اللہ کا شکر ادا کرتا نہیں تھکتا تھا۔

انتظار ختم

☆ ماہ نومبر کا شمارہ مزاح نمبر ہوگا۔

☆ خوبصورت اور چٹ پٹی مزاحیہ تحریروں سے سجا یہ شمارہ آپ کی لائبریری کا حصہ ضرور بننا چاہیے۔

☆ مزاح نمبر یقیناً اپنی مثال آپ ہوگا' آپ کے پسند کے مصنفین کی تحریروں سے مزین مزاح نمبر آپ کو ہنس ہنس کر لوٹنے پر مجبور کر دے گا۔

☆ مزاح لکھنا بہت مشکل کام ہے مگر یہ مشکل ترین کام سچی کہانیاں کے مصنفین نے کر کے ثابت کیا کہ وہ ہر صنف پر قلم اٹھا سکتے ہیں۔

☆ اپنی کاپی آج ہی بک کروالیں

کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں۔

کراچی سے ارسال کردہ پُراسرار رویوں کی کہانی

شب خون

”رابعہ جہاز میں آگ لگ گئی ہے ہر طرف دھواں ہی دھواں ہے میری سانس رک رہی ہے۔“ دو دن تک آگ بھڑکتی رہی اور بدقسمت جہاز کے مسافر جلتے رہے تیسرے دن ریحان کی لاش کی شناخت اپیل کی گھڑی اور بیلٹ کے Buckle سے ہوئی' میرے سسر پر تو پہاڑ گر پڑا تھا۔ چند لمحے پہلے......

کہانی: رابعہ ریحان/ ترتیب: منزہ سہام

منزہ! کیا انسانی رویوں سے بھی زیادہ پُراسرار کچھ ہے۔ کیا انسان خود پرت در پرت خوفناک جاندار نہیں۔ ہر پرت کے نیچے ایک نیا چہرہ چھپا ہوتا ہے۔ تم میری یہ کہانی پُراسرار نمبر میں ہی شائع کرو۔

☆......☆......☆

یہ چند ٹوٹے پھوٹے' آنسوؤں اور آہوں میں ڈوبے جملے میری دوست کے ہیں وہ کیوں اپنی کہانی پُراسرار نمبر میں شائع کروانے پر بضد ہے اپ اسی کی زبانی سنیے مگر اختتام پڑھ کر مجھے بذریعہ خط ضرور بتایئے گا کہ کیا انسان واقعی میں سب سے زیادہ خوفناک اور پُراسرار ہے؟

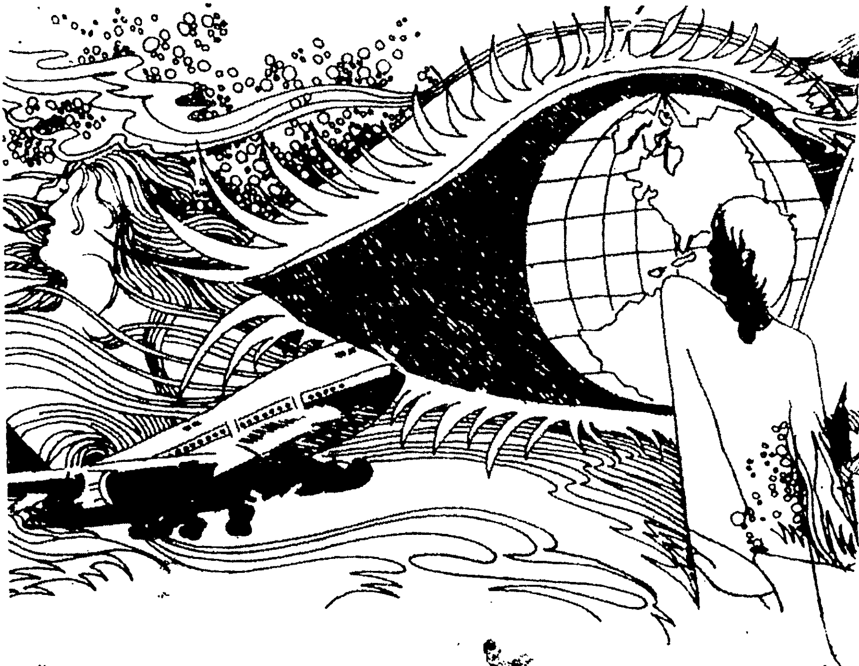
☆......☆......☆

”رابعہ جہاز میں آگ لگ گئی ہے ہر طرف دھواں ہی دھواں ہے میری سانس رک رہی ہے۔“

یہ وہ آخری جملے تھے جو میں نے اپنے محبوب شوہر کے منہ سے سنے۔ مجھے یقین ہے پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائن کی فلائٹ جو لاہور سے کراچی کے لیے عازم سفر تھی لینڈنگ سے محض چند سیکنڈ پہلے گھروں کے اوپر گر کر تباہ ہوئی آپ کی یادداشتوں میں ہوگی۔ 22 مئی بروز جمعۃ الوداع ہونے والے اس سانحے میں 97 مسافر اور عملے کے 8 افراد لقمہ اجل بنے۔

میں 25 سالہ رفاقت کے یوں ختم ہو جانے کو ابھی تک قبول نہیں کر پائی ہوں مگر اس سانحے سے بڑا بھی ایک سانحہ 4 دن بعد مجھ پر گزرا۔ آیئے میں آپ کو اپنی داستان سناؤں' سنا ہے سچی کہانیاں والے سچ چھاپتے ہیں مجھے امید ہے کہ پڑھنے والے بھی سچ کے متلاشی ہوں گے۔ میں اپنے پڑھنے والوں سے اپنے درد کا مداوہ چاہتی ہوں میں چاہتی ہوں کہ وہ میری رہنمائی کریں۔

میرا تعلق کراچی سے ہے شادی کے بعد میں اپنے شوہر کے ساتھ لاہور شفٹ ہوگئی۔ وہ کاروباری خاندان سے تعلق رکھتے تھے میرے سسر نے لاہور میں کاروبار سنبھالنے کی ذمہ داری ان کے حوالے کردی۔ ہماری شادی خالصتاً والدین کی پسند سے تھی لہٰذا میں ریحان کے مزاج سے آگاہ نہیں تھی۔ پہلی بار والدین سے دور ہو رہی تھی اس لیے بہت رنجیدہ



تھی مگر بھرے پرے سسرال سے نکل کر جب ریحان کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے کا موقع ملا تو پتہ چلا وہ تو ہیرا انسان ہیں نہایت نرم خو اور غریبوں کی مدد کرنے والے......ان سے کوئی بھی مدد مانگتا تو وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ واقعی میں ضرورت مند ہے بھی یا یونہی ان کی نرم دلی کا فائدہ اٹھا رہا ہے وہ مدد کر دیا کرتے میں نے کئی بار ان سے کہا۔

"معلومات تو کیا کریں۔" تو وہ ہنس کر بولے۔

"ارے بیگم اللہ نے بہت دیا ہے اور یقیناً اسی لیے دیا ہے کہ میں مدد کرتا رہوں۔" اور میں اس نیک انسان کے چہرے کی چمک دیکھتی ہی رہ گئی۔

اللہ نے مجھے دو بیٹیوں سے نوازہ ریحان کی جان تھیں اُن میں، وہ ایسے باپ اور شوہر تھے جن کے لیے مائیں جھولیاں اٹھا اٹھا کر دعائیں کرتی ہیں کہ ایسا داماد ان کو ملے۔ میری زندگی بہت مطمئن تھی محبت کرنے والا شوہر، اولاد روپیہ پیسہ اللہ نے سب عطا کیا کوئی کمی نہیں تھی زندگی نہایت سبک خرامی سے گزر رہی تھی۔

میں اور ریحان نہر کے کنارے لمبی واک کیا کرتے سرد شاموں میں جب لوگ اپنے گھروں میں ہیٹر کے سامنے بیٹھے ہوتے ہم دونوں دیوانے باہر گھوم رہے ہوتے۔ آج بھی میرے کانوں میں 'رابو تم بہت حسین ہو' کی سرگوشیاں گونجتی ہیں۔ ہم دونوں نے زندگی کے سرد و گرم ساتھ جھیلے خاندان کے لوگ اور ملنے ملانے والے ہماری مثالیں دیا کرتے تھے۔

سچ کہا کسی نے اچھا وقت برق رفتاری سے گزر جاتا ہے۔ گزر تو برا وقت بھی جاتا ہے مگر اپنے نشان ضرور چھوڑ جاتا ہے بیٹیاں بڑی ہو گئیں اب مجھے اور

ریحان کو ان کی شادی کی فکر تھی پھر ایک کے بعد دوسری بھی خیر سے اپنے گھر کی ہوگئی میں نے اور ریحان نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں بطور والدین سرخرو کیا۔ ہر والدین کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بچے اچھی تعلیم حاصل کریں اور اپنی زندگیوں میں خوش وخرم رہیں۔ میری بیٹیاں اپنے گھروں میں بہت خوش تھیں۔

میں اور ریحان اب پھر ایک دوسرے کو بہت وقت دینے لگے تھے۔ سچ کہا کسی نے بڑھاپے میں جتنی میاں بیوی کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے شاید جوانی میں اتنی نہیں ہوتی۔ ہم بھی اب شام کی چائے ساتھ پیتے۔ ریحان کو تو شوق نہیں تھا مگر میں زبردستی انہیں اپنے ساتھ لگا کر چھٹی والے دن گارڈننگ کرتی قریبی نرسریوں سے جاکر موسمی پھول پودے خریدتی' بچیاں آجاتیں تو خوب چہل پہل ہوجاتی۔

رابعہ مجھے آفس کے ضروری کام سے 3'4 دن کے لیے دبئی جانا ہے تم اکیلی پریشان تو نہیں ہوگی۔'' ایک دن صبح ناشتے پر ریحان نے مجھے بتایا۔

''اتنی اچانک......؟'' میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''اچانک تو نہیں رابو بس میں ہی ٹال رہا تھا مگر اب جانا ضروری ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس بار میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟'' میں نے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا پتہ نہیں کیوں مجھے اس بار ان کا جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ حالانکہ ریحان اکثر و بیشتر کام کے سلسلے میں سفر کرتے رہتے تھے۔

''یار میں نے تو کچھ اور سوچا تھا' میں سوچ رہا تھا کہ ہم اس بار عید کراچی میں کریں تمہارے والدین کے ساتھ میں واپسی پر کراچی آجاؤں گا۔''

اور میں ان کی اس بات پر ایک دم خوش ہوگئی بہت عرصہ ہوا تھا امی ابا سے ملے دونوں بہت بوڑھے ہوگئے تھے اور سفر نہیں کرسکتے تھے ورنہ میں انہیں اپنے پاس لے آتی۔

''ٹھیک ہے ریحان یہ تو بہت اچھا ہوجائے گا۔ مگر آپ عید سے پہلے واپس آجائیں گے نا؟'' میں نے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بھئی عید پر وہاں بھی چھٹیاں ہوں گی میں رک کر کیا کروں گا تم بس تیاری کرو۔'' رمضان کا تیسرا عشرہ شروع ہوچکا تھا۔ میں نے اپنی تیاری مکمل کی اور کراچی روانہ ہوگئی۔ ریحان کی اگلے دن کی فلائٹ تھی۔ وہ جمعرات کا دن تھا صبح ریحان نے مجھے کال کی۔

''رابعہ میں لاہور پہنچ رہا ہوں اور کل لاہور سے کراچی کی فلائٹ لے لوں گا۔''

''ریحان گھر سے نکلتے وقت مالی کو خاص ہدایت کردیجیے گا کہ پودوں کا خیال رکھے۔'' اور وہ ہنس پڑے۔

''کہہ دوں گا اچھا خدا حافظ۔'' بس یہ وہ آخری بات تھی جس کے بعد میں نے ان کا مخصوص خدا حافظ سنا اگلے دن ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر میں تسبیح کررہی تھی جب ریحان کا فون آیا۔

''رابعہ جہاز میں آگ لگ گئی ہے ہر طرف دھواں ہی دھواں ہے میری سانس رک رہی ہے۔'' دو دن تک آگ بھڑکتی رہی اور بدقسمت جہاز کے مسافر جلتے رہے تیسرے دن ریحان کی لاش کی شناخت اپیل کی گھڑی اور بیلٹ کے Buckle سے ہوئی۔ میرے سر پر تو پہاڑ گر پڑا تھا۔ چند لمحے پہلے جو شخص زندہ تھا اب وہ صرف راکھ کی صورت گھر لوٹ رہا تھا۔ ان کی میت کی تدفین تک میں جیسے

ٹرانس کی کیفیت میں رہی بیٹیاں کراچی پہنچ گئی تھیں۔ ہم اُن سے لپٹ کر انہیں خدا حافظ کہنا چاہتے تھے مگر وہاں تو کچھ تھا ہی نہیں۔

جس دکھ اور کرب سے میں گزری وہ میں ہی جانتی ہوں مگر ابھی میری کہانی ختم نہیں ہوئی۔ تدفین کے چوتھے دن آنے والی فون کال اور واٹس ایپ میسجز نے مجھے دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں پٹخ دیا۔

بہت دیر سے میرا سیل فون بج رہا تھا اور میں سُن دماغ کے ساتھ بیٹھی خلاؤں میں نجانے کیا تلاش کر رہی تھی جب میری بیٹی نے فون اٹھا کر مجھے دیا۔

''ماما فون ہے آپ کا۔'' دوسری طرف سے جو کہا گیا وہ کاش میں نے نہ سنا ہوتا۔

''میرا نام زارا ریحان ہے میں آپ کے شوہر کی بیوی ہوں اور جلد آپ سے ملنے آؤں گی نکاح کی تصویریں اور نکاح نامہ آپ کو واٹس ایپ کر دیا ہے دیکھ لیجیے۔''

25 سالہ رفاقت لمحوں میں آگ کے شعلوں کی نظر ہوگئی۔ اتنا بڑا دھوکا کیوں ریحان آپ نے ایسا کیوں کیا؟ مجھ سے بے وفائی کرتے ہوئے آپ نے ذرا بھی نہیں سوچا۔ میں اتنی زور سے چیخی 'ریحان' کہ میری آواز پھٹ گئی اور میں تیورا کے زمین پر گر گئی۔

وہ روداد تو الگ ہے کہ تصویروں اور نکاح نامے کی تصدیق کیسے کی گئی۔ انہوں نے جو لاکھوں کروڑوں اس عورت پر نچھاور کیے جس کا تعلق اس علاقے سے تھا جہاں شریف مرد بھی جاتے ہوئے گھبراتے ہیں مجھے دکھ نہیں ان کا پیسہ تھا وہ جہاں چاہتے خرچ کرتے مگر میرے دل میں جو پھانس ان کی بے وفائی سے چبھی ہے وہ شاید میری موت کے ساتھ ہی نکلے۔ کتنے مہینے گزر گئے میں عدت کے بعد لاہور لوٹ آئی وہ گھر جس کو میں نے اور ریحان نے اپنی محبت سے سجایا تھا بھائیں بھائیں کرتا ہے کبھی لان میں، کبھی ٹیرس پر کبھی کمرے میں اپنی مخصوص کرسی پر مجھے ریحان بیٹھے محسوس ہوتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہتے کچھ نہیں، میں پہلے سے زیادہ عبادت میں وقت گزارتی ہوں مگر دل ریحان کو معاف کرنے کو نہیں چاہتا۔

وہ داستان بھی الگ ہے جو میں نے اور بچیوں نے اس عورت کے ہاتھوں جھیلا اور اب تک جھیل رہی ہوں روز نئی کہانی روز نیا ڈرامہ...... ہم لوگ اپنے جاننے والوں میں تماشہ بن گئے ہیں لوگوں کی ترحم آمیز نگاہیں مجھے کچوکے لگاتی ہیں۔

''ریحان آپ نے اچھا نہیں کیا۔ میری وفاؤں کا صلہ یہ نہیں ہونا چاہیے تھا میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

آپ لوگوں نے میری کرب ناک داستان سنی بتائیے مجھے کیا کرنا چاہیے کیا مجھے ریحان کو معاف کر دینا چاہیے؟ کیا زندگی کے 25 سال دینے کے بعد بھی میں اس قابل نہ تھی کہ وہ اپنی زندگی کے اتنے بڑے فیصلے سے مجھے آگاہ کرتے کم از کم میں آنے والے حالات کے لیے خود کو اور بچیوں کو تو ذہنی طور پر تیار رکھتی۔

غیر انسانی مخلوق ہمیں اس لیے پُراسرار لگتی ہے کیونکہ وہ ہمیں نظر نہیں آتی وہ شکلیں بدل کر ہمیں دھوکا بھی دیتی ہے اور بعض اوقات جان بھی لے لیتی ہے تو انسان جو نظر کچھ آئے اور نکلے کچھ، جس کے پُراسرار رویے جیتے جی ہمیں مار ڈالیں کیا ایسے رویوں کو پُراسرار نمبر میں جگہ نہیں ملنی چاہیے تھی۔

ہمیشہ شیاطین اور جنات ہی برے نہیں ہوتے بعض اوقات گوشت پوست کا انسان ان سے زیادہ خطرناک اور پُراسرار ہوتا ہے۔

□□......❁......□□



کراچی سے ارسال کردہ خوفناک رات کا قصہ

کمرہ نمبر 19



سرد اور تاریک رات میں سفید چادر میں ملبوس
وہ جو کوئی بھی تھا آگے بڑھ نہیں پا رہا تھا......

ڈاکٹر جویریہ ندا

سلسلۂ کوہ مارگلہ رات کے وقت عجیب ہیبت ناک منظر پیش کر رہا تھا حالانکہ اس وقت اسلام آباد میں صرف نو بجے تھے کون یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ وہ ہری بھری پہاڑیاں ہیں جو دن کی روشنی میں

اس شہر کے باسیوں کی نگاہوں کو ٹھنڈک دیتی ہے تو دوسری طرف سیاحوں کو محو حیرت میں مبتلا کردیتی ہیں۔

سیاہ پہاڑیاں اور سیاہ آسمان تقریباً ایک ہی دکھائی دیتا اگر خزاں زدہ اکتوبر اور آخری تاریخوں کا زرد مدھم چاند اپنی پیلی ناتمام روشنی سے تاریکی کم کرنے کی کوشش نہ کرتا تاہم اس کوشش میں مارگلہ‘ آسمان اور چاند کا عجیب و غریب امتزاج پیدا ہوچلا تھا جو ماحول کی پُراسراریت کو لمحہ بہ لمحہ بڑھا رہا تھا عنیزہ گرینڈ کیبن ہائی ایس میں کھڑکی والی سیٹ پر بیٹھی اس نظارے کا بغور معائنہ کررہی تھی زبان پر درود شریف ورد جاری تھا‘ اسلام آباد میں کراچی کی بہ نسبت اس وقت سے ہی رش کم ہونے لگتا ہے اور یہی بات کراچی والوں کو عجیب لگتی ہے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ عنیزہ پر یہ وقت گراں گزر رہا تھا صرف وہ ہی نہیں بلکہ ہائی ایس میں بیٹھی ہر لڑکی کا یہی حال تھا پھر سیاہ پہاڑیاں‘ جس کے ٹیڑھے میڑھے اتار چڑھاؤ کسی ڈراؤنی فلم کا منظر پیش کررہے تھے۔ اب بے چارے کراچی والوں کا کیا قصور؟

جنہوں نے پہاڑیوں کے نام پر صرف کٹی پہاڑی دیکھی ہے۔ جہاں پر کبھی دنگا فساد‘ کبھی لوٹ مار جاری ہوتی ہے تو کبھی بارش کے زمانوں میں سیلابی ریلے‘ آدھا کراچی کو زیر اب لے آتے ہیں تو کبھی اس کے شہریوں کو وقت ملا تو غروب آفتاب دیکھ لیا وہ بھی اگر سامنے اونچی بلڈنگ کی تعمیر نے رہی سہی پہاڑی کو نہ چھپایا ہو تو......

یہ کراچی کی ایک معروف انجینئرنگ یونیورسٹی کی کل 45 طالبات پر مشتمل گروپ تھا سب یونیورسٹی کی طرف سے پاکستان ٹور کے لیے آئے تھے۔ ٹور گائیڈ انچارج دو لیکچرار اور ایک ڈاکٹر کی سربراہی میں پانچ ہائی ایس پر مشتمل یہ کارواں منزل مقصود کی طرف رواں دواں تھا۔ کراچی سے شمالی جات علاقوں کا سفر بذریعہ ٹرین سے کیا جائے تو زیادہ تر راولپنڈی ریلوے اسٹیشن پر اتارا جاتا ہے اور پھر وہاں سے اسلام آباد کا سفر بذریعہ گاڑی کوسٹر وغیرہ سے طے کیا جاتا ہے۔

اسلام آباد میں مرضی کا پڑاؤ پھر آگے آزاد کشمیر‘ ناران کاغان کی طرف بڑھا جاسکتا ہے لیکن پاکستان میں ٹرینیں عموماً مقررہ وقت پر نہیں پہنچتیں۔ یہی کچھ آج ان طالبات کے ساتھ ہوا۔ ٹرین کی تاخیر کے باعث ان سب کو اسلام



آباد پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ اس وقت کراچی کے شور وغل اور چہل پہل کی بہ نسبت اسلام آباد کا حد درجہ سکون ان سب کے لیے تھوڑے ڈر کی وجہ بنا ہوا تھا۔

''کیا مصیبت ہے؟ کب اسلام آباد پہنچیں گے؟'' یہ انابیہ تھی عنیزہ کے بچپن کی دوست اور کلاس فیلو، جھنجلا کر بولی۔

''پتہ نہیں......'' مختصر جواب ملا۔

''تمہیں کچھ پتہ بھی ہوتا ہے؟'' انابیہ نے بیزاریت سے کہا۔

''میری کمر اکڑ گئی ہے بیٹھے بیٹھے دو ٹکڑوں میں بٹ جائے گی۔''

''ڈونٹ وری ڈیئر۔ ابھی کچھ دیر میں پہنچنے والے ہیں لک دا گوگل میپ......'' اگلی سیٹ پر بیٹھی عرشی نے اپنا موبائل فون آگے کرتے ہوئے کہا۔

''بس دعا کرو خیریت سے پہنچ جائیں ویسے بھی اتنے کالے پہاڑوں کو دیکھ کر گھبراہٹ ہو رہی ہے۔'' عنیزہ نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہاں بھئی میڈم کو ان کالے پہاڑوں سے کوئی بھوت نکلتا ہوا دکھائی دے گا۔'' پیچھے سے وریشہ نے ہانک لگائی۔ عنیزہ کو بہت غصہ آیا لیکن وہ چپ رہی کیونکہ وریشہ اور ایمن سے اُلجھنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ یہ دونوں بھی اسی کے ساتھ کلاس میں تھی لیکن دونوں کو عنیزہ سے پتہ نہیں کیوں اللہ واسطے کا بیر تھا۔ شاید عنیزہ ایک لوئر مڈل طبقے سے تعلق رکھنے والی لڑکی تھی۔

جس نے اپنی محنت اور قابلیت سے نہ صرف انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ لیا بلکہ بدستور تین سال سے ٹاپ تھری میں رہ رہی تھی۔ اس کے برعکس وریشہ اور ایمن ہائی پروفائل طبقے سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں ٹھہریں۔ نچلے طبقے سے ایک لڑکی آ کر انہیں مات کرے کیسے گوارا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عنیزہ کی صحت پر تو کوئی اثر نہ پڑا تاہم وریشہ اور ایمن کی تعلیمی کارکردگی کا گراف نیچے آ گیا۔ واقعی حسد، حاسد کو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے لیکن شاید یہ بات ان دونوں کے سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتیں کہ کب عنیزہ کی دل آزاری کریں۔ عنیزہ ان کی ہر بات کو اگنور کرتی کیونکہ سب ان جیسے نہیں ہوتے، جیسا کہ عرشی، جو ہائی پروفائل طبقے سے تعلق رکھنے کے بعد بھی ملنسار دل کی مالک تھی۔

''اوہو......عنیزہ یار ان دونوں کی باتوں کو سیریس نہ لو وہ تو ہیں ہی تم سے جیلس، تم ٹاپ تھری میں ہو اور وہ باٹم تھری میں۔'' انابیہ نے جلدی سے سمجھایا۔

''میں سیریس نہیں لیتی ان کی باتوں کو۔'' عنیزہ نے کہا۔

''بس اس وقت اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں ڈر لگتا ہے کہ وہ ایسی باتیں ہنسی مذاق میں لے جاتی ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔''

''اوہو چھوڑو ان کو۔'' عرشی نے کہا۔

''میں تو تو کہتی ہوں کہ ایک بار سامنا ہو ہی جائے ان کا بھوتوں سے پھر لگ پتہ جائے گا۔''

''ہشش...... ایسا نہیں کہتے، بری بات ہے۔'' یہ کہہ کر عنیزہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور درود شریف کا ورد جاری کر دیا۔ کچھ دیر بعد ہوٹل پہنچ جانے کا اعلان کر دیا گیا۔

''ڈی وِنتاج کیسل......'' کے نام سے ہوٹل سیکٹر E-11 میں موجود تھا۔ پانچ منزلہ خوبصورت، مضبوط اور قدیم طرز کے ڈیزائن پر بنی یہ عمارت

اپنی مثال آپ تھی وسیع لاؤنج' خوش اخلاق عملہ' خوبصورت راہداری کشادہ کمروں پر مشتمل یہ ہوٹل بلاشبہ بہترین تھا۔ میڈم ہادیہ کی سربراہی میں لڑکیوں کو روم الاٹ کردیے گئے۔ ہر کمرے میں 5-6 لڑکیوں کو ٹھہرایا گیا۔ اس ہوٹل کے تین کمرے پہلے ہی ٹوریسٹ نے بک کیے ہوئے تھے اس لیے باقی کمرے لڑکیوں کو دے دیے گئے۔ یہاں صرف دو راتوں کا پڑاؤ تھا۔ پھر اگلی منزل مظفرآباد آزاد کشمیر تھی۔

عنیزہ انابیہ اور عرشی کو چوتھی منزل پر کمرہ الاٹ ہوا۔

''بسم اللہ......'' عنیزہ نے چابی سے دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم!'' کہتی ہوئی کمرے میں داخل ہوگئی۔ پیچھے انابیہ اور عرشی بھی بیگز لیے آئیں۔

''عنیزہ...... یہ خالی کمرے میں سلام کرنے کی کیا تک بنتی ہے؟'' عرشی نے پوچھا۔

''امی نے سکھایا ہے۔'' عنیزہ نے بات شروع کی۔

''کہیں بھی جاؤ سلام کرو' خاص کر خالی کمروں میں...... ہمیں نہیں پتہ کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی وہ مخلوقات بھی موجود ہیں جن کو صرف جانور دیکھ اور سن سکتے ہیں لیکن انسان نہیں ان میں اچھی اور بری دونوں مخلوقات ہیں سلام کرنے سے فائدہ یہ ہے کہ اچھی مخلوق جواب دیتی ہے تو نقصان نہیں پہنچاتی اور بری مخلوق اگر جواب نہیں دیتی تو اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے اس جگہ ٹھہر نہیں پاتی۔''

''واؤ کتنا بڑا روم ہے' بیوٹی فل۔'' وریشہ اچانک کمرے میں داخل ہوئی۔ پیچھے ایمن بھی چلی آئی۔

''بٹ ڈیئر وریشہ...... اس روم کے لوگ تو بالکل پسند نہیں آئے۔'' ایمن نے تمسخر اڑانے والے انداز میں کہا۔

''تم......تم لوگ یہاں' یہاں کیسے؟'' انابیہ کا پارہ ہائی ہوگیا۔

''او ہیلو...... عنیزہ کی چمچی......'' ایمن نے کہا۔

''اپنی خوشی سے نہیں آئے ہیں میڈم ہادیہ نے ہمیں زبردستی تم لوگوں کے ساتھ ڈال دیا ورنہ تم لوگوں کے ساتھ کون رہنا پسند کرے گا۔''

''اچھا......'' انابیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ وریشہ کے کفگیر...... میڈم ہادیہ نے تم لوگوں کو صحیح طرح سے اوقات یاد دلائی ہے۔'' ایمن لفظ کفگیر پر بھڑک گئی اس سے پہلے لڑائی جھگڑا ہوتا' عنیزہ نے معاملہ ٹھنڈا کردیا۔ ان کا یہ روم کارنر روم تھا جہاں سے کھڑکیوں سے اسلام آباد بمعہ مارگلہ کی پہاڑیوں کے خوبصورت منظر فراہم کرتا تھا۔ اسلام آباد کے ہوٹلز میں کارنر رومز کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کمرے میں ڈبل بیڈ کے علاوہ تین سلیپنگ کاوچز چادر اور تکیوں کے ساتھ فراہم کئے گئے تھے۔ واش روم' الماریاں' بڑا سنگھار میز' اور خاص بات کمرے کی چوڑی کھڑکی وریشہ نے داخل ہوتے ہی اپنا شولڈر بیگ بیڈ پر پھینک دیا۔

''میں تو یہاں اوپر بیڈ پر سوؤں گی' وہ اصل میں مجھے زمین یا چارپائی پر سونے کی عادت نہیں ہے۔''

''مجھے بھی......'' ایمن بھی بیڈ کی دوسری سائیڈ پر بیٹھ گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے...... اٹھو یہاں سے۔'' انابیہ نے ایمن کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے

کہا۔

''پہلے ہم آئے تھے۔''

''انابیہ جانے دو......''عنیزہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

''ہمیں سلیپنگ کاؤچز پر سونے میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ناں......تو پھر ہم تینوں سو جائیں گے صرف دو راتوں کی تو بات ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو شاید۔''انابیہ نے ایمن کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وریشہ اور ایمن نے ایک دوسرے کی طرف فاتحانہ انداز میں دیکھا۔ لیکن اگلے ہی جملے نے دونوں کا دماغ فرائی کر دیا۔

''ویسے بھی دیگ اور کفگیر ساتھ ساتھ اچھی لگتی ہے۔ ایک ساتھ' ایک بیڈ پر ایک سیٹ پر' ان کا رشتہ ہی ایسا ہے۔''انابیہ نے اطمینان سے کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے جھگڑا پھر سے شروع ہوتا کہ میڈم ہادیہ نے پانچویں منزل پر موجود ڈائننگ روم میں ڈنر کا بلاوا بھیج دیا ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ سب اور دیگر طالبات ڈائننگ ہال میں موجود تھی۔ پُر تکلف ضیافت کے بعد سب کو اگلے دن کی بریفنگ دی گئی اور ٹور پوائنٹ کے بارے میں آگاہ کر دیا گیا۔ مختصر بریفنگ کے بعد لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

''السلام علیکم......''عنیزہ کمرے میں داخل ہوئی۔

''وعلیکم السلام عنیزہ بی بی۔''پیچھے سے وریشہ اور ایمن کی با آواز اور ہم آواز ہوئی اور پھر بھونڈے انداز سے ہنسنے لگیں۔

''شرم آنی چاہیے تم لوگوں کو......''عرشی نے پیچھے سے آتے ہوئے کہا۔

''اب سلام کا بھی مذاق بنا رہے ہو۔''یہ کہتے ہوئے وہ جلدی سے کمرے میں چلی گئی۔

''عنیزہ پتہ ہے سامنے میڈم ہادیہ ٹھہری ہوئی ہیں۔''انابیہ نے وریشہ کو سنانے کے لیے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا۔

''تھینک گاڈ...... میڈم ہادیہ کے ہوتے ہوئے کبھی کوئی بدتمیزی نہیں ہوسکتی۔''وریشہ پیچ و تاب کھانے لگی۔ اکتوبر میں اسلام آباد کا موسم خزاں رسیدہ اور معتدل رہتا ہے عموماً دن میں گرمی ہوتی ہے لیکن رات میں قدرے ٹھنڈک ہوتی ہے۔ خشک اور ٹھنڈی ہوا کا بسیرا ہوتا ہے کبھی کبھار نیلے پیلے نارنجی خزاں رسیدہ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ رات میں ماحول کو پُراسرار بنا دیتی ہے۔ شمالی علاقہ جات خزاں کی خوبصورت میں لندن کے بعد دنیا بھر میں دوسرے نمبر پر آتا ہے اسی لیے طالبات کی فرمائش پر یہ ٹور اکتوبر میں رکھا گیا۔

ٹھنڈ کے باعث الماری سے کمبل نکال دیے گئے لیکن ایک کمبل کم پڑ گیا۔ وریشہ اور ایمن تو کمبلوں میں دبک گئیں۔

''میں نیچے جا کر کمبل منگواتی ہوں فون کیا ہے کاؤنٹر پر لیکن کوئی فون نہیں اٹھا رہا ہے۔''عنیزہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو...... میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔'' انابیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اکیلے نہ جاؤ انجان شہر ہے میں چلتی ہوں۔''پھر وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئیں۔ دونوں نے شالوں کو مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ اتنا بڑا ہوٹل لیکن پتہ نہیں کیوں عنیزہ کو انجانی سی بے چینی تھی راہداری میں سناٹا تھا' وہ دونوں لاؤنج میں کاؤنٹر پر پہنچ گئیں۔ کاؤنٹر کا بندہ نیا تھا شاید نائٹ ڈیوٹی پر آیا تھا۔

''ایکسکیوزمی......''عنیزہ نے کہا۔

''جی میم میرے لائق کوئی خدمت۔'' وہ مودبانہ انداز میں کھڑا ہوگیا۔
''ہمارے روم میں ایک Blanket کم ہے برائے کرم وہ بھجوادیں۔'' انابیہ نے کہا۔
''او کے میم...... روم نمبر پلیز......'' اس بندے نے پوچھا۔
''فورتھ فلور روم نمبر 19۔'' عنیزہ نے بتایا۔
''جی روم نمبر 19 آپ لوگ روم نمبر 19 میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟'' وہ بندہ جیسے گھبرا گیا۔ پسینے کی ننھی ننھی بوندیں اس کی پیشانی پر نمودار ہوگئیں۔ عنیزہ اور انابیہ نے بھی اس کی حالت پر غور کیا۔
''جی ہاں...... روم نمبر 19 کیا ہوا...... کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' وہ بندہ کچھ بول پاتا کہ اتنے میں ہوٹل کا منیجر آ گیا۔
''کیا ہوا عبدل......؟'' وہ قریب آ کر بولا۔
''سر یہ دونوں میڈم روم نمبر 19 میں ہیں اور ایک کمبل انہیں چاہیے۔'' اس نے ڈرے ڈرے لہجے میں کہا۔
''تو مسئلہ کیا ہے؟ میڈم آپ اپنے روم میں روم میں تشریف لے جائیں عبدل ابھی Blanket لے آئے گا۔'' منیجر نے شائستہ لہجے میں کہا۔
''سر میں...... لیکن سر......'' عبدل جیسے ڈر سا گیا۔
''ہاں...... تو کیا ہوا؟'' منیجر نے ذرا گھور کر دیکھا تو عبدل نے شاید اس بات کو غور نہ کیا لیکن عنیزہ کا دماغ اسی میں اٹک گیا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی بات چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئے اس نے حسب عادت پھر سلام کر کے دروازہ کھولا اور داخل ہوئی۔
''عنیزہ یار اب تو کمرے میں سب موجود ہیں۔'' انابیہ بولی۔
''دھیان نہیں رہا چلو کوئی بات نہیں سلام کرنا تو اچھی بات ہے۔'' عنیزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''امی کہتی ہیں کہ سلام کر کے داخل ہونے سے وہ بلایات جو باہر سے آپ کے ساتھ آ رہی ہوں وہ سلام کرنے سے گھر کے دروازے کے باہر رک جاتی ہیں اور گھر میں داخل نہیں ہو پاتیں' چاہے وہ کمرہ ہو یا گھر۔'' وریشہ اور ایمن منہ پر کمبل تانے بے خبر سو رہی تھیں۔ عرشی شاید اندر واش روم میں تھی۔ تھوڑی دیر دروازے پر دستک ہوئی۔ باہر عبدل کمبل لیے کھڑا تھا۔ عنیزہ نے کمبل لے لیا۔ عبدل کمبل دے کر آناً فاناً ایسے بھاگا جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ بڑی ہی عجیب حرکت لگ رہی تھی۔
انابیہ اور عرشی سو چکی تھیں۔ عنیزہ نماز عشاء سے فارغ ہو کر وہیں جائے نماز پر بیٹھی دعائیں پڑھ رہی تھی یہ اس کا معمول تھا عشاء کی نماز کے بعد دیر تک مختلف دعائیں پڑھنا' یکا یک اسے محسوس ہوا کہ جیسے کمرے میں اور کوئی بھی موجود ہے' عنیزہ کا گلا خشک ہونے لگا۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ پھر اس کی نظریں کھڑکی پر پڑیں اس نے اٹھ کر ان کھڑکیوں پر دبیز پردے سرکا دیے باہر سناٹا' اسٹریٹ لائٹ کی پیلی روشنی' ہو کا عالم اور کالے پہاڑ ماحول کو ہیبت ناک بنا رہے تھے بہتر یہی تھا کہ پردے ڈھانپ دیے جائیں۔ وہ پردے سرکا کر جیسے ہی مڑی تو اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔ دروازے کے پاس ایک عجیب الخلقت مخلوق' سفید

لبادہ پہنے کھڑی تھی۔ وہ بار بار دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوتی اور پھر آگے بڑھنے کی کوشش کرتی، لیکن آگے بڑھ نہ پاتی، کچھ لمحوں کے لیے عنیزہ ساکن ہوگئی اس کی حالت ایسی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، زبان تالو سے چپکنے لگی۔

جیسے ہی اس عجیب والخلقت مخلوق نے اسے دیکھا اس نے اپنے بازو پھیلانے شروع کردیے لیکن یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ اس کی طرف بازو تو پھیلا رہی ہے لیکن پھیلا نہیں پا رہی تھی۔ یکایک اسے اپنے پیچھے سے چیخنے کی آوازیں آئیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھا کہ تو یہ وریشہ اور ایمن تھیں جو اٹھ چکی تھیں اور اس مخلوق کو دیکھ کر چیخیں مار رہی تھیں یکایک اس مخلوق نے ان دونوں کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس اثناء میں انابیہ اور عرشی کی آنکھ نہ کھلی۔

بلکہ وہ تو ایسے سو رہی تھیں کہ جیسے انہیں کوئی آواز ہی نہیں آرہی ہو۔ عنیزہ کو محسوس ہوا کہ وہ جاگتی آنکھوں سے کوئی خوفناک خواب دیکھ رہی ہے۔ اس نے اپنی ہمت یکجا کر کے آیت الکرسی کا ورد باآواز بلند شروع کردیا۔ وریشہ اور ایمن کی طرف بڑھتی وہ مخلوق یک لخت رک گئی اور دوبارہ دروازے اور تھوڑا آگے چکر کاٹنے لگی وہ کچھ کر نہیں پا رہی تھی۔

''عنیزہ...... عنیزہ...... اٹھو......''

انابیہ نے اسے اٹھایا اور عنیزہ جیسے ہوش میں آگئی۔

''تم جائے نماز پر ہی سو گئی کیا؟ سلیپنگ کاؤچ پر کیوں نہیں آئیں؟'' عرشی نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔ عنیزہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ جو اس نے دیکھا وہ خواب تھا کہ حقیقت......

وہ ہاتھ کے اشارے سے دروازے کی طرف اشارہ کرنے لگی۔

''وہاں، وہ...... وہ ہے......'' عنیزہ ہکلانے لگی۔

''عنیزہ...... میری طرف دیکھو...... وہاں کوئی نہیں ہے، ریلیکس...... کچھ نہیں ہوا ہے چلو اٹھو شاباش......'' انابیہ نے اسے پکڑ کر اٹھایا عرشی نے گلاس میں پانی پلایا۔

''ابھی سو جاؤ، نیند کی دعا پڑھو اور سو جاؤ۔'' انابیہ نے اس سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور اسے سلا دیا۔

اگلی صبح عنیزہ اٹھی انابیہ اور عرشی موجود تھے۔

''وریشہ اور ایمن کہاں ہیں؟'' عنیزہ نے بے تابی سے پوچھا۔

''وہ ڈائننگ ہال چلی گئی ہیں، ہم تمہارے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے۔'' انابیہ بولی۔

''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''بہتر ہے۔'' جواب ملا۔

''گڈ...... تو میڈم نہا دھو کر تیار ہو جائیں ناشتہ لگ چکا ہوگا۔'' عرشی نے کہا۔ وہ تینوں تیار ہو کر باہر آگئیں۔ ڈائننگ ہال میں بھی عنیزہ کی نظریں وریشہ اور ایمن کو ڈھونڈتی رہیں لیکن وہ نظر نہ آئیں، ناشتے سے فارغ ہو کر طالبات کو دامن کوہ، راول ڈیم کی سیر کے لیے لے جایا گیا عنیزہ کا دل نہیں لگ رہا تھا وہ کھوئی کھوئی سی تھی۔ شاید رات کے واقعہ میں اُلجھی ہوئی تھی۔ انابیہ اور عرشی حتیٰ الامکان اسے بہلاتے پھر رہے تھے۔

شام تک واپسی ہوئی تو پتہ چلا کہ عنیزہ کو انابیہ اور عرشی سمیت میڈم ہادیہ کے روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ میڈم ہادیہ نے ان کا لنچ بھی اپنے کمرے میں منگوالیا تھا۔ استفسار پر بتایا گیا کہ

ایک کپل کو کارنر کا بڑا روم چاہیے تھا۔ اس لیے ان کو میڈم ہادیہ کے روم میں منتقل کر دیا گیا ہے اور روم کپل کو دے دیا گیا ہے۔

نیز دوسرا انکشاف یہ ہوا کہ وریشہ اور ایمن کی اچانک طبیعت خراب ہونے کی بناء پر واپس دوسری لیکچرار کے ساتھ کراچی بھیج دیا گیا ہے باقی گروپ ٹور مکمل کرے گا۔ گروپ اپنا ٹور مکمل کر کے دس دن بعد واپس کراچی پہنچ چکا تھا۔ عنیزہ بھی اس واقعے کو برا خواب سمجھ کر بھلا چکی تھی۔

ایک دو دن بعد دوبارہ کلاسیں بھی شروع ہوگئیں۔ لیکن وریشہ اور ایمن ابھی بھی نہیں آ رہی تھیں۔ تقریباً دو ہفتے بعد دونوں نے کلاس میں آنا شروع کیا۔

''ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں؟'' کینٹین میں عنیزہ' انابیہ اور عرشی بیٹھے تھے کہ تبھی وریشہ اور ایمن آ گئے۔ آج ان کی آوازوں میں وہ رعونت نہیں تھی۔

''بالکل......''عنیزہ نے شائستگی سے کہا۔ وہ دونوں بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد وریشہ نے بولنا شروع کیا۔

''عنیزہ سمجھ نہیں آتا کہ بات کہاں سے شروع کروں؟'' اس نے دھیمے لہجے میں بولنا شروع کیا۔

''تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارے کلام پڑھنے کی عادت نے ہمیں بچالیا...... ورنہ ہم تمہارے سامنے زندہ نہ بیٹھے ہوتے۔''

''کیا مطلب......کھل کر بتاؤ۔''عنیزہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''عنیزہ......اس رات جب ہم اسلام آباد میں چوتھی منزل کمرہ نمبر 19 میں ٹھہرے تھے تو

غزل

عہدِ ماضی بھلا نہیں سکتا
میں ترے خط جلا نہیں سکتا
لوحِ دل پر ہیں آج بھی روشن
نقش تیرے مٹا نہیں سکتا
اب کہ تیرے سوا دگر کوئی
دل میں میرے سما نہیں سکتا
پیچ و خم سب نظر میں رکھتا ہوں
میں کہیں لڑکھڑا نہیں سکتا
مجھ میں ہمت ہے زخم کھانے کی
تو مجھے اب ڈرا نہیں سکتا

حامد علی سید

تمہیں یاد ہے کہ تم اور انابیہ کمبل لینے نیچے گئے تھے؟'' وریشہ نے بات شروع کی۔

''ہاں......تو......''عنیزہ بولی۔

''تم دونوں کے جانے کے بعد عرشی واش روم چلی گئی ہم نے تم تینوں کو مزا چکھانے کا پلان بنایا تھا۔ اس لیے عرشی کے جاتے ہی ہم نے اپنے بستر چھوڑے' کمبلوں کو اس طرح سے سیٹ کیا کہ تم لوگ دھوکا کھا جاؤ کہ ہم سو رہے ہیں' ہم سفید چادریں لے کر وہیں کاریڈور کے ایک دیوار کی اوٹ میں ہو گئے۔'' وریشہ نے اپنی بات جاری رکھی۔

''تم جیسے ہی کمرے میں آئیں تو پیچھے بندہ کمبل لے کر آ گیا۔ ہمارا پلان ڈھیلے ہو گیا۔ پھر ہم نے ایک گھنٹہ وہیں رُکنے کا ارادہ کیا کہ تم لوگ سو جاؤ ہم سفید چادریں اوڑھ کر بال کھول کر کمرہ نمبر 19 کے دروازے پر آئے ارادہ تھا کہ دروازہ بجائیں گے تم لوگ کھولو گے عنیزہ ڈر جائے لیکن جب وہاں گئے تو وہاں پہلے ہی سے کوئی سفید چادر اوڑھے کھڑا تھا۔ ہم سمجھے کہ دوسرے کمرے کی لڑکیوں نے بھی شرارت کا

پلان بنایا ہوگا۔ یہ سوچ کر کہ اب تو اور مزہ آئے گا ایمن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ تم بھی ہماری طرح ڈرانے آئے ہو۔''

''ہاں میں نے ہاتھ رکھا۔'' ایمن نے اپنی بات شروع کی۔

''وہی زندگی کی بھیانک غلطی تھی یہ دیکھو میرا ہاتھ......'' یہ کہتے ہوئے ایمن نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اس کے ہاتھ پر آبلے پڑے ہوئے تھے۔

''جانتی ہو عنیزہ......'' ایمن روہانسی ہو کر بولی۔

''مجھے لگا کہ میں نے تندور میں ہاتھ دے دیا ہے وہ چادر میں لپٹی مڑی' اُف اللہ...... کیا تھی وہ...... عجیب الخلقت مخلوق...... ہم دونوں کے پاؤں کچھ لمحے کے لیے جم گئے پھر ہم گرتے پڑتے ایک دوسرے کے سہارے سے راہداری میں بھاگے' لیکن بھاگا نہیں جا رہا تھا پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے۔''

''وہ مخلوق وہیں کھڑی رہی اسے بیان کرنا کم از کم ہمارے بس میں نہیں ہے' بس اتنا یاد ہے کہ اس نے اپنے بازو ہماری طرف پھیلانے شروع کر دیے تھے یقین کرو ہم دعائیں پڑھنا بھول چکے تھے کچھ یاد ہی نہیں آ رہا تھا' پھر لگا کہ دور سے تمہاری آیت الکرسی پڑھنے کی آواز آ رہی ہے اس مخلوق نے بازو ہٹا لیے۔''

''ہماری آوازیں جو گھٹ گئی تھیں نجانے کیسے لوٹ آئیں ہم گرتے پڑتے تیسری منزل پہنچ گئے وہاں کمرے کو ناک کر کے گھس گئے۔ میڈم ہادیہ کو بھی بلوایا گیا ہم دونوں کو تیز بخار ہو گیا۔ میڈم ہادیہ کو ہم نے سب بتا دیا لیکن دوسری طالبات کی غیر موجودگی میں' فرسٹ ایڈ کے بعد میڈم ہادیہ نے ہم کو فوراً روانہ کر دیا۔ اور یہاں طبیعت خراب کا بہانہ بنا دیا۔ کسی کو نہیں معلوم کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ بس تم سے سوری کرنے آئے تھے اور تھینکس بولنا تھا۔'' وریشہ اور ایمن بات ختم کر کے چلے گئے۔

عنیزہ سوالیہ نشان بن گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس بات پر کیسے ردعمل دے۔

''انابیہ...... عرشی۔'' عنیزہ نے دونوں کو مخاطب کیا۔

''سچ سچ بتانا میڈم ہادیہ نے تمہیں یہ سب بتا دیا تھا پلیز مجھ سے نہ چھپانا۔'' کچھ دیر سکوت طاری رہا۔

''عنیزہ یہ سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ میڈم ہادیہ نے ان دونوں پر بیتنے والی اس خوفناک رات کا احوال بھی ہمیں بتا دیا تھا۔'' انابیہ نے گلا کھنکھار کر بات شروع کی۔

''اس صبح کو ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ وریشہ اور ایمن دونوں بیڈ پر نہیں ہیں اور شاید رات بھر بھی نہیں تھیں اس انکشاف کے بعد ہمیں پریشانی لاحق ہوئی کہ کہیں کوئی مسئلہ ہو گیا تو الٹا ہم پر الزام نہ آ جائے تو میں عرشی کو تمہارے پاس چھوڑ کر میڈم ہادیہ کو یہ بتانے گئی' وہاں انہوں نے مجھے اس بات پر سب بتایا کہ میں باقی طالبات سے کوئی ذکر نہ کروں وگرنہ خوف و ہراس پھیل جائے گا۔ صرف عرشی میری ہمراز تھی۔ ہم نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ اس رات ہم تمہاری خوفزدہ حالت دیکھ چکے تھے اور مزید پریشان کرنا نہیں چاہ رہے تھے۔ یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ شاید تمہیں کوئی ان دیکھے وجود کا احساس ہو رہا ہے جبھی تم با آواز بلند آیت الکرسی پڑھ رہی تھیں۔'' انابیہ اپنی بات مکمل کر کے چپ ہوئی۔ اتنے میں عرشی کا موبائل بج اٹھا اور وہ موبائل کان سے لگا کر اٹھ کر چلی گئی۔

''انابیہ...... تمہیں پھر بھی مجھے یہ سب بتا دینا چاہیے تھا۔'' عنیزہ نے کہا۔

''عنیزہ ...... بچپن سے تمہارے ساتھ ہوں...... تمہاری ہر اچھی اور بری عادت اور باتوں سے واقف بھی ہوں۔'' انابیہ نے کہا۔

''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو یہ صلاحیت دیتا ہے کہ انہیں اس طرح کی مخلوقات کا غیر محسوس طریقے سے احساس ہونے لگتا ہے یا ہونے والے واقعات کو لے کر چھٹی حس کا بیدار ہونا تمہارا ہائی ایس میں بے چین ہونا' اور نیند میں آیت الکرسی کا ورد کرنا یقیناً کوئی ایسی بات دیکھی ہوگی تم نے شاید اللہ تعالیٰ کے انہی بندوں میں سے تم ہو۔'' انابیہ گہری سوچوں میں تھی۔ عنیزہ نے پہلے کچھ بولنا چاہا پھر یہ سوچ کر چپ ہوگئی کہ کہیں انابیہ گھبرا نہ جائے۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' عنیزہ نے کہا۔

''شاید اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی مدد کا ایک ذریعہ بنایا ہو۔ بس اتنا کہوں گی جو ہوا وہ میں خوابیدہ حالت میں دیکھا بس آگے کچھ نہ پوچھنا۔'' وہ دونوں چپ چاپ چائے پینے لگیں۔

کچھ فاصلے پر بیٹھی میڈم ہادیہ جو کینٹین چائے پینے کے لیے آ گئی تھیں۔ غیر ارادری طور پر ان کی باتیں سن رہی تھیں ان کے ذہن میں پچھلے ہفتے کے اس ہولناک انکشاف کو سوچ کر لرزا اٹھا جو انہوں نے اپنے تک محدود رکھا اور انابیہ کو بھی نہ بتایا۔ چوتھی منزل کمرہ نمبر 19 پہلے ہی سے آسیب زدہ مشہور تھا تاہم یہ بات انہیں معلوم نہ تھی۔ اس رات ایک کمرے کی کمی کے باعث ہوٹل کے منیجر نے اپنی نااہلی چھپانے کے لیے اس کمرے کو الاٹ کر دیا۔

وریشہ اور ایمن پر گزرنے والے اس سانحے کے بعد انہوں نے خود تحقیقات کیں تو وہاں کے ملازم عبدل نے نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر یہ بھید کھول کر رکھ دیا انہوں نے فوراً لڑکیوں کو بتائے بغیر بہانے سے ان تینوں لڑکیوں کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ اور عہد کیا کہ وہ بھی کچھ اس انکشاف کے بارے میں نہیں بتائیں گی۔

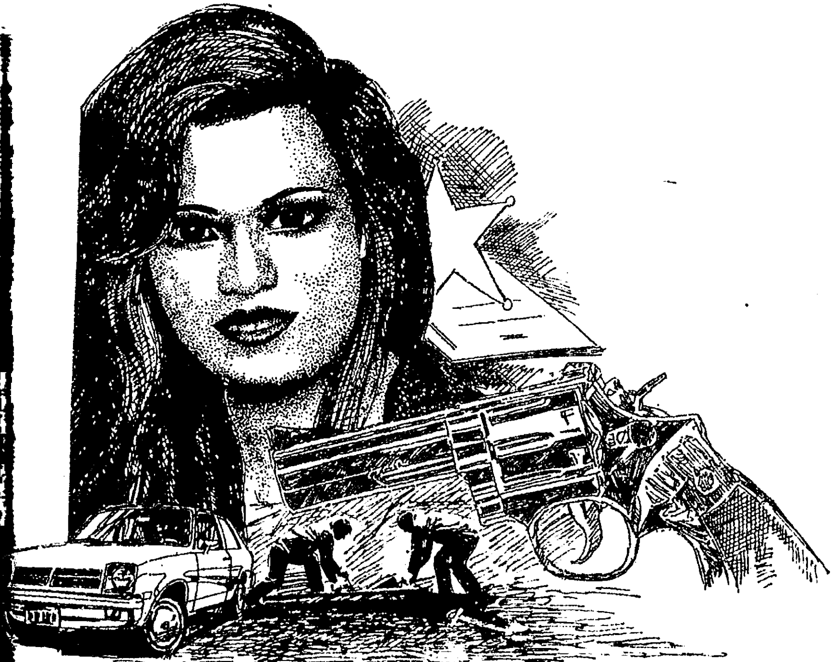
ان تمام باتوں سے بالاتر ایک بات جس پر شاید ہی کسی نے غور کیا ہو۔ بڑے بوڑھے صحیح کہتے ہیں ہمارا مذہب بھی سلام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عنیزہ کی امی نے خالی کمروں میں بھی سلام کرکے جانے کی تلقین کی تھی۔

یہ السلام علیکم! کی ہی برکت تھی وہ مخلوق دوبارہ اس کمرے میں داخل نہ ہو پا رہی تھی۔ لڑکیاں تو کمرے میں چلی گئیں تاہم مخلوق جو ساتھ آئی تھی وہ وہیں دروازے پر رہ گئی۔ جو بعد ازاں وریشہ اور ایمن کو اسی دروازے پر کھڑی نظر آئی۔

''میڈم آپ کے لیے کارنر روم سب سے خوبصورت ہے۔ بس کرایہ زیادہ ہے کیونکہ کھڑکیوں سے مارگلہ ہلز کا ویو سب سے پرفیکٹ نظر آتا ہے۔'' ہوٹل ڈی ونتاج کیسل کا منیجر کاؤنٹر پر کھڑی دو ٹورسٹ خواتین کو بتا رہا تھا۔ عنیزہ اور وریشہ والے واقعے کو دو مہینے ہو چکے تھے۔

''نو پرابلم پیسوں کی فکر نہ کریں آپ روم بک کریں۔'' اس خاتون نے نوٹوں کی گڈی کاؤنٹر پر رکھ دی۔ منیجر نے مسکراتے ہوئے رقم وصول کی۔

''میڈم یہ آپ کی چابی چوتھی منزل' کمرہ نمبر 19۔''



لاہور سے بھیجی گئی عجوبہ تحریر

چھٹی حس

اس کی چھٹی حس لڑکپن
سے ہی اس کو خبردار کر رہی تھی......

میمونہ عباسی

اس دنیا میں بعض اوقات اتنے عجیب وغریب واقعات رونما ہوتے ہیں جو ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ اس کی وجوہات کیا ہوں گی؟ اس کے محرکات کیا ہوں گے؟ قاتل نے یہ انتہائی قدم کیوں اٹھایا ہوگا؟ کاش...... ایسا نہ ہوتا؟ ہم کف افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔ بے چارہ خواہ مخواہ مارا

گیا۔

اسی طرح کی ایک حقیقی کہانی میرے پاس بھی ہے جو کہ میری دوست کی کزن کے ساتھ پیش آئی تو سنیے اس کی کزن کے ساتھ کیا ہوا اس بے چاری کا کیا قصور تھا، جس کی اسے سزا ملی کوئی نہیں جانتا۔

عقیل صاحب بینک منیجر تھے۔ ان کی تین بیٹیاں تھیں زارا، سارا اور ماریہ یہ تینوں کالج کی طالبات تھیں۔ ان دنوں عقیل صاحب کو ان کے دوست نے ایک پٹھان ڈرائیور مہیا کیا وہ ادھیڑ عمر شخص تھا۔ اس کو یہ تینوں بہنیں ڈرائیور چاچا کہتی تھیں۔

ماریہ کو اس کی سرخ آنکھوں سے خوف محسوس ہوتا تھا وہ اس سے بات کرنے سے کتراتی تھی۔ گھر میں امی اور بہنوں سے ذکر کیا تو وہ اس کا مذاق اڑانے لگیں۔

'وہم ہے تمہارا' لیکن اس کا دل گھبراتا تھا۔

'ڈرائیور چاچا کی آنکھوں میں کچھ نہ کچھ ایسا ہے جو بہت خوفناک ہے۔ وہ ضرور ایک نہ ایک دن مجھے نقصان پہنچائیں گے۔ چاہے کوئی میری اس بات کا یقین کرے یا نہ کرے۔'' وہ خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگی تھی۔ لیکن اس کی امی اور بہنوں نے اس کی بات پر خاص توجہ نہ دی۔

وقت گزرتا گیا زارا کا رشتہ آیا آسٹریلیا سے' لڑکا ڈاکٹر تھا۔ مہندی پر سارا اور ماریہ نے خوب رقص کیا۔ شادی والے دن جب تینوں بہنیں بیوٹی پارلر سے تیار ہو رہی تھیں تو واپسی پر ماریہ نے نقاب کرنا چاہا۔

''ماریہ تم نقاب کیوں کر رہی ہو؟'' سارا نے اس کا ہاتھ روکا۔

''میک اپ خراب ہو جائے گا۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ معصومیت کے ساتھ بولی۔ تو سارا کھلکھلا اٹھی۔

''بے وقوف ڈر کس سے لگ رہا ہے تمہیں اندھیرے میں ہم کسے نظر آئیں گے کار میں ہوں



گے ہم۔'' اس نے اپنے تراشے ہوئے سنہری بالوں کو پیچھے دھکیل کر کہا۔ ماریہ عجیب مخمصے میں پھنسی تھی۔ جب زارا دلہن بن کر تیار ہو چکی تو ماریہ نے غیر محسوس طریقے سے کار تک پہنچتے پہنچتے چادر اس طرح اوڑھ لی تھی کہ اس کا چہرہ تقریباً چھپ چکا تھا۔ پھر بھی شادی ہال پہنچ کر جب وہ اترنے لگی تو غیر ارادی طور پر اس نے سر اٹھا کر ڈرائیور چاچا کو دیکھا۔ اس کے جسم نے جھرجھری سی لی وہ اب بھی اسے غصے سے ہی دیکھ رہا تھا۔

زارا کی شادی ہوگئی وہ آسٹریلیا چلی گئی اس کے بعد اب سارا کی باری تھی۔ عقیل صاحب اور ان کی اہلیہ جلد از جلد اپنے اس فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے۔ سارا کا رشتہ آتے ہی اس کی بھی شادی کر دی۔ وہ فیصل آباد چلی گئی۔ اب گھر پر صرف ماریہ اکیلی رہ گئی تھی۔ اس نے کالج کو خیر باد کہا اور پرائیویٹ تھرڈ ایئر کرنے لگی۔ وہ اب بی اے کی طالبہ تھی۔ ڈرائیور چاچا کے ڈر سے جب بھی اسے گھر سے باہر جانا ہوتا۔ بڑی سی چادر اوڑھ کر نکلتی۔

لیکن اس کے باوجود ڈرائیور چاچا اسے غصے سے ہی دیکھتا تھا۔

''معلوم نہیں میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔'' وہ خود سے سوال کرتی اسی طرح وقت گزرتا گیا۔ جب فواد کا اس کے لیے رشتہ آیا زارا اور سارا اپنے بچوں اور شوہروں کے ساتھ اس کی شادی پر آئی تھیں۔ شادی والے دن بیوٹی پارلر میں دلہن بننے کے بعد اس نے ملتجی نظروں سے زارا کو دیکھا اور کہا۔

''مجھے چادر اوڑھا دیں۔'' وہ منمنائی۔

''یہ لو......'' زارا نے اسے چادر سے ڈھانپا۔

''ٹھیک طریقے سے پکڑ لو اسے۔'' وہ بولیں۔

''روپ تو خوب آیا ہے تم پر ماشاء اللہ......''

انہوں نے اس کی نظر اتاری وہ لوگ کار میں شادی ہال آ گئے۔ آج ماریہ نے گھونگھٹ اٹھا کر ڈرائیور چاچا کو نہیں دیکھا تھا۔ دل میں پختہ یقین تھا کہ وہ آج بھی اسے غصے سے دیکھ رہے ہوں گے۔

تین سال گزرنے کے بعد ماریہ اور فواد کی شادی کی سالگرہ تھی آج......ان کی دو سال کی ایک بیٹی بھی تھی۔ ماریہ نے اس خوشی میں تمام نوکروں کو چھٹی دے دی تھی...... ماریہ شیشے کے سامنے بیٹھی اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا رہی تھی اور فواد خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ وہ گھومنے پھرنے باہر جا رہے تھے۔ جب ڈور بیل بجی۔ فواد نے پرفیوم رکھتے ہوئے کہا۔

''اس وقت کون آ گیا؟'' اور کمرے سے نکلا۔ ماریہ اس کے پیچھے لپکی۔ اس کی چھٹی حس کسی انہونی کا پتہ دے رہی تھی۔

''ٹھہریے فواد مجھے کیمرے میں دیکھنے دیں۔'' فواد بھی اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

کیمرے میں نظر آنے والے منظر نے ان دونوں کے ہوش اڑا دیے۔ ڈرائیور چاچا ہاتھ میں پستول تھامے کھڑا تھا۔ فواد نے ماریہ سے کہا۔

''تم آمنہ کو لے کر اوپر والے کمرے میں چلی جاؤ میں علاقے کے تھانے کو مطلع کرتا ہوں۔''

آمنہ ماں باپ کو پریشان دیکھ کر خوفزدہ تھی۔

ڈرائیور چاچا اب انہیں گھر کی پچھلی جانب جاتا دکھائی دیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ یہ فیصلہ کر کے آیا ہے کہ آج کسی کی جان لیے بغیر نہیں جائے گا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ مین دروازے سے پولیس کے اہلکار اندر کودتے نظر آئے اور انہوں نے ڈرائیور چاچا کو پستول سمیت گرفتار کر لیا۔

یوں ماریہ کی چھٹی حس نے ایک بہت بڑے حادثے سے اُس کے خاندان کو بچا لیا۔

□□......❀......□□



لاہور سے ارسال کردہ دل خراش تحریر

وہ آنکھیں

دروازے کی اوٹ

سے کوئی اس کو دیکھ رہا تھا......

جویریہ رابعہ

جو کہانی میں آج سنانے جا رہی ہوں یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پاکستان بن چکا تھا اور انڈیا سے مسلمان ہجرت کر کے پاکستان آ رہے تھے ان میں ہم لوگ بھی شامل تھے۔ چونکہ انڈیا میں ہمارا اپنا کافی بڑا گھر تھا اس لیے ہم نے پاکستان آ کر اپنے گھر کے کاغذات جمع کروا دیے تو ہمیں ایک گھر مل گیا۔ آس پاس کے لوگوں سے پتہ چلا کہ اس گھر میں پہلے ہندو رہا کرتے تھے لیکن پاکستان بننے کے بعد یہاں سے چلے گئے۔ گھر آ کر امی نے گھر کی صفائی شروع کر دی گھر کے کونے میں ایک اسٹور بھی تھا جس کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ میرے ابو نے وہ تالا توڑ دیا اندر کافی گندگی پڑی تھی جس میں خشک خون کے چھینٹے بھی تھے اندر چار مورتیاں رکھی ہوئی تھیں مورتیوں کا قد چھت کو چھو رہا تھا۔ ابو نے کہا۔

”جس دن مجھے تھوڑا وقت ملے گا میں یہ مورتیاں یا تو کسی مندر میں رکھوا دوں گا یا پھر کہیں پھینک کر آ جاؤں گا۔“ امی نے اسٹور کی کافی اچھی صفائی کر ڈالی۔ اس گھر میں آئے ہوئے ہمیں پانچ دن ہو چکے تھے ایک رات ہم لوگ کھانے کے بعد چائے پی رہے تھے جس کمرے میں ہم لوگ بیٹھے تھے اس کے بالکل سامنے اسٹور تھا۔ میرا منہ اسٹور کی طرف تھا اچانک میری نظر اسٹور پر پڑی میں نے



دیکھا کہ اسٹور کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور اس کی جھری سے کسی کی آنکھیں نظر آ رہی تھی جو مجھے ہی گھورے جا رہی تھی میں اسے دیکھ کر اتنی خوفزدہ ہو چکی تھی کہ مجھے آس پاس کا کوئی ہوش نہ رہا تھا اچانک میرے بھائی کی ہنسنے کی آواز مجھے ہوش کی دنیا میں واپس لائی۔ میں نے سب کو دیکھا سب باتیں کر رہے تھے۔ میں نے پھر اسٹور کو دیکھا لیکن اب وہاں پر کوئی بھی نہیں تھا۔

میں نے یہ بات کسی کو بھی نہیں بتائی اس رات کو جب میں سونے لیٹی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی چھوٹی بچی مجھے مدد کے لیے پکار رہی ہے یہ خواب میں نے تقریباً تین دن تک دیکھا۔

پھر ایک دن میں نے ہمت کر کے امی کو آنکھیں نظر آنے والا واقعہ بتا دیا امی نے کہا۔

''یہ بات تو سچ ہے کیونکہ میں اکثر رات کو ایسے ہی کسی کام سے اٹھ جاتی تھی تو مجھے بھی اسٹور میں کوئی کھڑا نظر آتا تھا لیکن اب یہ بات تو میں تمہارے ابو کو بول نہیں سکتی کیونکہ تمہارے ابو جنات پر یقین نہیں رکھتے۔'' لیکن پھر امی نے کہا۔

''ارے ہاں یاد آیا میری ایک دوست ہے اس کے شوہر تھوڑا بہت علوم جانتے ہیں جب تمہارے ابو آفس چلے جائیں گے۔ تو میں اپنی دوست کو سب بتا دوں گی۔ شاید وہ لوگ ہماری کچھ مدد کر سکیں پھر اگلے دن امی اپنی دوست کے گھر چلی گئیں کافی دیر بعد جب وہ آئیں تو ساتھ میں اُن کی دوست اور دوست کے شوہر بھی ساتھ تھے وہ اسٹور میں حصار بنا کر بیٹھ گئے اور ہم سب کو کمرے میں جانے کو کہا تھوڑی دیر بعد وہ آئے اور کہنے لگے۔

''میں نے مراقبے میں دیکھا ہے کہ یہاں پر جو پہلے ہندو لوگ رہتے تھے وہ کالے علوم کے ماہر تھے وہ لوگ ایک جنات کی بچی کو اپنے قبضے میں لینا چاہ رہے تھے اس کے لیے وہ ایک خاص عمل کر رہے تھے لیکن تقسیم ہند کے بعد وہ اپنا ادھورا عمل چھوڑ کر بھاگ گئے ادھورے عمل کی وجہ سے وہ جن کی بچی مورتی میں تبدیل ہو گئی وہ صرف رات کے وقت چل پھر سکتی ہے لیکن ہندو لوگوں جانے سے پہلے ایک حصار اسٹور میں کھینچ کر چلے گئے تھے تا کہ وہ اس اسٹور سے باہر نہیں نکل پائے۔ وہ اس اسٹور میں قید ہے مجھے اسے آزاد کرنے کے لیے ایک عمل کرنا ہے۔'' پھر وہ عامل صاحب عمل کرنے کے لیے اسٹور میں چلے گئے۔ تقریباً وہ دو گھنٹے بعد آئے اور کہنے لگے۔

''اب وہ بچی آزاد ہے۔'' امی نے ان کو کچھ پیسے دینے چاہے مگر انہوں نے منع کر دیا۔

اگلے دن ہم ماں بیٹی بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے اچانک میری نظر صحن میں پڑی وہاں پر ایک بچی کھڑی ہوئی تھی اور اب ہماری طرف ہی آ رہی تھی جب امی کو بھی آہٹ محسوس ہوئی تو امی نے چونک کر دیکھا تب تک وہ بچی ہمارے پاس پہنچ چکی تھی۔ امی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''کون ہو تم؟'' تو وہ مسکرا کر بولی۔

''آپ مجھ سے ڈریں نہیں میرا نام ماہ زیب ہے میں وہی ہوں جس کو ہندو لوگوں نے قید کر لیا تھا میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں کہ آپ نے مجھے آزاد کرنے میں مدد کی' میری طرف سے آپ لوگوں کے لیے یہ تحفہ ہے۔'' یہ بول کر اس نے ایک چھوٹی سی صندوقچی ہمارے آگے کر دی اور بولی۔

''میری دعا ہے کہ آپ لوگ ہمیشہ خوش رہیں۔'' یہ بول کر وہ بچی غائب ہو گئی۔ ہم نے جب صندوقچی کھول کر دیکھی تو ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں صندوقچی منہ تک خالص سونے کے زیورات سے بھری ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے ہمارے دن پھر گئے آج بھی وہ صندوقی ہم نے سنبھال کر رکھی ہوئی ہے جو اس واقعے کی گواہ ہے۔

☐☐......۞......☐☐

ساہیوال سے بھیجی گئی پُراسرار کہانی

ڈائن



وہ بدبخت تھا تبھی تو کلمہ گو نہ رہ سکا اور ڈائن کا ساتھی بن بیٹھا......

محسن علی طاب

قبرستان میں تیز ہوائیں چل رہی تھیں ہر طرف سے چیخ پکار کی آوازیں آ رہی تھیں آوازیں اتنی اونچی تھیں کہ ایسا محسوس ہوتا کہ کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے۔ قبرستان کے درمیان میں کھلی جگہ قبروں کے درمیان ایک شخص کالے لبادے میں منڈل باندھے بیٹھا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اس کے ہونٹ منتر کا تیزی کے ساتھ جاپ کر رہے تھے وہ سوچ رہا تھا آج اس کے عمل کی آخری رات ہے اس کے حصار میں ایک کالا الو مرا پڑا تھا......اس کا نام کالی داس تھا وہ کالی داس سے پہلے مسلمان تھا اس کا نام امجد تھا مگر جب اسے پتہ چلا وہ جادو وغیرہ ایسے نہیں سیکھ سکتا تو اس نے ہندو مذہب اپنا لیا اور ایک پرانی کالے منتروں کی کتاب سے کالے الو کا عمل پڑھ کر کرنے لگا عمل سے پہلے اس کو کالا الو قابو کرنے میں کافی دشواری ہوئی کیونکہ کالے الو کی بددعا سے وہ ڈرتا تھا۔

آج اس کی پڑھائی کی آخری رات تھی پر سات دن کا عمل تھا یعنی سات راتوں میں پڑھنا تھا 6 راتیں زیادہ خوفناک نہ تھیں مگر آج محسوس ہو رہا تھا کہ آج کالی داس کی زندگی کی آخری رات ہے۔ ہر طرف سے خوفناک آوازیں آ رہی تھیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کئی چڑیلیں یا بھوت مل کر بین کر رہے ہوں فجر میں 15 منٹ رہ گئے تھے اس کے بعد اس کا عمل مکمل ہو جانا تھا۔

جیسے ہی پندرہ منٹ پورے ہوئے ہر طرف سکوت چھا گیا ایک آواز گونجی۔

''بالک تم اپنے عمل میں کامیاب ہوئے کالی کا آشیرواد تمہارے ساتھ ہے۔'' کالی داس بہت خوش ہوا وہ اس عمل کے منتر کو استعمال کرنے کا طریقہ جانتا تھا ابھی بھی وہ منڈل میں بیٹھا رہا وہ ڈر رہا تھا اس لیے سورج جب نکلا تب ہی منڈل سے باہر آیا اور خوشی سے ناچنے لگا۔ اب کالا الو اس کے بس میں تھا اور کالا منتر بھی ہاہاہاہا...... وہ اپنے گاؤں کی طرف چل پڑا اس کا شیطانی دماغ

بہت کچھ سوچ رہا تھا اب اسے بس عمل کرنا تھا اس نے اسی دن اپنے پلان پر عمل شروع کر دیا چند لوگوں کو اپنے منتروں سے صحت یاب کیا اور لوگ اسے پیر صاحب کہنے لگے۔ اس نے اپنا آستانہ بنالیا اور آہستہ آہستہ بہت مشہور ہو گیا وہ آنے والی عورتوں پر بھی ہاتھ صاف کرتا اور پیسے بھی بٹورتا اس کا دھندہ زوروں پر تھا اعلیٰ حکام اس کے مرید تھے دولت اس پر برس رہی تھی اس نے کئی انسپکڑوں کو اے ایس پی' ڈی ایس پی بنایا اور اپنے پکے مرید بنالیے وہ روز انے والے لوگوں کے کام کر دیتا اور پیر صاحب کہلاتا لوگوں کو علم نہیں تھا وہ کالی کا داس تھا کالی داس نے تین چار سال موج کی وہ اُکتا گیا اور ایک بندے کو اپنا جانشین بنا کر سفر کے لیے نکل کھڑا ہوا وہ اپنے گاؤں کالے ٹبے سے کافی دور شمال کی طرف جا رہا تھا۔

وہ پیر بننے سے پہلے آوارہ گرد تھا...... اسے اس سارے علاقے کا پتہ تھا...... اس نے راستے میں بس کی سواری کی اور ایک دوسرے گاؤں پہنچ گیا اس گاؤں کا زمیندار کا بیٹا کالی داس کا دوست تھا اور وہ ریٹائرڈ پولیس آفیسر تھا وہ پولیس آفیسر نعیم بلوچ کالی داس کا مرید تھا...... کالی داس کا ارادہ اس کے ہاں قیام کا تھا...... کالی داس نے گاؤں والوں سے پتہ کیا کہ لال حویلی کہاں ہے چک کے بارہ لوگوں نے کالی کی رہنمائی کی اور اسے زمیندار پولیس آفیسر نعیم کی لال حویلی کے سامنے لا کھڑا کیا حویلی کے باہر کھڑے گارڈ نے کالی داس کو پہچان لیا اور اندر دوڑ لگائی کالی داس حویلی کے بڑے دروازے کے پاس کھڑا اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا اتنی دیر میں حویلی کے دروازے سے نعیم باہر نکلا۔

''ارے پیر صاحب آپ اور یہاں؟'' نعیم بولا۔ نعیم نے کالی داس کا ہاتھ چوما اور گھٹنوں کو ہاتھ لگایا۔

''ہاں بس ذہن کو کچھ نیا چاہیے تھا ذہن اُکتاہٹ



سی محسوس ہوئی تو یہاں چلا آیا۔'' کالی نے جواب دیا۔

''آیئے پیر صاحب آپ کا ہی گھر ہے۔'' نعیم خوش ہو رہا تھا اگر اسے پتہ چل جاتا کہ کالی داس اصل میں کیا ہے تو کالی داس کا مزار وہیں بن جانا تھا نعیم اس کے آگے بچھا جا رہا تھا۔

''ایک منٹ......'' کالی داس نے کہا۔

''حکم......'' نعیم نے کہا۔

''یہاں تم میرا کسی کو نہیں بتاؤ گے میں سکون کی تلاش میں آیا ہوں تمہاری مہربانی ہوگی۔'' کالی داس نے جواب دیا۔ نعیم نے فوراً کہا۔

''جو حکم سرکار کا اور سرکار کالی داس کو مہمان خانے کے سب سے بڑے اور عالی شان کمرے میں ٹھہرایا گیا یہاں بھی کالی داس ہی مہمان تھا یہاں بھی اس نے نعیم کی بہن پر ہاتھ صاف کیا وہ ایک درخواست لے کر آئی اور عزت گنوا کر گئی اور اس کا کام بھی ہو گیا وہ بانجھ تھی کالی داس نے اس کا علاج کر دیا تھا کالی داس جتنے دن حویلی میں رہا وہ عورت کالی داس کی خاص خدمت کرتی رہی۔

ایک دن باتوں ہی باتوں میں نعیم نے بتایا یہاں سے تھوڑی دور ایک ڈائن رہتی ہے جو اس کے علاقے کی طرف جاتا ہے واپس نہیں آتا ہے۔ کالی داس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

وہ ایڈونچر کا شوقین تھا اس نے مکمل حالات کا پتہ چلایا اور دوسرے دن نعیم کے منع کرنے کے باوجود ڈائن کے علاقے کا رخ کیا کالی داس چلتا جا رہا تھا اسے بتایا گیا تھا کہ اس چک سے 4 کلومیٹر دور مغرب کی طرف پرانے کھنڈرات ہیں وہیں وہ ڈائن رہتی ہے وہ کھنڈرات کسی وقت کسی برہمن ہندو کا محل تھے مگر اب کوئلے کی طرح سیاہ اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے کالی داس درست سمت چلتا گیا قریباً ساڑھے تین گھنٹوں بعد وہ کھنڈرات کے سامنے کھڑا تھا اور دن کا ایک بج رہا تھا۔

کالی داس نے اپنے کالے الو کو ہوشیار کیا اور کھنڈر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ کھنڈر کا بائیں حصہ سلامت تھا باقی سب ملبہ تھا سلامت حصے میں کالی داس داخل ہوا اور ارد گرد دیکھنے لگا وہ جگہ بہت بھیانک محسوس ہو رہی تھی کالی داس نے آگے بڑھ کر ایک ٹوٹا دروازہ کھولا اور دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔

وہ کمرہ خالی تھا یہاں اندھیرا تھا یہ کھنڈر جلا ہوا محسوس ہوتا تھا مگر اندھیرے نے اسے مزید خوفناک بنا دیا۔

کالی داس نے آگے بڑھ کر اس کمرے کے بائیں طرف والا دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھتے ہی اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ ایک عالی شان بیڈ روم تھا وہاں کارپٹ بچھا تھا اور ایک بیڈ پر ایک حسینہ بیٹھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی کالی داس سوچ رہا تھا باہر سے گندا اور بھیانک نظر آنے والا کھنڈر اندر سے اتنا خوبصورت ہوگا یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا اور وہ اس پری کے بارے میں سوچ رہا تھا جو کافی حسین تھی اور بیڈ پر ملکہ کے انداز میں براجمان تھی۔

کالی داس...... رک کیوں گئے آگے چلے آؤ اس پری جمال کے ہونٹوں سے اپنا نام سن کر کالی داس حیران ہوا اور چلتا ہوا اک صوفے پر آ کر بیٹھ گیا اور اس حسینہ کو حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا وہ ڈائن تم ہی ہو جس کے بارے میں سن کر آ رہا ہوں۔'' حسینہ نے سر ہلایا۔

''ہاں میں وہی ہوں تم بھی کالی کے پجاری ہو اور میں نے بھی کالی شکتیاں حاصل کر رکھی ہیں۔''

کالی داس حیران تھا وہ حسینہ بہت بھولی بھالی نظر آ رہی تھی مگر وہ ڈائن...... کالی داس محتاط ہو گیا۔

''اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی؟'' کالی

داس نے پوچھا۔ حسینہ نے قہقہہ لگایا وہ قہقہہ کافی خوفناک تھا۔ وہ بولی۔

''خوف آرہا ہے مجھ سے؟ جبکہ کالا الو تمہارا محافظ ہے۔'' حسینہ نے کہا۔ کالی داس نے کہا۔

''میں خوفزدہ تو نہیں بس حیران ہوں تم اتنی مالدار اور خوبصورت ہو اس ویرانے میں کیا کر رہی ہو اگر ڈائن ہو تو انسانوں کے درمیان رہ کر بھی شکار کھیل سکتی ہو یہ کیا چکر ہے اپنے بارے میں بتاؤ۔'' کالی داس بولتا ہی چلا گیا۔

''صبر کرو بتاتی ہوں......'' وہ اٹھ کر اک طرف گئی اور کچھ چاندی کے گلاس میں ڈال کر لے آئی اور بولی۔

''تم میرے مہمان ہو اور یہ سوم رس ہے پی لو......'' کالی داس نے سوم رس پی لیا پھر اس حسینہ نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا وہ یہ تھا۔

''وہ زچہ تھی یعنی ڈائن......اور کافی عرصے سے زندہ تھی اس کا نام شانتی تھا اس کے ہاں بچہ ہونے والا تھا تو تب چلے کے دوران وہ مرگئی اور ڈائن بن گئی پہلے تو وہ بچوں کے کلیجے نکال کر کھاتی رہی پھر بڑوں کا بھی شکار کرنے لگی ایک دن ایک رشی جو مسلمان تھا اس سے ٹکرا گئی اس رشی نے اسے اس علاقے میں قید کر دیا اس رشی کا انتقال ہو چکا تھا مگر حصار قائم تھا جب تک وہ 21 بچوں کی کالی کو بلی نہ دیتی وہ وہاں سے آزاد نہیں ہو سکتی تھی جو اس کے علاقے کا رخ کرتا شانتی اس کا شکار اپنے حسن سے کرتی اور تہہ خانے میں لے جا کر خون پیتی اور گوشت چٹ کر جاتی۔'' کالی داس بولا۔

''تو یہ وجہ ہے ٹھیک ہے میں تمہاری مدد کروں گا۔'' حسینہ خوش ہو گئی۔ کالی داس واپس چلا گیا گاؤں سے اپنے چیلوں سے 21 بچے اغواء کروائے جو 7 سال کے تھے اور ایک بڑی گاڑی میں بچوں کو سحر زدہ کر کے کھنڈر لے آیا شانتی بہت خوش ہوئی اسی رات کالی داس اور شانتی نے تہہ خانے میں 21 بچوں کی بلی دی کالی دیوی کو اور مزے لے کر گوشت کھایا شانتی رشی کے عمل سے آزاد ہو گئی کالی داس شانتی کے حسن سے اس رات فیضیاب ہوا دونوں گہرے دوست بن گئے انہوں نے شہر کا رخ کیا بہت ہلچل مچاتے رہے شانتی اور کالی داس ایک ساتھ قریباً ایک سال رہے اور ایک دن شانتی کالی داس کو خاموشی سے چھوڑ کر کہیں چلی گئی۔ وہ ایک خط چھوڑ گئی تھی کہ وہ بور ہو رہی تھی اس کو اور بہت کام تھے وہ نئے جہاں دیکھنا چاہتی تھی اس نے لکھا تھا ایک وقت آئے گا کالی داس کی طاقت ختم ہو جائے گی وہ عام آدمی بن جائے گا۔ اس کے کافی عرصے بعد کالی داس اور شانتی کی دوبارہ ملاقات ہو گی پھر شانتی کالی داس کے دشمنوں سے چن چن کر بدلا لے گی۔ کالی داس ہنس پڑا کہ کوئی اسے کیسے نقصان پہنچا سکتا ہے مگر وہ بات سچ ہوئی۔

کالی داس کا جھگڑا ایک ہندو مہاراج کرشن سے ہو گیا مہاراج کا پلڑا بھاری تھا۔ کالی داس کی بات درست تھی مگر طاقت میں مہاراج سے ہار گیا۔ مہاراج نے اس سے تمام شکتیاں چھین لیں۔

کالی داس وہاں سے چل پڑا اس کا دل بہت اداس تھا وہ خودکشی کرنے کا سوچ رہا تھا کیونکہ اس کی پُراسرار قوتیں چھن چکی تھیں مگر اسے شانتی کی بات یاد آئی تو اس نے ارادہ ترک کیا اور اپنے ایک دور کے مرید کے پاس چلا گیا وہیں رہنے لگا مگر وہ آج بھی ڈائن کے انتظار میں ہے کہ وہ واپس آئے اور کالی داس اپنے دشمنوں سے خوفناک انتقام لے سکے اس نے شادی تو کر لی مگر اس کے ہاں اولاد نہ ہوئی وہ راتوں کو ڈائن کو یاد کرتا ہے۔

□□......۞......□□



(ایک حادثہ ایک کہانی)

لاہور سے ارسال کردہ ہولناک قتل کی واردات کا قصہ

خونِ ناحق

کسی کو جان سے مارڈالنا کھیل ہی تو ہے' جہاں معاشرے
تنزلی کا شکار ہوں وہاں ایسے قبیح جرم ہی ہوتے ہیں......

حنا بشریٰ

جب تک وہ پھل دینے والا درخت رہا۔ تب تک وہ سب کا من چاہا رہا۔ اس کی چھاؤں میں

بیٹھنے والے اس کے گن گاتے نہ تھکتے تھے۔ موسموں کی تبدیلی نے' ہوا کے جھکڑوں نے' خزاں کی بے

رحمی نے اس کی شادابی اور گھنیری چھاؤں چھین لی۔ یہاں تک کہ تندوتیز ظالم ہوا نے اسے جڑ سے اکھیڑ ڈالا تو وہ سب کے لیے بیکار ہوگیا۔ بوجھ بن گیا' ایسا بوجھ جس کو کوئی نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ نہ اپنا نہ پرایا' پھر ایک گہری سازش نے اس بوجھ کو ہمیشہ کے لیے سر سے اتار دیا۔

☆......☆......☆

کشادہ سی سڑک جس کے دونوں اطراف میں گھر ہی گھر تھے۔ ان میں سے ایک گھر کے سامنے لوگوں کا ہجوم دکھائی دیا۔ تاحد نگاہ سر ہی سر دکھائی دیے تو میں بھی وہاں رک گئی۔ پیشے کے اعتبار سے میں صحافی ہوں۔ وہاں کوئی حادثہ ہوا تھا۔ ایک شخص کی لاش زمین پر پڑی تھی۔ پولیس بھی وہاں موجود تھی۔

''پاگل تھا...... دماغ چل گیا تھا۔'' ایک سرگوشی۔

''شاید نشہ بھی کرنے لگا تھا۔'' دوسری سرگوشی۔

''لگتا ہے کوئی لڑکی وڑکی کا چکر تھا۔'' وہ بزرگوں کی کھسر پھسر تھی۔

''سنا ہے بھابی سے نہیں بنتی تھی۔'' یہ خالص روایتی سوچ محلے کی عورتوں کی تھی۔ پولیس اپنی کارروائی کے لیے موجود تھی۔ عینی شاہدین اپنا اپنا مشاہدہ بیان کرر ہے تھے۔ پاس ہی اس مردہ شخص کا بڑا بھائی مغموم سا کھڑا تھا۔ یوں جیسے وہ ابھی بھی بے یقین سا تھا۔

یہ بات واضح تھی کہ اس شخص نے خودکشی کی تھی۔ کہنے والوں کے مطابق اُس شخص کی دماغی حالت اتنی بگڑ گئی تھی کہ اس نے چھت سے چھلانگ لگادی۔ میں جانتی تھی کہ ابتدائی کارروائی کے بعد یہ کیس کہیں دب جائے گا۔ مرنے والا کوئی بڑی شخصیت تو نہیں تھا جو پولیس والوں کی دوڑیں لگ جاتیں۔ جو میڈیا خود کو ہلکان کر لیتا' ایک عام سا انسان مرا تھا۔ کیڑے مکوڑے سے بھی زیادہ معمولی' اور پھر لوگ بھول جائیں گے کہ اس جگہ پر کوئی شخص مرا تھا۔

پولیس والے اپنی کارروائی کر کے جا چکے تھے۔ ہجوم اب چھٹنا شروع ہوگیا تھا۔ مگر میرے دماغ میں اَن گنت سوالوں نے ہجوم لگالیا تھا۔ نا جانے اس شخص کی موت مجھے بھول نہیں رہی تھی۔ حالانکہ اس کی موت ایک معمہ تھی۔ ایک انجان شخص کی موت پر دل بے حد غمزدہ ہوا جارہا تھا۔ صحافت میرا شعبہ ہے جس میں حساسیت چین نہیں لینے دیتی وہ الگ بات ہے کہ اب صحافت کے بازار میں بھی ضمیر 'مردار' کی طرح بکنے لگا ہے مگر ابھی بہت سے باضمیر لوگوں کی وجہ سے صحافت ابھی بھی زندہ ہے جس میں دوسروں کے حقوق کی خاطر آواز اٹھائی جاتی ہے۔

مجھے میرے تجسس اور انسانی ہمدردی نے اُکسایا تو میں اپنی ٹیم کے ساتھ ذاتی طور پر اس شخص کے گھر پہنچ گئی۔ جس کا نام خلیل تھا جو چند روز پہلے اپنے گھر کے سامنے مردہ حالت میں پڑا تھا۔ پہلے پہل تو میری ٹیم کے لوگوں نے بھی اعتراض کیا اُن کے مطابق یہ کوئی نفسیاتی کیس لگتا ہے جس میں اس شخص نے اپنی جان خود لے لی اور ایسے کیسز تو کچھ دنوں میں ہی دبا دیے جاتے ہیں خواہ مخواہ کون ان پر اپنا 'قیمتی وقت' ضائع کرے۔

''ایک قیمتی جان چلی گئی ہے۔ ایک جیتا جاگتا انسان مرگیا ہے اور حیرت ہے کہ آپ سب کو میری کوششیں بے معنی اور وقت کا ضیاء لگ رہی ہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ شخص عام سا تھا۔ عام سے علاقے کا رہنے والا تھا۔ اُس کا کوئی نام ومقام نہ تھا۔'' میری ٹیم میری حساس فطرت سے بخوبی واقف تھی۔ سو میری دھواں دار تقریر کے بعد میرا ساتھ دینے پر تیار ہوکر میرے ساتھ چل پڑے۔ فی

الحال میرے لیے ان کی یہی سپورٹ ہی کافی تھا۔

☆......☆......☆

ابتدائی مرحلے میں مجھے خلیل نامی شخص کے بارے میں جو معلومات ملی وہ یہ تھیں کہ وہ ایک پڑھا لکھا شخص تھا۔ اچھی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک اچھی کمپنی میں اچھے عہدے پر تھا جہاں تنخواہ بھی معقول تھی وہ ابھی غیر شادی شدہ تھا۔ ستائیس اٹھائیس سال عمر تھی، اُس کی کمپنی کی طرف سے اچھی کارکردگی پر ملک سے باہر جانے کا چانس ملا، یہ سنہری موقع تھا اپنے کیریئر کو نکھارنے اور مزید سنوارنے کا' سو خلیل بھی اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ خلیل کی منگنی اس کی بھابی کی بہن ماہ نور سے ہوئی تھی۔

جو خالصتاً اس کی بھابی کی پسند اور مرضی سے ہوئی تھی وہ چاہتی تھیں کہ دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں آباد ہوں۔ بھابی کی خواہش تو یہی تھی کہ کینیڈا جانے سے پہلے ہی خلیل اور ماہ نور کی شادی ہو جائے اور وہ بیوی کو باہر ساتھ لے کر جائے۔ مگر شاید یہ



شادی مقدر میں نہ تھی لہٰذا خلیل کو ابتدائی چکر تنہا ہی لگانا پڑا۔

ابھی میں خلیل کے متعلق اتنا ہی جان پائی تھی کہ خلیل کے بڑے بھائی کی سات سالہ بیٹی کو اچانک دورے پڑنے لگے اور گفتگو بیچ میں ہی رہ گئی۔ خلیل کے بھائی نے بتایا کہ یہ اپنے چاچو سے بہت قریب تھا جس دن سے وہ مرا ہے اس کی یہی حالت تھی۔

☆......☆......☆

تحقیق کا دوسرا مرحلہ اپنے اندر کافی بیزاریت سمیٹے ہوئے تھا۔ وجہ یہ تھی کہ خلیل کے گھر والے شاید اس موضوع سے اکتانے لگے تھے تو ان کو ہماری آمد اور ہمارے سوالات کوفت کا شکار کرنے لگے۔

''بی بی...... کیوں روز روز چلی آتی ہو۔ ہمیں تو کسی پر بھی شک نہیں...... تو پھر یہ خواہ مخواہ کی کھوج کیوں؟'' شروع میں تو بھابی صاحبہ دیور کی ناگہانی موت پر نوحہ کناں نظر آئی اس نے یوں ایکدم سے روپ بدلا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تو یوں مطمئن دکھائی دے رہی تھی کہ جیسے یہ اندوہناک حادثہ ان کی بجائے کسی پڑوسی کے گھر میں ہوا ہے۔

اس دوران جو بھی تھوڑی بہت بات کی۔ فیصل کے بڑے بھائی نے ہی کی۔ جو ابھی بھی صدماتی کیفیت سے دوچار تھا۔

''اس کا کسی سے جھگڑا......؟'' میں جاننا چاہتی تھی کہ خلیل کا گھر والوں کے ساتھ اور گھر والوں کا خلیل کے ساتھ کیسا روپ تھا۔

''اس بے چارے نے کس سے لڑنا تھا وہ تو خود ہی حال بے حال سا رہتا تھا'' یہ بڑے بھائی کے الفاظ تھے۔ مزید معلومات کے مطابق خلیل باہر کے ملک جا کر بہت اچھا کمانے لگا تھا۔ لوگ جہاں سالوں میں ترقی کرتے ہیں۔ خلیل نے یہ سب کچھ اپنی محنت اور ایمانداری سے کچھ عرصے میں ہی

حاصل کرلیا تھا۔ وہ بھائی بھابی اوران کے بچوں کے لیے بھی ہر ماہ معقول رقم بھیجنے لگا تھا۔

''تو پھر اس کا دماغی توازن کیوں بگڑا؟'' اتنی خوشحالی میں یوں اچھے بھلے انسان کا ہوش و حواس سے بیگانہ ہوجانا عام بات نہ تھی۔ یقیناً کوئی چوٹ' کوئی صدمہ' کوئی درد ہی ایسی صورت میں انسان کو دیمک کی طرح چاٹتا ہے اور وہ کسی کھوکھلی بھربھرا و بے جان ہوکر گر پڑتا ہے۔

''خلیل کے ایک دوست نے کمپنی میں فراڈ کیا......اوروہ بھی خلیل کے نام سے......''

خلیل جس کمپنی میں کام کرتا تھا وہاں اس کا ایک دوست بھی کام کرتا تھا جس کی تنخواہ بہت اچھی نہ تھی۔ کچھ حرام کھانے کی لت بھی لگ گئی تھی لہٰذا اس نے فراڈ کا خفیہ پلان بنایا۔ ایک بڑی رقم پر ہاتھ صاف کیا اور یہ سب کچھ خلیل کے جعلی دستخط کر کے کیا۔ کیونکہ افسران خلیل پر بے حد اعتماد کرتے تھے اور اسی بات کا اس نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

سارا الزام خلیل کے سر آیا اس وجہ سے خلیل کو جاب سے فارغ کر کے اس کا ویزا ضبط کر کے واپس روانہ کردیا گیا۔ وہ تو بس شکر ہوا کہ اصل مجرم کا پتہ چل گیا ورنہ خلیل کو تمام عمر جیل کی ہوا کھانی پڑتی۔ مگر جب تک اصل مجرم پکڑا گیا۔ تب تک بہت دیر ہوگئی تھی۔ خلیل کا تو سب کچھ برباد ہو چکا تھا۔ وہ خالی ہاتھ رہ گیا تھا۔ ابھی مزید باتیں جاننے والی تھیں کہ خلیل کی ننھی بھتیجی کو پھر سے دورہ پڑا تھا۔ وہ صدمے کی کیفیت میں چلانے لگی تھی۔

''چاچو کو نہ مارو......انہیں دھکا نہ دو......انہیں چوٹ لگ جائے گی۔'' اس کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکل رہے تھے۔

اس کے بعد بچی بے ہوشی میں چلی گئی۔ اس کے الفاظ سن کر جہاں خلیل کا بڑا بھائی حیران پریشان تھا وہیں بچی کی ماں اس قدر بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی کہ اس کے چہرے کی بدلتی رنگت مجھے عام نوعیت کی نہ لگی تھیں۔

تحقیق آخری مرحلے میں داخل ہوگئی۔ خلیل کے بھائی نے مزید جو معلومات دیں وہ یہ تھیں کہ حالات سے دلبرداشتہ ہونے کے باوجود خلیل نے چھوٹا موٹا کام شروع کیا مگر خاطر خواہ نتائج نہ نکلے وہ پھر سے دوبارہ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا مگر جس بیساکھی کو سہارے کے لیے وہ استعمال کرتا وہ دیمک زدہ لکڑی نکلتی۔ جو نہ صرف خود کھوکھلی ہوکر گر پڑتی بلکہ خلیل کو بھی گرا دیتی۔

خلیل کا بڑا بھائی اس صورت حال پر صدمے کا شکار تھا وہ اپنے بھائی کو حوصلہ دیتا۔ مگر حالات صحیح نہ ہونے پائے بلکہ بگڑتے گئے۔ خلیل کو بھابی نے اس سے اپنی بہن کی منگنی بھی ختم کرڈالی۔ وہ ایک بھوکے ننگے شخص کو کیوں بہن دیتی۔ اس بات پر خلیل نے خوب احتجاج بھی کیا۔ اس نے یقین دلانے کی کوشش کی کہ حالات بہتر ہوجائیں گے مگر بات نہ بنی۔ ایک بے روزگاری کا صدمہ اور 4 سالہ منگنی ٹوٹ جانے کا غم اسے گہرا لگاؤ لگا گئے۔

''ایک بات پوچھوں...... اگر برا نہ مانیں۔'' خلیل کا بھائی جو چند ثانیوں کے لیے رکا تو میں نے ایک سوال پوچھنے کی اجازت مانگی۔ دل کو خدشہ تھا کہ اس کا بھائی یقیناً بدلحاظی پر اتر آئے گا اور اپنی بیوی کی طرح گھر سے نکل جانے کو کہے گا۔

''بی بی......آئندہ ہمارے گھر نہ آنا......''

''جی پوچھیے۔''

''ان حالات کے بعد بھابی کا اپنے دیور کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔'' ابھی کچھ دیر پہلے خلیل کی بھابی مجھے گھورتی ہوئی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں گئی تھی۔ آج تو بدتہذیبی کی انتہا تھی کہ سلام تک

کرنا گوارا نہ کیا تھا۔اس کا رویہ بتاتا تھا کہ اسے میری آمد سخت ناگوار لگتی ہے۔

''جب وہ اچھا کماتا تھا تو دونوں میں خوب دوستی تھی۔ بالکل بہن بھائی جیسی مگر جب حالات ہی خلیل کے مخالف ہوگئے تو بھابی کا رویہ بھی بدل گیا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے خلیل کو بے روزگاری کے طعنے دیتی۔

''کام کا نہ کاج کا...... دشمن اناج کا۔'' خلیل کو دن بھر یہ جلی کٹی باتیں سننی پڑتیں جو اس کے دل و دماغ پر ایسا اثر چھوڑتی کہ اس کا ذہن مفلوج ہونے لگتا۔ اُس کی بھابی کے لیے خلیل کا وجود اب صرف ایک بوجھ تھا۔

''شرم تو نہیں آتی......ایک ہٹا کٹا مرد دوسروں کے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔'' بھابی کے طعنوں سے تنگ آ کر خلیل نے گھر چھوڑ دیا۔ بھائی نے بہت تلاش کی تو ایک دن ایک پارک میں پڑا ملا تو اسے گھر دوبارہ لے آیا۔ اس کے آنے کے بعد حالات مزید بہتر ہوگئے۔ بھابی ایک پل کے لیے بھی خلیل کو برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خلیل کبھی خاموش رہتا تو کبھی جواب دے دیتا تو ہنگامہ اور بڑھ جاتا۔

''شاید انہی حالات سے دلبرداشتہ ہو کر اس نے خودکشی کر لی۔''

☆......☆......☆

یہ ساری کتھا سن کر مجھے لگا کہ میں نے خواہ مخواہ خودکشی کے کیس کو قتل کا رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ ایسا کچھ نہیں عام سا کیس ہے......ایک نوجوان نے حالات سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ مگر مجھے اس کی حرام موت کا دکھ تھا۔

اس کے بعد میں نے اس کے گھر جانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ حالات و واقعات نے خود گواہی دے دی تھی کہ یہ محض خودکشی کے سوا کچھ نہیں۔ مگر دو ماہ کے بعد ایک اخباری خبر نے پھر سے مجھے خلیل کے گھر جانے پر مجبور کر دیا۔

''بھابی کے ہاتھوں بے روزگار دیور کا قتل...... قاتلہ کا اقبال جرم......''

اخبار میں خلیل کی تصویر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کیس جسے میرے ذہن نے فراموش کر دیا تھا وہ نئی حقیقتوں کو لے کر میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پوری دلیلوں اور ثبوت کے ساتھ......میں وہاں پہنچی تو گھر کا نقشہ ہی بدل چکا تھا۔ خلیل کی بھتیجی چچا کی موت کے صدمے کو برداشت نہ کر سکی اور دماغ کی شریان پھٹ جانے سے مر گئی۔ مگر مرنے سے پہلے اس حقیقت سے پردہ اٹھا گئی۔

''جانتے ہیں قارئین وہ دلخراش حقیقت کیا تھی؟''

''خلیل نے خودکشی نہیں کی تھی بلکہ اسے قتل کیا گیا تھا اور قاتلہ اس کی بھابی تھیں جس نے ایک بے کار و بے روزگار شخص کو چھت سے دھکا دے کر جان چھڑائی تھی۔ مگر وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ اس کی اپنی کمسن بیٹی کی آنکھ نے یہ منظر محفوظ کر لیا ہے۔ اور ایک دن وہی بچی اس گناہ کا پول کھول دے گی۔

☆......☆......☆

میں سوچتی ہوں قتل جیسا گناہ......انسان کسی کھیل کی طرح کھیلنے لگا۔ نفرت ہوئی کسی کو قتل کر دو' کوئی اپنے راستے کی رکاوٹ لگا تو قتل کر دو۔ کسی کا وجود بوجھ لگنے لگا تو قتل کر دو۔ قتل نہ ہوا کہ جیسے بچوں کا کھیل ہو گیا۔ کاٹ ڈالو مار ڈالو جلا ڈالو......''

نا جانے ان انتہاؤں کو چھوتا ذہن لمحہ بھر کے لیے یہ کیوں نہیں سوچتا کہ اس کائنات کا مالک اوپر بیٹھا ہے۔ جس کے ہاتھ میں موت و حیات ہے۔ آج اگر تم کسی کا ناحق قتل کرو گے تو کل کو کسی کا ہاتھ بھی تمہارے گلے کا پھندا بن سکتا ہے۔

SCLD

SCHOOL OF COGNITION & LANGUAGE DEVELOPMENT

(EARLY CHILDHOOD INCLUSIVE EDUCATION SCHOOL)

• Montessori • Kindergarten • Remedial education • Daycare • Speech therapy • Inclusive education • Play group class



- Theme Based Classroom
- Speech Therapy Room
- Special Education
- Teacher Child Ratio 1:10
- Day care facilities available (for Children Above 1 year)
- Vibrant & Colorful learning environment
- Well equipped non - toxic toys
- Remedial education (afternoon)
- Individualized education plan

Plot No-22, CP & Barar Co-Operative Housing Society, Off Amir Khusro Road, Near Tahir Medical Center, Karachi.

03202632430, 03343117002

scld@yahoo.com sc|d@yahoo.com

191



(خصوصی تحریر)

میاں چنوں سے بھیجی گئی دلدوز تحریر

ملن



(آخری قسط)

شام سلگاتی چلی آتی ہے زخموں کے چراغ
کوئی جام آیا تو کیا' کوئی گھٹا چھائی تو کیا

مہر پرویز احمد دولو

"ہائے او میری نازوں پلی بچی طلاق کی بدنامی برداشت نہ کرسکی غیرت میں آکر نہر میں چھلانگ لگادی۔ اپنے ظالموں کے دیے ہوئے دکھوں سے نجات پانے کے لیے اپنی زندگی ختم کردی بے غیرت طلاق یافتہ کہلانے کی بجائے موت کو ترجیح دی۔" ان بینوں میں چھپا پیغام سننے کی دیر تھی کہ سب لوگوں نے قریب سے بہنے والی نہر کی طرف دوڑ لگادی۔

لالٹین' ٹیوب لائٹ' ٹارچ وغیرہ کے ساتھ لوگوں کا جم غفیر نہر کنارے پہنچ گیا ہر بندہ اپنی اٹکل' اندازہ' سوچ اور فکر کے تحت ٹامک ٹوئیاں مارنے لگا۔ نہر کے ساتھ فصلوں اور کچی سڑک پر

پاؤں کے نشانات تلاش کرنا شروع کر دیے اس تلاش میں ان کو صبح ہوگئی قریب ہی نہر بنگلہ تھا جہاں سے بڑی نہر سے چھوٹی نہریں راجباہ نکلتے تھے۔

یہ لوگ انچارج کے پاس پہنچ گئے اپنی عزت کا واسطہ دے کر متعلقہ نہر بند کروائی تیراکوں نے کھڑے گہرے پانی میں ڈبکیاں لینا شروع کر دیں غیرت مند بھائی نہر کے کنارے چلنے لگے اور اُگے درخت اور جھاڑیوں کے نیچے تلاش شروع کر دی کہ شاید لاش کسی جھاڑی میں پھنس گئی ہو۔

غرض کافی دور تک تلاش کیا گیا لنک نہر راجباہ تھی گہرائی معمولی تھی اور جوں جوں دور ہوتی گئی اس کی چوڑائی اور گہرائی میں کمی آتی گئی آخری ٹیل تک تلاش کیا گیا مگر بچی کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ ان دکھ بھرے لمحات میں ماموں نے اپنے دوست کو فون کیا جو شادی کا انچارج تھا بعد میں اس نے رابعہ کا علاج کروایا خلع اور سامان کا دعویٰ دائر کیا مجھے جیل کروائی اور رابعہ کو طلاق دلوانے کا معرکہ سرانجام دیا۔ بار بار کال کرنے پر کوئی جواب نہ ملا۔

☆......☆......☆

زبیر کا تعلق کوہ سلیمان کے نزدیک واقع ایک گوٹھ سے تھا۔ وڈیرے خاندان کا چشم و چراغ تھا منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا زمینوں کا کوئی انت شمار نہ تھا۔

ان لوگوں کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ چنے کی کاشت تھی۔ جو مربعوں کے حساب سے کاشت ہوتا تھا دوسرا ذریعہ ہر گوٹھ سے چند لوگ دیارِ غیر میں ڈالرز کما رہے تھے۔ ان ذریعوں نے اس علاقے کو سونے کی چڑیا بنا رکھا تھا یہاں ٹانگ پر ٹانگ رکھے روپے اور ڈالروں میں کھیلنے والوں کا دماغ ہمیشہ ہواؤں میں محو پرواز رہتا۔

زبیر تنہا رقبے کی آمدنی کا سیاہ وسفید تھا جبکہ اس کا ایک بھائی لندن میں ڈاکٹر اور دوسرا امریکہ میں انجینئر تھا روپے اور ڈالروں کا شمار ہی نہ تھا کہ ہر ماہ کتنے آتے ہیں۔

بچپن میں ہی دوسرے بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بلند مقام پر فائز ہوگئے جبکہ زبیر آوارہ گردوں کا سربراہ بن کر علاقے میں حکمرانی کرنے لگا۔ ڈیرے پر کسی چیز کی کمی نہ تھی' دو چمچماتی گاڑیاں' نوکروں کی فوج' آوارہ گرد دوستوں کا جمِ غفیر' شباب کباب' چرس بھنگ' شراب ڈیرے کی زینت تھے۔ کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہ تھا جو اسے روک ٹوک کرتا۔

دولت کی دیوی ادنیٰ کنیز کی مانند ہاتھ باندھے حکم کی منتظر کھڑی ہوتی۔ قانون کے کرتا دھرتا کو اس کے کالے کرتوتوں کو قانون کی روشنی سے پکڑنے کی جرأت نہ ہوتی۔ چنوں کی کٹائی کے موسم میں ڈیرے کی راتیں چودھویں کے چاند کی طرح چمکنے لگتیں۔

غریب ہاریوں کی خوبصورت الہڑ دوشیزاؤں کی شامت آجاتی۔ اردگرد کے علاقوں سے مزدوری کے لیے آنے والی بانکی ناریوں کی عزت کا کھلواڑ ہوتا جو لڑکی پسند آجاتی اسے کھیتوں میں کام کرنے کے بجائے ڈیرے میں کھانا پکانے کی ذمے داری سونپی جاتی وہ بے چاری کھانا کم اور دل پشوری کے لیے زیادہ استعمال ہوتی۔

☆......☆......☆

فصل کے سیزن کے دوران پنجاب سے کافی خاندان ہمراہ فیملی مزدوری کے لیے آتے ان

لوگوں کی آمد کا زبیر یوں انتظار کرتا جیسے کوئل کوکو کر کے بارش کی منتظر رہتی ہے آنے والی مزدور خواتین میں سے خوبصورت چہرے زبیر کی کمزوری تھے ان پر خصوصی نوازشات کرتا' رہائش اور کھانے پینے کی بہترین سہولتیں دی جاتیں۔ یہ لوگ چونکہ دو ماہ تک یہاں کام کرتے' اس لیے بات مزدور مالک سے ذاتی تعلقات تک جا پہنچتی اور یہ ان کا گھر تک پیچھا کرتا۔

سیزن کے دوران اچھے تعلقات کی وجہ سے دل میں اتر جانے والی بانکی ناریاں بعد میں بھی یادوں کے سہارے اس کے من کو منور رکھتیں وصل کی گھڑیاں دیدار یار میں تبدیل کرنے کے لیے بعد میں تحفے تحائف کے ساتھ لدا پھندا ان کے گھروں میں پہنچ جاتا۔

یہاں خون دعوتیں اڑاتا' موج مزے اڑاتا' چونکہ مہمان گیری کے دوران دل کھول کر خرچ کرتا اس لیے ہر گھر اس کی مہمان نوازی کو فخر سمجھتا اور کوشش کر کے اپنے ہاں مدعو کرتا جبکہ اس دوران سفارش کے لیے حسیناؤں کو بھی استعمال کیا جاتا مگر یہ اس گھر میں رہائش رکھتا جہاں اس کے دل کے تمام لوازمات موجود ہوتے۔ میزبانوں کا فخر عروج پر ہوتا' اپنے ان داتا کی خدمت کر کے وہ خوب خوشیاں سمیٹتے اور سیزن کے دوران خصوصی نوازشات اور معمول سے ہٹ کر مزدوری کی مد میں رقم سمیٹتے اور دوران مہمان نوازی گھر والوں کا خرچ بھی اٹھاتا۔ دہرے فائدے کی وجہ سے ہر گھر اس کی نظر کرم کا منتظر رہتا۔

رہائش کے دوران پیروں کی طرح اس کی خدمت کی جاتی۔ یہ بدلے میں حاتم طائی کی طرح جیبوں کے منہ کھول دیتا ساتھ ہی گاڑی میں سیر سپاٹے کرواتا دیگر رشتے دار رعب میں دب جاتے۔

بعض اوقات کسی ایک کی خاطر پوری فیملی کو اپنے ہاں پہاڑوں کی سیر کے بہانے لے جاتا تیتر' بٹیر اور ہرنوں کا شکار کرواتا ان کی خدمت میں دن رات ایک کر دیتا ان اخراجات کے بدلے اس کی حریص بھوکی روح کو من پسند خوراک انتہائی آسانی سے سستے داموں مل جاتی۔ یہ ان کا ممنون اور وہ اس کے ممنون ہوتے۔

اس وڈیرے کے علاقے کے غریب لوگوں کا رجحان دین کی طرف تھا۔ یہ لوگ قرآن مجید حفظ کرتے' رمضان کی آمد سے قبل شمال مشرقی پنجاب کا رخ کرتے روزوں کے دوران تراویح پڑھاتے اور تیس پارے قرآن مجید سناتے۔ ستائیسویں رمضان کو ختم قرآن کے موقع پر ہدیہ کے طور پر روپوں کی صورت میں ان کی خدمت کی جاتی۔ یوں سال بھر کی روزی مل جاتی۔ اس نیکی کے کام کو وہاں کے مقامی خطیبوں اور اماموں نے کمائی کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ حافظ صاحب اللہ تعالیٰ کی آس کے سہارے کسی بھی گاؤں کی مسجد میں چلے جاتے نماز پڑھتے اور نماز سے فارغ ہوتے ہی متعلقہ امام صاحب کو گزارش کرتے۔

''میں حافظ قرآن ہوں اگر آپ مہربانی اور تعاون فرمائیں تو میں یہاں تراویح پڑھاؤں غریب آدمی ہوں میرے بچوں کو روزی مل جائے گی۔ آپ کو دعائیں دوں گا۔'' وہ مولانا صاحب ان سے ٹھیکہ کر لیتے کہ ختم قرآن کے موقع پر آپ کی جتنی خدمت ہوگی میں اس کا فیصد کمیشن لوں گا۔''

یوں ان کا آپس میں سودا طے ہوتا اور خاص شرائط پر معاہدہ طے پا جاتا معاہدہ طے پاتے ہی امام صاحب نمازیوں اور مسجد کمیٹی کے ممبران کو

حافظ کی آمد سے مطلع کرتا اور یوں سب کی مشاورت سے حافظ صاحب کا تعین ہو جاتا اس گھناؤنے منصوبے میں بعض اوقات کمیٹی کے چیئرمین کو پرسنٹ کی ادائیگی بھی کرنی پڑتی کیونکہ اس کے حکم اور مرضی کے بغیر مسجد میں چڑیا پر نہیں مار سکتی۔

☆......☆......☆

عیدالفطر کے موقع پر زبیر تراویح پڑھا کر واپس آنے والے حافظ صاحبان سے اس علاقے کے بارے میں کرید کرید کر معلومات لیتا جہاں انہوں نے رمضان المبارک کے دوران خدمات سرانجام دی ہوں۔

بات چلتے چلتے خواتین کے حسن و جمال تک جا پہنچتی' اس طرح بہت سے علاقوں کی سیر حافظ صاحبان کی وجہ سے کرتا' ساتھ ہی مزدوری کے لیے آنے والے لوگوں کے ایڈریس ہوتے وہاں بھی چکر لگاتا' اس طرح چنوں کے سیزن کے بعد اور عیدالفطر کے بعد منہ مارنے کو اسے بہت کچھ مل جاتا۔

روپے کی ریل پیل تھی پوچھنے والا کوئی نہ تھا جو بھی علاقہ پسند آتا وہاں کے حافظ صاحب کو گاڑی میں بٹھا کر ساتھ لے جاتا تحائف ہمیشہ ساتھ لے جاتا اس کا شکار ہمیشہ متوسط طبقے کے گھرانے ہوتے۔

☆......☆......☆

اب کی بار میرے ننھیالی گاؤں حافظ صاحب کو ملنے ان کا ایک عزیز ملک زبیر آیا حافظ صاحب کی رہائش اور کھانا مسجد کے ملحقہ ایک چوہدری صاحب کے پاس تھا زبیر کو بھی چوہدری کے ہاں ٹھہرایا گیا۔

زبیر پوری تیاری کے ساتھ خوب بن ٹھن کر گاڑی میں آیا تھا' اچھی شخصیت کا مالک' تحائف سے بھری گاڑی اور وہ چوہدری کے گھر کے سامنے کھڑی ہوئی تو اس کی چوہدراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا ساتھ ہی یہ لوگ مہمان نواز بھی تھے۔ ایک بڑی گاڑی کا مالک' علاقے کا سردار جب چوہدری کا مہمان بنا تو چوہدری کا جوش و خروش دیدنی تھا فخر سے گردن تن گئی مہمان نوازی میں دن رات ایک کر دیا۔ کھانوں، اور سوغاتوں سے چوہدری کو لاجواب کر دیا۔

خدمت کے ساتھ علاقے کی سیر کروائی' گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر چوہدری ہوتا گاڑی میں جا کر دوست احباب پر خوب رعب جھاڑا۔ چوہدری کا ایک دوست عالم گاؤں سے باہر ڈیرے پر رہتا تھا اس کے گھر کے سامنے پکی سڑک شہر کو جاتی تھی۔ شہر آتے جاتے عالم کے ہاں تھوڑی دیر ٹھہرتے' کبھی کبھار اسے بھی گاڑی میں بٹھا کر ساتھ لے جاتے۔ روز آنے جانے سے اور چوہدری کا دوست ہونے سے عالم اور زبیر بھی دوستی کے رشتے میں بندھ گئے۔

عالم کے نئے دوست زبیر کی رسائی گھر تک ہو گئی اب وہ اکثر تنہا بھی آنے جانے لگا بیٹے عدیل اور ناصر اور بیٹیوں عارفہ اور رابعہ سے بھی تعارف ہو گیا یہ لوگ بھی اپنے چاچو کی بڑھ چڑھ کر خدمت کرنے لگے چاچو زبیر بھی روپے ان پر لٹانے لگا۔ کھانے کے لیے گوشت اور دیگر لوازمات گاؤں کی بجائے شہر سے آنے لگے عدیل ناصر کے ساتھ کبھی رابعہ' عارفہ بھی زبیر کے ساتھ شہر جا کر خریداری کرنے لگیں۔

درمیان میں حائل اجنبیت کے تمام پردے خود بخود ہٹ گئے۔ بیٹے' بیٹیاں آزاد تھیں کب زبیر کے ساتھ کہاں آ جا رہی ہیں کوئی پوچھنے والا

نہیں تھا چاچو بھی خوب سیر و سیاحت کروانے لگا ساتھ خورد و نوش اور تحائف کے شاپرز بھی گھر میں آنے لگے۔ ملک زبیر کی اور زیادہ خدمت اور چاہت ہونے لگی' رفتہ رفتہ گھر کا نظام زبیر کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

زبیر نے جب پہلی دفعہ رابعہ کو چولہے پر ہنڈیا بناتے اور ساتھ ہی مٹی کی پرات میں آٹا گوندھتے دیکھا تو گاؤں کی سادگی اور الہڑ پن والا بے داغ چاند سا چہرہ من کی سیاہ نگری میں چمک کر پورا من روشن کرنے لگا تیر کی طرح دل کے آر پار ہو جانے والے چاند سے مکھڑے نے زبیر کا دن کا سکون اور رات کا آرام چھین لیا۔

اس چاند کو ہمیشہ اپنے آنگن پر چمکانے کے لیے زبیر نے بھی اپنا تن من دھن اس پر قربان کر دیا رشتوں کی ڈور میں بندھ کر اس گھر کے سیاہ وسفید کا ملک بن گیا۔

رابعہ تنہائی میں بھی خدمت کا بیڑا اٹھانے لگی اب اس پریمی جوڑے کی کسی بھی حرکت کو گھر میں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا کیونکہ زبیر نے دولت کی پٹی باندھ کر ان کو بصارت سے محروم کر رکھا تھا۔

رابعہ کے ساتھ عدیل اور ناصر کی بھی موجیں ہونے لگیں شہر میں خرید و فروخت ہونے لگیں عدیل اور ناصر کو شہر میں مصروف رکھ کر زبیر اور رابعہ پارکوں کے تاریک گوشوں میں پیار کی ناؤ پار لگانے کے منصوبے بنانے لگے عالم اور بیوی اکبری پر الگ سے نوازشات کی بارش ہونے لگی۔

انہوں نے بولنے اور دیکھنے کے باوجود اَن دیکھا سمجھنا شروع کر دیا اب اکثر پکا پکایا مرغ مسلم اور ناشتے کے سری پائے شہر سے آنے لگے اکبری کو دو تولے سونے کی بالیاں بنوا کر دیں تو وہ بے دام غلام بن گئی عالم کے بیٹے بھی طرح طرح کے کپڑے جوتے پہننے لگے اور بدلے میں رابعہ زبیر کی بانہوں کا ہار بن گئی۔

اس گھر میں زبیر کا حکم چلنے لگا تھوڑا بہت ہمسائیوں سے پرہیز کرتا اُس کا حل اس نے یہ نکالا کہ عالم اور اس کے بیٹوں کی بھائیوں سے لڑائی کروا دی یوں وہ لوگ بھی خاموش تماشائی بن کر کھیل دیکھنے لگے۔ زبیر اور رابعہ کا پیار محبت کے جنگل میں مور بن کر ناچنے لگا۔

دن رات ایک دوسرے میں کھوئے رہتے' چونچلوں سے اظہار محبت کی یقین دہانی کرواتے' مستقبل کے منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بنیادیں کھودیں جانے لگیں اس پیار کے کاروبار میں ظالم سماج نے ہمیشہ ہندو بنیے کا کردار ادا کیا ہے جہاں بھی دو پیار بھرے نینوں نے ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے میں ڈوب جانے کے لیے رخت سفر باندھا یہ رقیب بن کر درمیان میں ٹپک پڑتا ہے اس کی طوالت اور اونچائی دیوار چین سے بھی بڑھ جاتی اور جب بھی پریمیوں نے اس دیوار کو عبور کرنے کی کوشش کی تو اس نے کبھی جان لے کر سزا دی اور کبھی زر کے ترازو میں تول کر دولت کے پنجرے میں قید کر دیا۔ خاندانوں کے درمیان غیرت کے نام پر دشمنی کی ایسی بنیاد رکھی کہ تاوان چکاتے چکاتے نسلیں ختم ہو جاتی ہیں اور بہروپیوں کا وہیں تازہ دم رہتا ہے۔

لیکن یہ ظالم سماج بھی دوہرے کردار کا مالک ہے غریب اور بڑے لوگوں کے معاملے میں خریدے ہوئے گواہ کی طرح خاموش ہو جاتا ہے اور معاشرے کا ٹھیکیدار مرضی کا فیصلہ اپنے حق میں کروا کر فاتح بن جاتا ہے۔

اب اس سماج اور اس کے ممبران کی سمجھ نہیں

آتی' اگر تو غیر قوم کے باجوڑ جوڑے پیار کے نشے میں مدہوش ہو کر عزت' غیرت' انا' خودداری کی دھجیاں اڑا دیں تو یہ رویوں کی چھاؤں میں خواب خرگوش کے مزے لینے لگتا ہے اور کبھی اپنے آپ کا دامن یوں کہہ کر بچا لیتا ہے کہ کسی کے مسئلے میں کیوں ٹانگ اڑاؤں۔ اگر کوئی مرد کسی غیر قوم کی لڑکی سے پیار کرے وہ جائز ہے ماں باپ بہن بھائی اور عزیز رشتے دار سب برداشت کر جاتے ہیں۔ وہ زنا کر کے حیوانی خواہشات کی تسکین کرتا ہے لڑکی کو حاملہ کرتا ہے تنہا ہوٹلوں اور شہروں میں گھماتا پھرے سب جائز ہے مگر جب وہی مرد اسلامی احکامات کی روشنی میں لڑکی کی رضا مندی سے زنا کی بجائے نکاح سنت مسنونہ کی بات کرتا ہے تو عزیز رشتے دار اور معاشرے کے غیرت مند ٹھیکیدار انا اور خودداری کا ہمالیہ بن جاتے ہیں اور برزخ کی آگ کی طرح جلانے پر تل جاتے ہیں اور بعض اوقات لڑکے اور لڑکی کی جان لے کر ان کی غیرت کی تسکین ہوتی ہے۔

رابعہ اور زبیر کے پیار کی خوشبو اس وقت ماں باپ' بھائیوں اور چچاؤں کو جھنجوڑنے لگی جب انہوں نے باقاعدہ عزت کے ساتھ اسلامی احکام کی روشنی میں شادی کرنے کی اجازت مانگی۔ حالانکہ اس سے قبل وہ تنہا دور دراز کے سفر کر چکے تھے تنہا گھر کے اندر پیار و محبت کی جوت جگا چکے تھے ایک ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھا چکے تھے۔

شادی کی بات نے آسٹریلیا کے جنگلوں کی آگ کی طرح پورے کنبے کو تیا کر رکھ دیا سماج اڑیل بھینسے کی طرح راستے میں کھڑا ہو گیا۔ عالم کے خاندان میں وٹے سٹے کا رواج تھا اور یہ لوگ مقامی طور پر ایک نامور قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ دوستی کے لیے تو زبیر کی ہر حرکت قابل برداشت تھی مگر شادی کی چنگاری نے ان کی غیرت کی چھونپڑی میں آگ لگا دی۔

اس کی شادی کی بات نے ان کی سوئی غیرت کو جگا دیا اور ایک نامعلوم علاقے کے نامعلوم شخص کی یہ جرأت کہ ان سے بیٹی کا رشتہ مانگے نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ زبیر نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر فیملی کے ہر شخص نے رد کیا اور اس کو آئندہ اس قسم کی ڈیمانڈ سے سختی سے منع کر دیا۔

☆......☆......☆

عالم کا بھانجا اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا قریبی اسکول میں اچھے گریڈ پر ٹیچر بھرتی ہوا تھا جسے خاندان والوں نے اعزاز سمجھا' سب بھائیوں نے عالم پر دباؤ ڈالا کہ وہ بیٹی کا رشتہ بھانجے کو دے جبکہ زبیر نے دولت کے جال میں عالم اور اس کے گھر والوں کو قید کر رکھا تھا وہ بے بال و پر پرندوں کی مانند تھے زبیر ان کا سب کچھ تھا تمام خواہشات پوری کر رہا تھا اچھے برے کا مالک اور زمینی روزی رساں بنا ہوا تھا جسے وہ کھونا نہیں چاہتے تھے۔

دوسری طرف خاندان اور برادری جن سے بغاوت ممکن نہ تھی یہ وہ بلند فصیلیں تھیں جن کو عبور کرنا عالم فیملی کے بس کا روگ نہ تھا اور وہ بھی ایک ایسے شخص کے لیے جس کے ساتھ صرف دولت کا رشتہ تھا۔ اس مجبوری کو زبیر اور رابعہ بھی سمجھتے تھے۔ مگر مجبور تھے کوئی بھی غلط قدم خاندان کے رشتوں کو نفرت کے شعلوں میں جلا کر خاکستر کر دیتا۔ اس جوڑے کے لیے آگ اور کنویں والی صورت حال تھی وہ تو سانس بھی ایک دوسرے سے پوچھ کر لیتے تھے ان کا ملن ہی زندگی کی ضمانت تھی جدائی کا کوئی بھی حادثہ ان کو زندہ درگور کر دیتا۔ وہ کسی صورت ہیر رانجھا' لیلیٰ مجنوں'' سسی پنوں اور سوہنی ماہیوال والی روداد دہرانا نہیں چاہتے

تھے۔

اکٹھے جینے مرنے کی صرف قسمیں نہیں کھائی تھیں بلکہ ایک دوسرے کو مکمل اختیارات اور بیان حلفی کے اسٹامپ پیپرز بھر کر دیے تھے ان کا ایک ہونا ناگزیر تھا ورنہ ہمیشہ کے لیے مٹ جاتے۔

عالم اگرچہ زبیر کے احسانوں کے بوجھ تلے دب چکا تھا مگر بیٹی کا رشتہ دینا گویا بھائیوں اور رشتے داروں کے ساتھ دشمنی کی بنیاد رکھنا تھی۔ حوصلہ افزا بات یہ تھی بھانجا سجاد تعلیم یافتہ اور سرکاری ملازم تھا۔ مستقبل روشن تھا اور سب سے بڑی بات بہن کا بیٹا تھا ہمیشہ دب کر رہتا۔

جبکہ زبیر بے شک ان کی ناؤ کا ناخدا تھا مگر پردیسی، علاقہ غیر کا رہائشی جہاں قانون بھی بے بس ہو جاتا ہے سب سے بڑا نقص وڈیرہ تھا جانے کب اس کا جی رابعہ سے بھر جاتا اور وہ کسی اور حسینہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا تمام حالات و واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دن بیٹی کو ساتھ بٹھایا اور سمجھانے لگا۔

''بیٹی انجانی منزل کی راہی مت بنو جن خوابوں کو دیکھنا ہی جرم ہو ان کی تعبیر کی ضد نہیں کرنی چاہیے خوابوں کے پیچھے دوڑنا عقل مندی نہیں اس راستے پر چلنا چاہیے جس کی منزل کا پتہ ہو انجان راہیں گہری گھاٹیوں میں گرا کر موت کا سبب بھی بن سکتی ہیں۔''

''تم میری لاڈلی بیٹی ہو مگر تمہاری ادنیٰ سی خواہش کے لیے میں تنہا پوری برادری سے دشمنی نہیں پال سکتا اور ویسے بھی سجاد بہت خوبصورت ہے سرکاری ملازم ہے اور ہمارا ہے تمہارا ہر طرح سے خیال رکھے گا ہماری آنکھوں کے سامنے رہو گی کسی بھی دکھ تکلیف میں اڑ کر تمہارے پاس پہنچ جائیں گے ساس سگی پھوپو ہے تمہاری راہوں میں پلکیں بچھائے گی بیٹے کی بجائے تمہاری حمایت کرے گی کسی بھی دھونس دھاندلی یا زیادتی کی صورت میں بھرپور مزاحمت کرے گی، تمہاری بجائے بیٹے کو ڈانٹے گی تمہیں ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھے گی عقلمندی کا مظاہرہ کرو بے جا ضد اور ہٹ دھرمی سے ہم سب نقصان میں رہیں گے۔''

''میں زبیر کو بھی سمجھاتا ہوں اور اس کو گھر جانے کو کہتا ہوں اب اس کا یہاں رہنا مناسب نہیں اگر شرافت سے نہ مانا تو بے دید ہو کر اس سے تیری اور اپنی جان چھڑاتا ہوں اس کا اور تیرا کسی بھی صورت میں رشتہ ہونا ممکن نہیں۔'' بیٹی کے بعد زبیر سے انتہائی ملتجیانہ انداز میں بات کی۔

''زبیر ہم آپ کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتے، برے حالات میں آپ نے جس طرح ہماری مدد کی ہم ہمیشہ ممنون رہیں گے آپ کی وجہ سے ہم خوشحال زندگی گزار رہے ہیں دوست احباب اور رشتے داروں میں نام پیدا کرنے کے لیے آپ نے نمایاں کردار ادا کیا روپیہ پانی کی طرح بہایا، ایک سعادت مند بیٹے کی طرح ہماری ہاں میں ہاں ملائی لیکن افسوس ہم آپ کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتے، ہمیں برادری کی سو مجبوریاں ہیں وگرنہ میری بیٹی کا آپ سے بہتر کوئی جوڑ نہیں تھا۔ وہ آپ سے محبت کرتی ہے اور آپ کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرتی، لیکن آپ کا ملن ہم سب کی موت کا موجب بنے گا برادری والے ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''خدارا، اسے بھی سمجھائیں اور آپ سے بھی التماس ہے کہ اسے خواب سمجھ کر بھول جائیں۔ میرے بھانجے کے ساتھ شادی پر اسے راضی کریں۔'' رابعہ زبیر تنہائی میں جب ملے اور ایک

دوسرے کو حال دل کہا تو خوب ساون بن کر برسے ارمان سسکیوں کی صورت میں آنکھوں کے راستے بہہ نکلے۔

تمام راہیں مسدود دیکھ کر رابعہ نے لڑکی سے عورت اور آنسہ سے خاتون بن کر والدین اور پھوپو کو انتقام کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ رابعہ اور زبیر نے الگ الگ عالم اور اکبری کو مطمئن کیا اور چار ماہ بعد شادی کی تاریخ پکی کر دی۔

اس کے بعد انہوں نے دن رات رنگ رلیاں منائیں عورت کی نسوانیت اور حرمت انتقام کی بھینٹ چڑھ گئی رابعہ نے فاحشہ سے بھی زیادہ مکروہ کردار سوچ اور چہرہ بنالیا۔ دن رات عیاشی کے تالاب میں ڈبکیاں لینے لگے اور آخر کار رابعہ نے حاملہ ہو کر سکھ کا سانس لیا۔

حاملہ کی تصدیق ہوتے ہی خوشی اس کی نس نس سے پھوٹنے لگی کالا منہ کرنے پر پچھتانے کی بجائے خوشی سے نہال ہوگئی اور حمل پر فخریوں کرنے لگی جیسے اسے کافی عرصہ بانجھ رہنے کے بعد کسی کرنی والے بابے کی دعا سے بیٹے کی خوشخبری ملی ہو اور اس خوشی کو وہ جی بھر کر علی الاعلان منانا چاہتی ہو۔

''زبیر بے شک مجھے آپ سے جدا کر دیا گیا ہے لیکن میری روح اور جسم تیری امانت ہے اور رہے گی مجبور لڑکیوں کو زبردستی ڈولی میں ڈال کر غیرزں۔ کے حوالے کر دیا جاتا ہے میری ڈولی صرف جسم کے ساتھ اٹھے گی روح اور زندگی تمہارے پاس رہے گی۔''

''ہم کتنے عرصے سے گڈی گڈے کا کھیل، کھیل رہے ہیں آپ کی محبت ہے جو میں حاملہ ہو گئی ہوں یہ حمل میں نے ایسے ہی نہیں سنبھال رکھا یہ ننگی تلوار ہے جو میں پھوپو اور اس کے بیٹے کی گردن پر چلا کر ان کی غیرت کو ذبح کروں گی۔''

اگر ان میں غیرت ہوئی تو پہلی رات ہی مجھے طلاق دے کر گھر سے نکال دیں گے۔ پھر مجھے اور آپ کو ایک ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی، میرے پیٹ کے اندر پلنے والی پیار کی نشانی ایک پل ہے جو ندی کے دو کناروں کو ملائے گی۔ ہمیں اس آنے والے بچے کا مشکور ہونا چاہیے۔''

زبیر رابعہ کے اس خوفناک منصوبے کو سن کر بہت خوش ہوا۔ لیکن ایک اُلجھن اسے پریشان کرنے لگی کہ رابعہ مل تو جائے گی مگر حمل سمیت میرے گھر والے قبول نہیں کریں گے فاحشہ، بدکردار سمجھ کر اسے دھکے مار کر گھر سے باہر نکالیں گے کہیں اس کی یہ قربانی رائیگاں تو نہیں جائے گی۔'' اس نے ذہین، سمجھدار اور موقع پرست ہونے کا ثبوت دیا اور آنے والے حالات کے نتائج کا انتظار کرنے لگا۔

رابعہ نے ساری صورت حال ماں کو بتائی اور جلد از جلد شادی کرنے کی تاکید کی تاکہ حمل آنے والے خاوند پھوپو کے بیٹے سجاد کے کھاتے میں ڈال دیا جائے بیوی نے عالم کو صورت حال سے آگاہ کیا اور جلد از جلد شادی کی تاریخ مقرر کرنے کی ہدایت کی۔ اگلے دن عالم بہن کے گھر پہنچ گیا اور بیٹی کا رشتہ نیاز کے چاولوں کی طرح بہن کی جھولی میں ڈال دیا۔ بہن بھتیجی کا رشتہ پا کر خوشی سے نہال ہوگئی۔

ماں نے یہ تحفہ بے مول ملنے پر بیٹے سے مشورہ کیے بغیر اگلے دن میکے جا کر ہزار کا نوٹ بھتیجی کی ہتھیلی پر رکھا اور منگنی کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ لیکن جب یہ خبر سجاد تک پہنچی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس منگنی کو ماننے سے صاف

انکار کر دیا۔

وہ زبیر کے اختیارات سے واقف تھا زبیر اس کے ماموں کے گھر کا کرتا دھرتا مختار کل اور سربراہ تھا ساتھ ہی رابعہ اس کے پیار کی جوت جگا کر محبت کے جھولے میں آنکھیں بند کیے مخمور ہو کر جھول رہی تھی۔

سجاد کا مہمان بن کر آنا اسے کھٹکتا وہ اس کے سامنے زبیر کے ساتھ کمرے میں محو گفتگو ہو جاتی ان کا پیار عروج پر تھا اور سجاد اس بات پر نالاں تھا مگر ماں باپ اور بھائی آنکھیں بند کیے خاموش تماشائی تھے سجاد کو ٹالنے کی کوشش کی جاتی۔ اشاروں' کنایوں سے گھر لوٹنے کو کہا جاتا زبیر اس کے سامنے رابعہ کو گاڑی میں بٹھا کر خریداری کے بہانے شہر لے جاتا غرض اسے خوب بے توقیر کیا جاتا۔

جب آگ دونوں طرف برابر لگی ہو تو درمیان آنے والی ہر چیز بھسم ہو جاتی ہے ان پیار کے روگی دو دلوں نے معاشرتی آداب' حقوق و فرائض کو خس و خاشاک کی طرح ہوا میں اڑا دیا سجاد تمام حالات سے آگاہ تھا اس نے ماں سے بغاوت کر دی اور رابعہ کا رشتہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔

عالم کی بیٹی حاملہ تھی اور بہت جلد بچہ جننے جا رہی تھی اگر بچے کی پیدائش ہو جاتی تو پورا خاندان کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ اس نے بہن اور بھانجے کو قربانی کا بکرا بنانے کا فیصلہ کیا بہن نے بھائی کی عزت بچانے کے لیے بیٹے کی خوشیوں کو کند چھری سے اناڑی قصائی کی طرح ذبح کیا اور بھائی کی محبت کی بھینٹ چڑھا دیا۔

☆......☆......☆

عالم کی بہن اور سجاد کی ماں شمیم کی یہ قربانی نئی چیز نہ تھی بلکہ اس کے خون میں رچی ہوئی تھی۔ جب شمیم کی شادی کر کے ڈولی میں بٹھایا جا رہا تھا تو خواہشات کی ایک لمبی چوڑی فہرست اس کے حوالے کر دی گئی۔

اگر وہ والدین کے مطالبات تسلیم نہ کرتی تو کبھی اس کی شادی نہ ہوتی اور وہ ہمیشہ گھر میں رہ کر کمائی کرتی اور والدین اور بھائیوں کو کھلاتی۔ پیدائش کے بعد ہوش سنبھالتے ہی علی الصبح ماں کے ساتھ شدید سردی کے موسم میں کپاس کی چنائی پر جاتی۔

ماں بیٹی سارا دن کپاس چنتیں ننھی ننھی انگلیاں سردی سے جم جاتیں تو ماں سے مار کھاتی' اگر مزدوری کی مد میں شام کو کم روپے لاتیں تو باپ اور بھائی مارتے اور ساتھ ہی مغلظات بکتے۔

گرمی کے موسم میں شدید کڑکتی دھوپ میں کھولتے ہوئے پانی میں مونجی کے پودے لگاتیں مکئی کے پودوں سے بھٹے الگ پردے الگ کرتیں' آلو کی چنائی کرتیں کپاس کے کھیتوں میں گوڈی کرتیں یہ تمام مزدوریاں شمیم کی گھٹی میں شامل تھیں۔

شمیم کی مزدوری اس گھرانے کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھی۔ جبکہ بھائی پنکھوں کے نیچے خواب خرگوش کے مزے لیتے یا ہوٹلوں پر بہن کی کمائی کے روپوں سے مرغن کھانے کھاتے اور ڈینگیں مارتے۔ شادی کی عمر کو پہنچی تو ایک ایسے شخص کے نام قرعہ فال نکلا جو تھوڑے سے رقبے اور بھیڑ بکریوں کے بہت بڑے ریوڑ کا مالک تھا۔ ماں بچپن میں فوت ہوگئی تو باپ نے دوسری شادی کر لی۔ سوتیلی ماں نے زر خرید غلام کی طرح محسن سے کام لینا شروع کر دیا۔

گھریلو امور نبٹانے کے بعد سارا دن بھیڑ بکریاں چراتا' گھر میں جب بھی روپوں کی ضرورت پڑتی بھیڑ بکری فروخت کردی جاتی سوتیلی ماں ہمیشہ نفرت سے دیکھتی جبکہ کمائی پر خوب ہاتھ صاف کرتی۔ محسن کے ماموں بھانجے کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر سخت پریشان تھے مگر کوئی حل ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

شمیم کے لالچی خاندان کی خبر ان تک پہنچی تو انہوں نے چند سو روپے اور پانچ بکریوں کے عوض شمیم کا رشتہ خرید لیا۔ جبکہ جہیز کی مد میں پانچ ہزار روپے الگ سے لیے۔ شمیم کی رخصتی کے وقت پند و نصائح سے نوازا گیا کہ جاتے ہی سسرال سے الگ ہوجانا ہے۔ محسن کو اپنے تابع کر کے گھر اور جانوروں پر قبضہ کرلینا ہے والدین سب امور اپنی نگرانی میں نبٹاتے ہیں۔

ہر کام کاج' چھوٹے بڑے منصوبے خرید و فروخت کے بارے میں سسرال کی بجائے ہم سے مشورہ کرنا ہے اور ہمارے احکامات منصوبوں اور مشوروں سے گھر چلانا ہے شمیم نے دہلیز پار کرتے ہی گھر میں قدم رکھنے اور منہ دکھائی میں الگ گھر کا مطالبہ کیا جسے محسن نے بلا چوں و چرا تسلیم کرلیا لمبے عرصے بعد اس کی آس کا دیا جلا تھا اس نے زن مرید ہونے کا حق ادا کردیا ابھی شادی والی مہندی کی پیلاہٹ بھی نہ اتری تھی کہ بھیڑ بکریوں سمیت شمیم کے اشاروں پر ناچتے ہوئے سسرال نگر پہنچ گیا۔ ایک سال کے اندر ہی سب مال بھنے چنوں کی طرح منہ کے ذائقے کی بھینٹ چڑھ گیا۔

جب سب کچھ لٹ گیا تو شمیم سمیت محسن کو گھر والی راہ پر ڈال دیا وقت کی گاڑی چلتی رہی اس دوران یہ جوڑا ایک بیٹی اور دو بیٹوں کے والدین بن گئے۔ اس خاندانی کی آمدنی میں اضافہ ہوجاتا کچھ رقم جمع ہوجاتی تو شمیم کے بھائی بہانے سے آجاتے اور جمع پونجی لے کر چلتے بنتے۔

اپنے جانور' زیور اور زمین بیچ کر ایک بھائی کو شمیم نے جرمنی بھیج دیا۔ کبھی یہ لوگ آجاتے۔ '' قربانی کا جانور لینا ہے پیسے نہیں کبھی کوئی بھائی آجاتا امی ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں شہر کے اسپتال لے جانا ہے ہمارے پاس دوائی کے پیسے نہیں کبھی بھائیوں کی فیس اور کتابوں کے لیے پیسے نہیں کبھی شادی کے لیے نئے کپڑے بنانے ہیں۔'' غرض ماں باپ اور بھائیوں نے باری باری شمیم کو خوب لوٹا۔ شمیم میکے والوں کو پالنے اور ان کو بہت کچھ کھلانے کے باوجود بہترین گھر چند جانور اور ایک بیگھہ زمین خریدنے میں کامیاب ہوگئی۔

جب عالم کی بیٹی رابعہ ملک زبیر کے عشق میں دیوانہ وار نسوانیت کی تمام حدود پار کر کے حاملہ ہوگئی تب ایک بار پھر بہن کی خوشیوں کو اپنی خواہش کی صلیب پر لٹکانے کا فیصلہ کیا۔

بہن شمیم بھی باری باری بھائیوں کی خواہش پر کلیوں کی طرح معصوم اور فرشتوں کی طرح نیک سیرت بچوں کو قربان کر کے بھائیوں کے لیے خوشیوں کے اسباب خریدنے لگی۔ رابعہ کے حاملہ ہونے کے باوجود بیٹے سجاد کو خود پر ستم کر کے شادی کے لیے آمادہ کرلیا۔

شادی ہوتے ہی حمل سجاد کے کھاتے میں ڈال کر بدنامی کے فرض سے سبکدوش ہوگئی رابعہ نے زبیر کی عیاشی کا پھل سجاد کی غیرت کی ٹوکری میں ڈالا تو اس کی مزید آبیاری سے صاف جواب دے دیا۔

ایک طرف سجاد اور پھوپو کو لتاڑنے لگی دوسری طرف زبیر کے راستے کے کانٹوں کو پلکوں سے اٹھانے لگی اور راہیں صاف کرنے لگی۔حمل کی کوفت سے نجات پانے کے لیے زبیر نے پانی کی طرح پیسہ بہایا۔

بیماری کی صورت میں اسپتال داخل کروایا حمل ضائع کروایا سجاد پر کیس دائر کیا اور آخر کار اسے جیل میں قید کروانے میں کامیاب ہو گیا۔ پیشیوں پر سجاد کی عدم موجودگی میں رابعہ کو یکطرفہ طلاق ہو گئی رابعہ ابارشن کروانے کے بعد مرغن غذائیں کھانے سے رو بہ صحت ہونے لگی۔اس کے صحت مند ہونے کی دیر تھی کیونکہ حمل اور طلاق کی زنجیریں وہ پہلے توڑ چکی تھی۔

صحت مند ہوتے ہی انہوں نے اپنے پیار کے درمیان معاشرتی بلند فصیل کو گرانے کا فیصلہ کیا اور ایک رات اندھیرے کی آشیرباد سے یہ پریمی جوڑا علاقہ غیر پہنچ گیا رابعہ کی ماں اور بہن تمام حالات و واقعات سے آگاہ تھیں موبائل فون پر رابطہ تھا رابعہ سر شام ہی تیار ہو کر بیٹھ گئی رات دو بجے زبیر گاڑی لے کر آیا ماں بیٹی نے رابعہ کو اپنے ہاتھوں زبیر کی گاڑی میں سوار کروایا گھر بسانے کی ڈھیروں دعائیں دیں اور نصیحت کی منصوبے کے مطابق جان بوجھ کر بہ لب سڑک جوتا اور دوپٹہ رکھا گیا جب وہ لوگ قریبی شہر عبور کر گئے تو تلاش شروع ہوئی شور شرابہ کر کے ہمسائیوں کو جگایا گیا۔ آہ و بکا سے رخ نہر کی طرف موڑ دیا گیا اور آج کل کون تحقیق کرتا ہے لوگ لکیر کے فقیر ہیں جدھر موڑو سدھائے ہوئے اونٹ کی طرح بلا چوں و چرا مڑ جاتے ہیں ان کی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی۔

یہ لوگوں کی کم عقلی کا فیض ہے کہ آج وطن عزیز پاکستان میں سیاسی پارٹیوں اور مذہبی و روحانی پیشواؤں کی فوج ظفر موج ہے اور ہر رہنما کے پیچھے لوگوں کا جم غفیر ہے جو ان کے ایک حکم پر جان قربان کرنے کے لیے بے تاب ہے۔ان لوگوں کے جذبات جگانے تک محنت کی ضرورت ہوتی ہے پھر یہ گاڑی کے اسٹیئرنگ کی طرح ڈرائیور کی مرضی سے مڑ جاتے ہیں۔

ہر فرقہ ہر رہنما دوسرے کو غلط کہہ رہا ہے حتیٰ کہ بات کافر اور مشرک بت پرست تک پہنچ چکی ہے۔مگر کمال حیرت کی بات ہے جو کسی کے پیرو کاروں میں کمی آئی ہو روز بروز یہ لوگ عکاس بیل کی طرح بڑھتے جا رہے ہیں اور ہر طرف سے زندہ باد زندہ باد کے نعرے لگ رہے ہیں۔

جب جاہل ان پڑھ گنوار گرتا ہے تو صرف اپنے آپ کو گراتا ہے اور جب ایک پڑھا لکھا گرتا ہے تو لوگوں کے جم غفیر کو گرا دیتا ہے آج لوگوں نے سوچنے سمجھنے کی کوفت کرنی ہی چھوڑ دی ہے۔ان ہمدرد لوگوں نے بھی اکبری کے کہنے پر بلا سوچے سمجھے نہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

وہاں تلاش کے دوران کچھ لوگوں کی عقل جب کافی دیر سکون کرنے کے بعد جاگی تو انہوں نے عالم اور اس کے بھائیوں کو اکبری سے سختی سے باز پرس کرنے کی تلقین کی بات بھائیوں کی سمجھ میں آ گئی اور یہاں بھی سب لوگ یکدم دانشور بن کر ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

عالم کے بھائیوں نے اکبری کو سختی سے جھنجھوڑا ہلکی سی دو چار چپت لگا دیں اور نہر میں دھکا دینے کی دھمکی دی اس دوران بیٹوں کی غیرت بھی جاگ گئی ایک بھائی نے ماں پر پستول تان لیا یہ حالات دیکھتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگی اور سچ اس کی زبان پر آ ہی گیا۔

''رابعہ زبیر کے ساتھ بھاگ گئی ہے وہی رات دو بجے گاڑی لے کر آیا تھا اسے سوار کر کے فوراً چلا گیا۔'' بار بار فون کرنے پر کال نہ اٹھانے کی وجہ یہی تھی کہ وہ چند ماہ کی قربانی اور انتھک محنت کے بعد منزل مقصود پر پہنچ چکا تھا۔

اعتماد اور یقین کی سیاہ پٹی آنکھوں سے اترتے ہی عالم کو دکھائی دینے لگا تمام برادری اور معززین کو اکٹھا کر کے رابعہ کی واپسی کے مشورے ہونے لگے رابعہ کی ماں اور بہن اس کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگیں باپ بھی دلی طور پر خوش تھا مگر بھائی، چچا اور کزنز جیتے جی مر گئے غیرت سے منہ چھپانے لگے۔

انہوں نے انا اور غیرت کا مسئلہ بنالیا وہ ہر صورت رابعہ کو واپس لا کر عبرتناک موت سے ہمکنار کر کے گھروں میں بیٹھی بیٹیوں کے لیے مثال بنانا چاہتے تھے کہ آئندہ کوئی بیٹی رات کے اندھیرے میں ماں کے شرم والے دوپٹے اور باپ کی غیرت والی پگ کو اپنی نفسانی خواہشات کی گندی مٹی میں رول کر داغدار نہ کرے۔

انہوں نے بہت سی پنچائتیں بنائیں لوگوں، سیاستدانوں اور وڈیروں کی معرفت دباؤ ڈالا زبیر اور اس کے قبیلے کو ہر طرح سے ہراساں کرنے کی کوشش کی گئی مگر وہ لوگ جہاں رہتے تھے وہاں دور دور تک ان کے حکم کے بغیر چڑیا پر نہیں مار سکتی تھی دھمکی، رعب و دبدبہ ان کا کیا بگاڑ لیتا زبیر نے ہر آنے والی سفارش کو کورا جواب دیا۔

رابعہ کی واپسی کی ناکامی اور فرار کی کلنک کے داغ کو مٹانے کے لیے بھائیوں اور کزنز نے ایک ہولناک منصوبہ بنایا رابعہ کے کرموں کی سزا عارفہ کو دے کر کسی حد تک بدنامی کے بدنما داغ کو دھونے کی کوشش کی۔ ایک دن سہ پہر کے وقت اس کے ماں باپ کو ایک رشتے دار کے ہاں دور پار کے گاؤں بھیج دیا۔ گھر کا دروازہ بند کیا عارفہ کو کمرے کے اندر گھسیٹ کر لے گئے اور بھوکے گدھوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے اور اس بے چاری کا زندہ سلامت ہونے کے باوجود نرم و نازک گوشت نوچنے لگے۔ جب مار مار کر تھک گئے تو رہی سہی سانسوں کو گلے پر ہاتھ کے دباؤ سے آنے والی سانسوں کو روک کر زندگی کی قید سے آزاد کر دیا۔

یوں رابعہ کے کرموں کی سزا عارفہ کو موت کی نیند سلا کر اپنی غیرت والی پگ کو داغدار ہونے سے بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ تمام معلومات، ملاقات پر آنے والے عزیزوں نے سجاد کو جیل میں بتائیں۔ یہ دکھ بھرے واقعات اسے بہت سی تکالیف میں مبتلا کر گئے مگر جیل کی چار دیواری کے اندر وہ مجبور تھا اس نے تو ہر ممکن نباہ کی کوشش کی مگر شاید بربادی اس خاندان کا مقدر بن چکی تھی۔

☆......☆......☆

سجاد کی ایک دن ملاقات آئی تو اس کے ساتھ اس کا سابق ساتھی ٹیچر ندیم بھی تھا۔ سر ندیم سے ملاقات کے دوران احوال پوچھنے پر کرب کا ایک سمندر ابل پڑا جس میں کچھ عرصے سے سر ندیم موت و حیات کی کشمکش میں ڈبکیاں لے رہا تھا اس خاندان کو کسی کی بدنظر نے دنوں میں برباد کر کے علاقے میں نشان عبرت بنا دیا۔

یہاں خواتین کی بیرک میں اس کی بیوی زینب قتل کی سزا کاٹ رہی تھی اس سے ملاقات کرنے کے لیے ندیم آیا تھا اور یہاں پر ملاقات پر آئے سجاد کے ماموں سے ملاقات ہوگئی جو سجاد سے ملاقات کرنے آیا تھا، یوں دونوں نے مل کر

سجاد سے ملاقات کی اور دوران ملاقات ندیم نے اپنی دکھوں بھری کتھا سنائی۔ جنہیں سن کر سجاد کے سوئے زخم ایک بار پھر ہرے ہوگئے یادوں کی لہروں نے اسے دکھ کے تپتے صحرا میں برہنہ چلنے پر مجبور کر دیا۔

ثوبیہ سجاد دوستی کو تھوڑے دن گزرے تھے کہ سجاد ماں کی اطاعت کے صلے جنت خریدنے کے لالچ میں جیل کی ہوا کھا رہا تھا۔ جبکہ ثوبیہ نے پہلا اور آخری عشق کیا تھا جو فلاپ ہو کر اپنی موت آپ مر چکا تھا۔ اس کے سپنوں کا راجہ' اسے چھوڑ کر اپنے ارمانوں کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے کب کا کسی اور کا منظور نظر بن چکا تھا اور وہ نظر اسے گھائل کر کے کسی اور نظر کا شکار ہو چکی تھی جبکہ سجاد کرموں کی سزا بھگتنے معصوم اور فرشتہ سیرت ثوبیہ کے پھولوں کی پتیوں جیسے ارمانوں کو پاؤں تلے روندنے کے جرم میں بلند و بالا فصیلوں نما دیواروں میں مقید تھا ثوبیہ سجاد کو دل و جان سے چاہتی تھی بے وفائی کے زخموں نے اس کا ذہنی توازن کھو دیا۔ وہ حسین بانکی ناری' بے وقوف' پگلی' خرد دماغ قرار دے کر گھر کے ایک مخصوص کونے میں محدود کر دی گئی۔

☆......☆......☆

سر ندیم کی بیوی گھر کی سربراہ کرتا دھرتا اور مختار کل تھی۔ ندیم کے ڈیوٹی پر جاتے ہی اس کے پروں کو آزاد فضاؤں میں اڑنے کا موقع مل جاتا گھر میں عید کی طرح خوشیاں مہمان ہوتیں شہروں کے مخصوص علاقوں میں رات کو راتیں جاگ کر دن کو سماں پیدا کرتی ہیں جبکہ اس گھر میں دن کو رات کی تاریکیوں کی سیاہیوں سے منہ کالے کئے جاتے اور اور آنے والے دندناتے چہل قدمی کرتے۔

ثوبیہ سے بڑی نادیہ لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ایک تھی اگر حسن میں کمی کوتاہی تھی۔ تو اس نے ناز نخروں اور غرور و تکبر سے پوری کر رکھی تھی۔ ماں قبول صورت' خوبرو اور تیز طرار عورت تھی آسمان کے تاروں کو دن میں یوں چن کر جھولی میں بھر لیتی جیسے سردی کے موسم میں خواتین روئی چن کر جھولیاں بھرتی ہیں' چرب زبان' لمحوں میں قائل کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی' بیٹی نادیہ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی' بدلے میں خوب نوٹ کماتی ثوبیہ کو ہر ممکن چکا چوند روشنیوں کا منبع بنانے کی کوشش کی گئی مگر وہ اس راستے میں کانٹے کی طرح ہر ایک کو چبھ جاتی۔ یوں دوبارہ کسی کو اس کے پاس جانے کی ہمت نہ ہوتی ماں اس کے کردار سے سخت نالاں تھی۔ ہر ممکنہ کوشش کے باوجود وہ شمع محفل نہ بن سکی۔ جب سجاد اس گھر بطور مہمان گیا تو اس کی من موہنی صورت ثوبیہ کے سپنوں میں سما گئی اور اسے دیکھتے ہی وہ سب کچھ اس کے سامنے ہار گئی۔

سجاد کی بیوفائی نے ثوبیہ کو روگی بنا دیا جبکہ نادیہ اور ماں زینب لوگوں کو انگلیوں پر نچا کر کارہائے نمایاں سرانجام دینے لگیں۔ ان کی شہرت کے ڈنکے دور دور بج کر عیاش لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کرنے لگے۔

☆......☆......☆

سر ندیم خود مختاری کا تاج بیگم کے سر پر سجا کر ہر قسم کی گھریلو ذمہ داریوں سے آزاد ہو گیا تھا جبکہ اس کے بھائی بھتیجوں کا گاؤں میں غیرت کے ساتھ جینا محال ہو چکا تھا۔ لوگوں کے طعن و تشنیع اور ہتک آمیز رویے نے ان کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ جب لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تو وہ لوگ سخت اذیت میں مبتلا ہو جاتے' بہت سے

غیرت مند لوگوں نے سلام دعا ختم کر کے حقہ پانی کر دیا۔

یہ لوگ جب ندیم سے اپنی سوئی غیرت کو جگانے کے لئے کہتے تو وہ بیوی اور بیٹی کے خوف کی وجہ سے چپ کی بک مار لیتا۔ لوگوں کے طعنوں نے ان لوگوں کی رات کی نیند اڑا دی ان کی غیرت ہمیشہ جوش مارتی آخر کب تک برداشت کرتے۔ ایک دن عین عروج کے وقت جب موج میلا اپنے جوبن پر تھا سر ندیم شہر خریداری کرنے گئے ہوئے تھے اور ایک مہمان کی کار لے کر گئے تھے۔ جبکہ دوسری گاڑی گھر کے سامنے پارک تھی۔ بڑا بھائی عقیل بیٹوں کے ساتھ آیا گاڑی کے پہیوں سے ہوا نکالی ونڈ اسکرین ڈنڈے مار کر ریزہ ریزہ کر دی اور عیاشی کرتے مہمان کو گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالا جبکہ بھابی کو بالوں سے پکڑا اور مار مار کر بھرکس نکال دیا۔

مہمان ہزیمت اور شرمندگی سے زندہ درگور ہو گیا ماں بیٹی کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ مگر سننے والوں نے مدد کرنے کے بجائے عقیل کی حوصلہ افزائی کی اور اس برائی کو جڑ سے ختم کرنے کا مشورہ دیا۔

ہوس کی پیاس بجھانے والے مقامی تھانے کے انچارج اور اس کے دوست تھے۔ پورے گاؤں کے سامنے بے عزتی کے جنازے نے ان کے تمام کس بل نکال دیے۔ ساتھ ہی ان کے غصے کو بھڑکا دیا وہ رنجش کا طوفان دل میں تھامے رخت سفر باندھ گئے ایک عام شہری کے ہاتھوں بے عزتی اور وہ بھی اس صاحب بہادر کی جو پورے پاکستان میں شتر بے مہار کی طرح لامحدود اختیارات کا مالک ہو' دن رات' صبح شام ملزم مدعی اور شریف بدمعاش کو بغیر کسی وجہ کے اٹھائے کسی کو اس کے سامنے وجہ پوچھنے کی جرأت نہ ہو۔ رات کی تاریکی میں دن کی روشنی میں یا موٹر وے' ہائی وے پر چلتی گاڑی میں معصوم شہریوں کو گولیوں سے بھون دے' دنیا کی کوئی طاقت اور قانون اس کے آگے آواز اٹھانے کی غلطی نہ کرے۔ ماورائے قتل' کئی سو آدمیوں کو دن دیہاڑے گولیاں مارنے سڑکوں پر زندہ لوگوں کو گولیوں سے بھون دینے کے مقدمات سے باعزت بری کر دیا جائے۔ اس صاحب بہادر کو گاؤں کا اجڈ عام آدمی سرعام بے عزت کرے اور صاحب بہادر اس بے عزتی کو برداشت کر جائے یہ دنیا کی کسی ڈکشنری میں نہیں لکھا۔

اس واقعے کے ٹھیک چار دن بعد پولیس کی دو موبائل گاڑیاں سائرن بجاتی گاؤں میں داخل ہوئیں عقیل کے دروازے پر پہنچیں وہ بیٹوں کے ہمراہ دکان پر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ سب لوگوں کو پکڑا گھسیٹ کر گاڑیوں میں ڈالا اور یہ جا وہ جا...... تھانے جا کر خوب چھینٹی لگائی جاگی غیرت کو تھپڑ مار مار کر سلانے کی کوشش کی انجانے جرم کی سزا پانے پر ان لوگوں کو دن کو تارے نظر آنے لگے۔ متعلقہ صاحب بہادر نے اپنی بے عزتی کا خوب بدلہ لیا زینب اور نادیہ کے سائے سے بھی دور رہنے کی تلقین کی گاؤں کے معززین ندیم والا بازار چھوڑ چکے تھے۔ غیرت کرنے پر عقیل کی گرفتاری پر پورا گاؤں سراپا احتجاج بن گیا۔

تمام لوگ مقامی سیاستدان کے ڈیرے پر گئے ندیم خاندان کے کالے کرتوتوں پر مفصل روشنی ڈالی تھانیدار کی بدمعاشی اور بار بار گاؤں آ کر منہ کالا کرنے کی روداد سنائی معززین کے ساتھ سیاستدان بھی طیش میں آ گیا ایک فون پر سب لوگ آزاد ہو گئے ساتھ ہی تھانیدار کا تبادلہ

ہوگیا۔ سیاستدان نے ندیم کو ڈیرے پر بلایا سب لوگوں کے سامنے خوب بے عزت کیا اور بیوی بیٹی کی بے راہ روی کو لگام ڈالنے کی تلقین کی، نافرمانی کی صورت میں ہولناک نتائج سے آگاہ کیا۔ اس برائی کو ختم کرنے کے لئے اخلاقی اور سیاسی مدد کا یقین دلایا۔

سر ندیم گھر آکر خوب گرجے برسے، سب لوگوں کے سامنے اپنی بے عزتی کا رونا رویا، بیوی، بیٹی کو بھائی کے سامنے مارا پیٹا اور خوب ڈرایا دھمکایا ساتھ ہی بھائی کے ذمے لگایا۔

"میری غیر موجودگی میں جو بھی نامحرم شخص میرے گھر آئے مقامی زمیندار کو فون کرنا اور آنے والے کا مار مار کر بھرکس نکال دینا، کوئی بھی آڑے آئے بالکل پرواہ نہ کرنا میرے گھر کے گند کو ہم نے مل کر صاف کرنا ہے۔" ساتھ ہی گاؤں کے نوجوان بھی حمایت میں اتر آئے اس بازار میں ٹھیکری پہرے لگ گئے اگر بھولے بسرے کوئی سابق آشنا آجاتا تو اس کو مار پیٹ کر بھگا دیا جاتا۔

عیاشی کے بہتے دریا کے سامنے بند ھنے والے اس بند نے ماں بیٹی کی زندگی اجیرن کر دی، عیاشی کے ساتھ آمدنی میں بھی خاطر خواہ کمی آ گئی عقیل اور اس کے بیٹے خار کی طرح آنکھوں میں چبھنے لگے۔

کاروبار کو جاری وساری رکھنے کے لیے ان خواتین نے ہوم سپلائی شروع کر دی۔ ان خواتین نے آشناؤں سے فون پر رابطے کرنے شروع کر دیے ان کے ڈیروں، ہوٹلوں پر حسن کے کرشمے دکھا کر دل جوئی کا سامان مہیا کرنے لگیں۔ یہ خبر بھی چھپی نہ رہ سکی ان کی آمد ورفت پر بھی پہرے لگا دیے گئے۔

اور ایک رات جب اندھیرے کے سہارے نکلنے کی کوشش کی تو موقع پر پکڑی گئیں دونوں کو خوب مارا پیٹا گیا حویلی کے اندر مقید کر دیا گیا گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا کر ہر قسم کی نقل وحرکت روک دی گئی۔ گرمیوں میں مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے فریج کا ٹھنڈا پانی پورا نہیں آتا تھا اس لیے دکان سے برف منگوانے کی بجائے گاؤں میں برف سپلائی کرنے والے سے رابطہ کیا گیا وہ ڈالے پر برف سپلائی کرتا تھا۔

گرمیوں میں برف کا آدھا بلاک روزانہ ندیم کے گھر آتا تھا۔ جسے سارا دن استعمال کیا جاتا ٹھنڈے مشروبات کے ساتھ شباب اور کباب چلتے، ٹھنڈے، گرم آمیزے نے اس گھر کے ماحول کو رومانوی بنا رکھا تھا۔ بازار کی نقل و حرکت اور پہرے نے اس گھر کا پورا نظام درہم برہم کر دیا مہمانوں کی آمد ختم ہوگئی گھر کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ عیاشی کا اژدھا بھوک سے نڈھال موت کی طرف سرکنے لگا۔

زینب اور نادیہ کا غصہ آسمان کی وسعتوں کو چھونے لگا۔ انہوں نے لوگوں سے انتقام لینے کے منصوبے بنانے شروع کر دیے جس طرح ان کی نیندیں حرام ہوئی تھیں اسی طرح وہ سب کو جگانے کے عذاب میں مبتلا کرنے کے منصوبوں پر غور وخوض کرنے لگیں۔

سب سے پہلے انہوں نے عقیل کو راستے سے ہٹانے کا خوفناک منصوبہ بنایا اس شخص نے سب سے پہلے آواز اٹھا کر ان کی حق تلفی اور آزادی سلب کرنے کی کوشش کی تھی ان کے پر کاٹ کر ان کو پرواز سے محتاج کر کے گھر کی چار دیواریوں کے اندر مقید ہونے پر مجبور کر دیا اور آئے روز پابندیوں میں اضافے کا موجب بننے لگا۔ اس

معرکے کو سرانجام دینے کے لیے برف لانے والے لڑکے کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا زینب نے پہلے تو اسے اپنی زلفوں کا اسیر کیا اور اسے حیوانی ہوس سے خوب محظوظ کیا رہی سہی کسر نادیہ نے پوری کردی۔ مخملی بیڈز کی زینت بننے والی نادیہ نے بان کی ننگی چارپائی پر اپنی نسوانیت کو بطور چارہ استعمال کیا اور شوکت نامی لڑکے کی خوب موجیں کروائیں جس کو لڑکی پاس سے گزرنے نہیں دیتی تھی اس کی بانہوں میں ایک ماہ جبیں جھولی اور اس کی خوب تسکین کی تو وہ آپے سے باہر ہوگیا اور الہ دین کے چراغ والے جن کی طرح بولا۔

''میرے آقا حکم فرماؤ کس کا خون کرنا ہے کسے زندگی کی قید سے نجات دلانی ہے کون ہے جو آپ کے سکھ کا دشمن بن کر وار کر رہا ہے۔'' جب لوہا خوب گرم ہوکر پگھلنے لگا تو زینت اور نادیہ نے ہاتھ باندھ کر اس کے آگے عرض کیا۔

''ہمیں عقیل کے ظلم وستم سے بچالو وہ ہماری خوشیوں کا قاتل بن گیا ہے۔ ہمارا حسن، دولت اور معاشرتی مقام اس کو برداشت نہیں ہو رہا، ہم پر جھوٹے الزامات لگا کر بدنام کر رہا ہے، ہمیں اپنے گھر والوں کی نگاہوں میں گرا دیا ہے ہمارا گاؤں کی گلیوں میں چلنا پھرنا محال ہوگیا ہے وہ شخص ہمارے خون کا پیاسا بن گیا ہے ہمارا حسن ہمارا ہنسنا مسکرانا اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔''

''ہمیں ظالم انسان کے شر سے بچالو وہ انسان نہیں حیوانی درندہ ہے جو ہماری خوشیوں کو ہڑپ کر گیا ہے ہماری زندگی پر پہرے بٹھا دیے گئے ہیں۔ ہمیں سانس لینے کے لیے اس سے اجازت لینی پڑتی ہے ہماری عزت کی خاک اڑا دی گئی ہے ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔'' یہ جنگلی شیر کی طرح چنگھاڑنے والا نوجوان ان ماں بیٹی کے آگے سرکس کے شیر کی طرح دم ہلانے لگا۔ ان کے منصوبے کو زندگی کا مشن سمجھ کر سرانجام دینے کا وعدہ کیا۔

ایک دن جب وہ برف لایا تو ماں بیٹی نے اسے رات کو ذرا دیر سے آنے کی تاکید کی۔

''آج رات ہم پہلے تو خوب غل غپاڑہ کریں گے عیاشی کے تالاب میں نہا کر ہوس کی گرمی دور کریں گے بعد میں ہم نے عقیل کو سبق سکھانا ہے اس کو تیرا یہاں آنا سخت ناگوار گزرتا ہے وہ تیرے آنے پر پہرے داری کرنا شروع کر دیتا ہے ہماری کئی بار بے عزتی کر چکا ہے اس کے خوف کی وجہ سے ہم بڑی مشکل سے آپ کے لیے وقت نکالتی ہیں ہم نے مل کر اس ناسور کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہے۔ بعد میں خوب آزادی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔''

نوجوان مزدور اَن پڑھ عقل سے عاری تھا۔ سدھائے بیل کی طرح ان کی ہاں میں ہاں ملاتا گیا ہوس کے نشے نے عقل وخرد سے بیگانہ کر دیا اُف تک نہ کی اور رات کو مقررہ وقت پر پہنچ گیا پہلے تو دونوں ماں بیٹی کی خلوت سے خوب لطف اندوز ہوا انہوں نے یوں نشہ پلایا کہ اس کی سانسیں تک مخمور ہوگئیں۔ عیاشی سے فراغت پاتے ہی زینب نے اسپیشل تیار کیا گیا تیز دھار ٹوکہ لیا۔ نائلون کی رسی لی اور اس نوجوان کے ہمراہ ڈیرہ کی طرف روانہ ہوئی جہاں بھینسوں کے باڑے میں عقیل سویا ہوا تھا۔ سوئے عقیل کے بازو اور ٹانگیں باندھ دی گئیں اور پھر ٹوکے سے وار کر کے اسے چارے کی طرح کترنوں میں بدل دیا۔

قتل کی لرزہ خیز واردات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح گاؤں سے نکل کر علاقے میں پھیل گئی بغیر کسی تحقیق اور حیل و حجت کے شک کی بنیاد پر زینب کو گرفتار کرلیا گیا تھانے پہنچتے ہی حوالات کی گرمی اور اندھیرے نے اس کے تمام کس بل نکال دیے۔

عشق کا بھوت چھو منتر ہو گیا قتل کی ہولناکیوں اور سنگین نتائج دماغ پر مسلط ہو گئے مار کھانے سے قبل ہی اس نے اعتراف قتل کرلیا۔ ساتھ ہی آشنا کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ لمبی چوڑی تفتیش کی ضرورت نہ رہی چالان عدالت میں پیش ہوا' دونوں کو سزا سنادی گئی اور جیل میں بھیج دیا گیا۔

جیل جاتے ہی عیاشی کا آتشکدہ تپتے بے آب و گیاہ صحرا کا منظر پیش کرنے لگا لوگ عاد و ثمود کی باقیات کی طرح ندیم کے بازار سے توبہ توبہ کرتے گزر جاتے بیوی کے سزا پاتے ہی سر ندیم نے بڑی بیٹی کی ایک نوجوان سے شادی کردی نوجوان بڑے شہر کا ایک گیسٹ ہاؤس کا مالک تھا جہاں مہمانوں کی خدمت عیاشی کے لوازمات پیش کر کے کی جاتی تھی بدلے میں کافی نوٹ کمار ہا تھا بہترین گھر بنایا خوب رکھ رکھاؤ کا مالک تھا اچھی شخصیت کا حامل سر ندیم دیکھتے ہی لڑکیوں کی طرح اس پر فدا ہو گیا اور لخت جگر اس کے نکاح میں دے دی۔ گیسٹ ہاؤس میں مہمان دوست محبوباؤں کے ہمراہ آتے ساری رات عیاشی کرتے اور صبح ادائیگی کر کے چلتے بنتے۔ جن لوگوں کے پاس اپنی دوست نہ ہوتی اس کی طلب پر یہ لوگ اپنی طرف سے لڑکیاں سپلائی کرتے اس سلسلے میں ملک کے طول و عرض میں ان کا نیٹ ورک پھیلا ہوا تھا۔

سہاگ رات کو ہی نادیہ اپنی خوبصورت اداؤں اور دل میں گھر کر جانے والے طریقوں کو آزما کر اپنے میاں کو رام کر کے اس کے دل میں مقام بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ نادیہ میاں کے حواسوں پر چھا گئی اور وقت آیا کہ سہیل اس کے بغیر سانس لینے میں بھی دشواری محسوس کرتا اور پھر ایک دن عین چوراہے محبت کا بھانڈا پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور سب کچھ خاک میں ملا دیا بیوی کی فرمائش پر سہیل شہر میں سیر سپاٹے کے لیے گیا خرید و فروخت کی اور خوب محظوظ ہوئے۔

اس دوران ایک ضروری کام کے سلسلے میں اس نے گیسٹ ہاؤس کے منیجر کو بلوایا جو پورے گیسٹ ہاؤس کا مختار کل تھا ہر قسم کے انتظامات لین دین اس کے ذمے تھے اس نے جب فائیو اسٹار ہوٹل میں سہیل کے ساتھ نادیہ کو دیکھا تو سخت حیران و پریشان ہوا مگر خاموش رہا۔ اگلے دن جب سہیل گیسٹ ہاؤس آیا تو منیجر نے کہا۔

''سر...... اگر آپ کا اس لڑکی پر دل آ گیا تھا تو مجھے بتاتے یہاں مفت گیسٹ ہاؤس کی قربت مل جاتی آخر اس پر اتنا خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو ایک عام سی کال گرل ہے اس کی ماں بہت بڑی سپلائر ہے یہ لڑکی متعدد بار ہمارے گیسٹ ہاؤس کی زینت بن چکی ہے آپ کو لڑکیوں کی کمی ہے جو اس جیسی تیسرے درجے کی فاحشہ سے دل لگی کر کے ہزاروں روپے اس پر اڑا رہے ہیں۔'' یہ بات سنتے ہی سہیل کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''گلزار کیا اول فول بک رہے ہو اور کس کی بات کررہے ہو کل والی لڑکی کوئی عام لڑکی یا کال گرل نہیں بلکہ میری بیوی ہے میں نے اس سے شادی کی ہے وہ میرے گھر کی عزت ہے بہت محبت کرنے والی مخلص' باوفا اور گھر داری میں ماہر ہے۔'' اس نے اپنے منیجر کو جھاڑا ساتھ ہی نادیہ کی وفاداری کی وکالت کی۔

''سر...... میں نے خود اس کو کئی بار کام پر بلایا

ہے وہ ہمارے گیسٹ ہاؤس میں کئی نوجوانوں کے ساتھ راتیں گزار چکی ہے اس کی ماں ہمراہ ہوتی ہے یہ اس کا موبائل نمبر ہے یقین نہ آئے تو میں گیسٹ ہاؤس کے ملازموں سے تصدیق کرواتا ہوں اس کی تصویر ہماری فائل میں لگی ہے جس میں گاہکوں کو لگی تصاویر دکھا کر لڑکیاں منگوائی جاتی ہیں۔'' منیجر گلزار نے حقیقت بتا کر سہیل کی آنکھیں کھولیں یہ حقیقت آشکار ہوتے ہی سہیل کو دن کے وقت تارے جھلملاتے نظر آنے لگے۔ فوراً گھر آیا بغیر تحقیق بات چیت کیے نادیہ کو تین طلاقیں دیں اور دھکے مار کر گھر سے نکال دیا۔ دو نمبر کام بڑھنے پر سر ندیم کی ایک کنواری سالی بھی یہاں قیام پذیر تھی اور بہن کے کام میں ہاتھ بٹا رہی تھی۔

بہن کی گرفتاری اور جیل جانے پر اس نے دودھ سپلائی کرنے والے سے آنکھ کا پیچا لڑایا اور ایک رات اندھیرے میں اس کے ساتھ بھاگ گئی۔

ثوبیہ جو سجاد کے عشق میں پاگل پن کی حدود میں داخل ہو چکی تھی اس کے فرض کی ادائیگی سر ندیم کے لیے مسئلہ بن چکی تھی۔ اس سے جان چھڑانے کے لیے ندیم نے ایک ایسے شخص کو ہاں کر دی جو نشے کا عادی تھا پہلی بیوی اس کو چھوڑ کر جا چکی تھی کیونکہ اس شخص نے سب سامان جہیز نشے کی آگ میں جلا دیا تھا۔ گھر والوں نے فارغ کر کے نکال دیا تھا بیوی بے چاری سب کچھ لٹا چکی تو اس نے بیوی کو منشیات سپلائی کرنے والوں کو خوش کرنے کا حکم دیا حکم عدولی کی صورت میں مار مار کر لہولہان کر دیتا۔ ظلم و ستم سے تنگ آ کر اس نے طلاق لی اور سکھ کا سانس لیا وہ نشئی ایک بار پھر گھر بسانے کی تگ و دو کر رہا تھا اور ندیم بیٹی کو عشق کرنے کی سزا دینا چاہتا تھا ماں اور بڑی بیٹی کے برے کرموں کی سزا ثوبیہ کے کھاتے میں ڈال دی گئی اور سزا کے طور پر نشئی کے بندھن میں گائے بھینس کی طرح باندھ دی گئی اور اس صابر لڑکی نے باپ کے آگے اف تک نہ کی۔

اس نشے باز کو صرف نشے سے غرض تھی اور سر ندیم بیٹی سے انتقام لینا چاہتا تھا اور منشیات فروشوں کو نوٹوں سے غرض تھی یہ وہ مافیا تھا جو شروع میں نوجوانوں کو ورغلا کر سگریٹ نوشی کا عادی بناتا پھر چرس کے سوٹے لگواتے اور پھر ہیروئن تک لے آتے۔ پورے معاشرے کے نوجوانوں کو ان لوگوں نے یرغمال بنا رکھا تھا۔ انہوں نے ایجنٹوں کی فوج پال رکھی تھی جو مکڑی کی طرح جالے بن کر نوجوانوں کو پھانس رہے تھے کتنے ہی گھرانوں کے اجڑنے کا موجب بن چکے تھے۔ پیسے کے لالچ کی پٹی نے ان کو رحم دلی اور انسان دوستی کی بصارت سے محروم کر رکھا تھا۔

نشے کی دلدل میں اترنے کی دیر ہوتی کہ نوجوان گھر کی قیمتی اشیاء کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کر نشہ خریدتے بیویوں کے جہیز' ڈھور ڈنگر بکنے لگے' راتوں کو چوریاں ہونے لگیں غرض عجیب افراتفری معاشرے میں پھیل چکی تھی اگر کوئی نشئی جرم کرتے موقع پر پکڑا جاتا تو پولیس گرفتار کرنے سے احتراز کرتی کہ کہیں ہمارے ذمے ہی نہ لگ جائے۔

کئی خاندان اس موذی وبا سے ٹوٹ چکے تھے۔ شمس کا خاندان بھی اس کی زد میں آ کر ٹوٹ چکا تھا ثوبیہ کی شادی کیا ہوئی اسے ایک کھونٹے سے کھول کر دوسرے کھونٹے سے باندھ دیا گیا یہاں اسے خوب کرموں کی سزا دی گئی۔ شمس نے اپنی بیوی بنانے کے بجائے نوٹ کمانے والی مشین بنا دیا لوگوں کے سامنے چارے کے طور پر ڈال کر روپے کمانے لگا۔ ثوبیہ کا ماضی مکروہ کردار کا آئینہ تھا جس سے اگرچہ اس نے ہر ممکن بچنے کی کوشش کی مگر گھر کے دیگر افراد کے کرتوتوں نے اس کا ماضی بھی

داغدار کردیا اور اسے عبرت کا نشان بنا دیا۔
ماں بدکرداری کے سبب قتل کے مقدمے میں جیل میں بند تھی بہن کو فاحشہ ہونے کے ناطے طلاق ہو چکی تھی خالہ اپنے عشق کا جھولا جھول کر رات کے اندھیرے میں منہ کالا کر چکی تھی۔ ماں اس سے اس لیے نفرت کرتی کہ وہ اس کے نقش قدم پر نہ چلی اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے ایک نوجوان سے عشق کر کے اس دلدل سے نکلنا چاہتی تھی جبکہ وہ نوجوان بھی اسے انجانے دکھ کی سزا دے کر بیچ منجدھار چھوڑ کر کسی اور کا ہو چکا تھا۔ باپ کی عزت کی دھجیاں اڑیں تو بیوی کے بعد بیٹی مشق ستم بنی۔ ثوبیہ کو ایک بار پھر غیرت کے بجائے بے غیرتی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا۔
باپ گھر میں داخل نہیں ہونے دیتا تھا خاوند اس کی عزت بیچ کر روپے کمانا چاہتا تھا اور وہ شمع محفل اور بستر بستر سونے کی بجائے عزت کی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی جوت جگانے والا کب کا کسی اور کی زلفوں کا اسیر ہو چکا تھا لیکن غیرت مند زندگی نے عصمت دری کی بجائے موت کو ترجیح دی۔ ایک دن اس کی عصمت کا رس چوسنے بھنورا آیا تو اس نے خوب اس کو بے عزت کیا لڑنے مرنے پر تل گئی شور و غل مچا کر پورا محلہ اکٹھا کر لیا اس شخص نے بھاگ کر جان بچائی۔
اس نے اپنی عزت کا زیور تو بچا لیا مگر اپنے آپ کو خاوند کے عتاب سے نہ بچا سکی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا بالوں سے پکڑ ا گھسیٹ کر کمرے کے اندر لے گیا۔ کمرے کو کنڈی لگائی اور مار مار کر روئی کے گالوں کی طرح زردوں میں تبدیل کر دیا۔ ہڈی پسلی نہ چھوڑی۔ بے ہوش ہو کر گر گئی تب اس نے ہاتھ روکا کلیوں کی طرح نرم و نازک پتیوں کی طرح بکھر گئی مگر زبان پر شکوہ نہ لائی کافی دیر بعد ہوش آیا تو بھوک پیاس سے برا حال تھا بڑی مشکل سے گھسیٹ کر گھڑے کے پاس گئی چند گھونٹ پانی پیا تو زندگی میں روانی آ گئی۔ وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر گریہ زاری کرنے لگی دعاؤں کے دوران روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی۔
خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ سجاد دولہا بنا سجی سنوری گاڑی میں سوار ان کے گھر بارات لایا ہے ڈھول کے آگے ناچنے والوں نے خوب ماحول بنا رکھا ہے گھر کے اندر شادی کے سلسلے میں اودھم مچا ہے وہ ایک کمرے میں شادی کا بھاری جوڑا پہنے دلہن بنی بیٹھی ہے سکھیاں سجاد کے نام پر اسے چھیڑ رہی ہیں اور اس کے من میں لڈو پھوٹ رہے ہیں سجاد کے پیار کے خمار نے اس کو مدہوش کر رکھا ہے اس کے کان بارات کی آمد کے اعلان کی طرف متوجہ ہیں اور وہ خوشی سے نہال سجاد کی بانہوں میں جھولنے کو تیار ہے۔
ان مخمور لمحوں کے درمیان اس کی آنکھ کھل گئی وہی ویران گھر کی چار دیواری' کچا صحن جس پر وہ سجدے میں تھی آنسوؤں سے مٹی گیلی ہو چکی تھی مٹی چہرے پر جم چکی تھی آنکھوں کے پپوٹے ورم کی وجہ سے بند ہو رہے تھے جسم کا رواں رواں دکھ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں کی حرکت محدود ہو چکی تھی صرف زبان تھی جو اس نرم و نازک جسم میں محفوظ تھی جاگتے اونگتے روتے زخم سہلاتے صبح ہو گئی۔ زندگی کی جیل میں ایک اور دن کا اضافہ ہو گیا خاوند کی نفرت کے تازیانے نرم و نازک جسم پر کھانے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے لگی۔

☆......☆......☆

رابعہ کے بھاگ جانے کے بعد سجاد کے ماموں اور ممانی برادری اور رشتے داروں کی نگاہوں میں ظالم نوکدار خار کی طرح چبھنے لگے۔ ماموؤں اور

ماموں زاد بھائیوں نے دباؤ ڈالا تو بات صلح اور معافی پر آ گئی۔
''اپنے بھانجے کا کیس لڑنے اور اسے جیل میں بند کروانے کے بجائے ہمیں رابعہ کی واپسی کے لیے زور دینا چاہیے یہ ہماری اَنا اور عزت کا مسئلہ ہے نہ کہ بھانجے کو قید کروانا ہے۔'' دیگر بھائیوں نے ماموں کو سمجھایا غرض وہ لوگ اسے قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور سجاد جیل کی چار دیواری سے باہر آزاد فضاؤں میں آ گیا۔
زندگی ایک بار پھر پرانی ڈگر پر چل پڑی۔ ماں کی آنکھوں کے خواب اپنی موت آپ مر گئے۔ رہائی کے تھوڑے عرصے بعد اسے نوکری پر بحال کر دیا گیا۔ سر ندیم والے اسکول میں دوبارہ تقرری ہوئی۔ ایک دوسرے کے حالات و واقعات سے آگاہ ہوئے۔ سر ندیم نے جب اپنے گلشن میں خزاں کی تباہ کاریوں کی داستان سنائی تو سجاد اشکبار ہو کر اس کی بے بسی پر اظہار ہمدردی کرنے لگا۔
ثوبیہ کی ناگفتہ بہ حالت سن کر اس سے رہا نہ گیا ندیم کے ساتھ ثوبیہ سے ملنے کا فیصلہ کیا اتوار کی چھٹی تھی پہلی فرصت میں ندیم کے گھر پہنچ گیا وہ گھر جہاں خوشیوں کے نقارے بجتے تھے اب وہاں الو بولتے تھے ویران خاردار جنگل کا منظر پیش کر رہا تھا۔ نادیہ جو کبھی شمع محفل تھی جس کے ابرو کے اشارے سے دلوں میں اتھل پتھل شروع ہو جاتی تھی اک اشارے پر کتنے ہی اکڑے ہوئے سر خم ہو جاتے تھے۔
اب وہ غرور خاک میں مل چکا تھا نادیہ لوگوں کے گھروں میں جھاڑو لگا کر اور صفائی کر کے دو وقت کا کھانا کھاتی' محدود آمدنی سے فقیرنی سے بھی بدتر نظر آئی اب وہ گھر کی ماسی کا کردار ادا کر کے پیٹ کا دوزخ بھر رہی تھی زندگی کی موجیں اس سے روٹھ چکی تھیں اب وہ دنوں کا قرض ادا کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو کر قبر کی منزل کی طرف گامزن تھی نادیہ کی حالت زار پر کف افسوس ملتے ہوئے سجاد ندیم سے ملا اور ثوبیہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔
جونہی وہ لوگ ثوبیہ کے دروازے پر پہنچے اندر سے مار کٹائی اور گالی گلوچ کی آوازیں آ رہی تھیں ساتھ ہی ثوبیہ کی چیخ و پکار جاری تھی۔ جو بڑے کرب کی حالت میں تھی زبردستی دروازہ کھول کر اندر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ثوبیہ زمین پر لیٹی ہے جبکہ شمس اس کے اوپر بیٹھا ہاتھوں میں زلفیں تھامے منہ پر تھپڑوں کی بارش کر رہا ہے اور ساتھ ہی اول فول بک رہا ہے جبکہ ثوبیہ مظلومیت کی تصویر بنے چیخ و پکار کر رہی ہے۔
ساتھ ہی منت سماجت اور واسطے دے کر جان خلاصی کے لیے التجا کر رہی ہے شمس جب مار پیٹ سے تھک گیا تو دونوں ٹانگوں سے پکڑ کر صحن میں گھسیٹنے لگا ندیم اور سجاد نے بڑی مشکل سے ثوبیہ کی گلو خلاصی کروائی۔ مزید بات کیے بغیر ثوبیہ کو ساتھ لیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔
گھر پہنچ کر لگی لپٹی کے بغیر سجاد نے ثوبیہ کو اپنانے کے فیصلے سے ندیم کو آگاہ کیا اگلے دن سب لوگ عدالت پہنچ گئے اور خلع کا دعویٰ دائر کر دیا۔
دو پیشیوں کے بعد تیسری پیشی پر فیصلہ ہو گیا ثوبیہ کو عدالت سے طلاق مل گئی عدت پوری ہوتے ہی انتہائی سادگی سے سجاد اور ثوبیہ کا نکاح ہو گیا آج ثوبیہ اور سجاد تین معصوم بچوں کے والدین ہیں سجاد ریٹائرڈ ہو گیا ہے گھر میں ہی کریانہ اسٹور کھول رکھا ہے جو بہت اچھا چل رہا ہے زندگی بہت خوشحالی سے گزر رہی ہے۔
پرانی یادیں کبھی کبھار دونوں کو دکھی کر دیتی ہیں۔

مسئلہ یہ ہے

خلقِ خُدا کی بھلائی کے لیے مفید و معلوماتی سلسلہ

محترم قارئین! ''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ خلقِ خُدا کی بھلائی اور رُوحانی معاملات میں اُن کی رہنمائی کے جذبے کے تحت ماہنامہ ''سچّی کہانیاں'' کے اوّلین شمارے سے شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دُعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادّی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی رُوحانی طاقت کے حیران کر دینے والے معجزے دیکھے۔ جیسے جیسے لوگوں کو ان وظائف سے فائدہ ہوتا رہا، اُسی تناسب سے ہر ماہ موصول ہونے والے خطوط کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، پھر صورتِ حال یہ ہوگئی کہ اگر ماہنامہ ''سچّی کہانیاں'' میں خطوط کے جوابات دینے پر اکتفا کیا جاتا تو قارئین کو اپنے جوابات کے لیے کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا، کیوں کہ پرچے میں صفحات کی تعداد بہرحال محدود ہے۔ اِن ہی حقائق کو دیکھتے ہوئے فوری نوعیت کے مسائل کے جوابات براہِ راست ارسال کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا، لیکن اتنے زیادہ خطوط کو سنبھالنا، اُن کا ریکارڈ مرتب کرنا اور انہیں سپردِ ڈاک کرنا خاصا وقت طلب کام ہے جو مجھ ایسے آدمی کے لیے کسی طور ممکن نہیں۔ اِن صفحات کی ترتیب و تدوین اور براہِ راست جوابات کے لیے میرا معاوضہ پاکستان کی سلامتی، قومی یکجہتی کی دُعا اور مسلمین و مسلمات (خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ) کے لیے دُعائے خیر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دُعائے خیر سے بڑا معاوضہ اور قیمتی تحفہ کوئی کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ قارئین کے خطوط کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ادارے کو باقاعدہ اسٹاف رکھنا پڑا ہے جو خطوط کا ریکارڈ مرتب کرنے اور انہیں سپردِ ڈاک کرنے کا ذمے دار ہے۔ اگر آپ اپنے مسئلے کا فوری جواب چاہتے ہیں تو ازراہِ کرم جوابی لفافے کے ساتھ 500/= روپے کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچّی کہانیاں'' کے نام ارسال کر دیں۔ یہ رقم اُن افراد کی تنخواہ کی مد میں آپ کی امداد ہوگی جو اس شعبے سے منسلک ہیں۔ منی آرڈر کی رسید اور ڈرافٹ بھیجنے کے علاوہ خط میں منی آرڈر کی رسید اور بینک ڈرافٹ نمبر ضرور تحریر کریں۔ صاحبِ استطاعت حضرات تو کین منی 500/= روپے کو آخری حد نہ سمجھیں، وہ حسبِ استطاعت اس رقم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ یہ رقم اُن خواتین کے کام آئے گی جو ملک کے دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں اور جن کے لیے منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیجنا ممکن نہیں ہے۔ خطوط بھیجنے سے پہلے درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

(1)..... مسئلے کے ساتھ اپنا اور اپنی والدہ کا نام ضرور تحریر کریں۔ اصل نام کی اشاعت مقصود نہ ہو تو خط فرضی نام سے شائع کیا جائے گا۔ فرضی ناموں سے جھوٹے خطوط نہ بھیجیں ورنہ فائدے کے بجائے نقصان کا احتمال ہے۔

(2)..... منی آرڈر، بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچّی کہانیاں'' کے نام ارسال کریں۔

(3)..... اپنا مسئلہ صاف اور واضح الفاظ میں کاغذ کے ایک طرف تحریر کریں۔

88-C II۔ خیابانِ جامی۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

دانتوں کی دوا

دانتوں کے جملہ امراض کے لیے اکسیر دوا ہر عمر اور ہر جنس کے افراد کے لیے دستیاب ہے اپنا آرڈر سچی کہانیاں کے دفتر فون کرکے نوٹ کروائیں۔

□ فاروق احمد۔ساہیوال۔

o باباجی! کئی سال پہلے میری والدہ نے آپ کے بارے میں بتایا تھا' اب تو اُن کے انتقال کو بھی عرصہ گزر گیا۔ وہ آپ کے بارے میں کہا کرتی تھیں کہ بیٹا! جب بھی کوئی مسئلہ ہو' لوگوں سے کہنے کی بجائے باباجی کو خط لکھ دیا کرو۔ وہ اللہ کی کتاب سے حل دیتے ہیں۔ باباجی! آج میں کچھ پریشانیوں سے دوچار ہوں' مالی مسائل بھی ہیں اور اخلاقی بھی۔ کاروبار میں نقصان سے سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ بیوی روٹھ کر میکے جا بیٹھی۔ بچے بھی اس کے ساتھ ہیں۔ سمجھا سمجھا کر تھک چکا ہوں۔ برائے مہربانی میرے مسائل حل فرمائیں۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔

☆ بیٹے فاروق! اللہ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھو۔ مندرجہ ذیل آیت

ہر نماز کے بعد 33 بار پڑھو اور دُعا کرو۔ معاملات میں خاموشی رکھو۔ بیوی کو کچھ عرصہ اس کے حال پر چھوڑ دو' یہی بہتر ہے۔ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائے گا۔

□ شہناز اقبال۔U.K.۔

o باباجی! اللہ آپ کو صحت دے۔ میں اس وقت بہت کڑے وقت سے گزر رہی ہوں۔ میری بیٹی جس کی عمر 26 سال ہے' گھر چھوڑ کر اپنے دوست کے فلیٹ میں شفٹ ہو گئی ہے۔ باباجی! میرے 3 بچے ہیں۔ اس غیر اسلامی ملک میں رہتے ہوئے بھی میں نے اپنے بچوں کو دین کی پوری تعلیم دی۔ کچھ عرصہ قبل ہمیں انگریز لڑکے سے اس کی دوستی کا پتہ چلا۔ پیار' محبت' سختی' ہر طرح سمجھا کر دیکھ لیا۔ اس کی خاطر اس نے اپنی بچپن کی منگنی بھی توڑ دی۔ باباجی! میں تو اولاد سے بھی گئی اور خاندان سے بھی۔ اب ہم لوگ یہ تو بتا نہیں سکتے کہ وہ کس کے ساتھ رہتی ہے اور منگنی بھی اسی نے توڑی ہے۔ خاندان والے سمجھتے ہیں کہ اس منگنی کے ٹوٹنے میں میرے شوہر کا ہاتھ ہے کیونکہ لڑکا میری بہن کا بیٹا تھا۔ میں بہت مشکل میں

اطلاعِ عام

قارئین بھائی' بہنوں سے گزارش ہے کہ مسئلہ بھیجنے کے لیے ہمارا پتا نوٹ فرمالیں اور آئندہ اپنا مسئلہ دیے گئے۔ اس ایڈریس پر روانہ کیجیے۔

نیا پتا: 88-C-II۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7' کراچی

مسئلے سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کیجیے۔ 021-35893122-35893123

ہوں۔ برائے مہربانی کوئی حل تجویز کریں۔

☆ بیٹی شہناز! اس مشکل وقت میں اللہ سے مدد مانگو۔ بے شک اولاد بہت بڑی آزمائش ہے۔ جس مشکل سے تم گزر رہی ہو' اکثر والدین گزرے ہیں یا گزر رہے ہیں جو وطن سے دور ہیں' وہاں کے معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے بچوں کو غیر اسلامی رہن سہن سے بچانا بہت مشکل ہے۔ بہرحال تم نے اپنا فرض پورا کیا' بچی کو دین و دنیا دونوں کی تعلیم دی۔ اگر وہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا چاہتی ہے تو تم سوائے دُعا کے کچھ نہیں کرسکتیں۔ میں تعویذ کا مشورہ دوں گا' جلد از جلد منگوالو اور باقی بچوں پر مکمل توجہ دو۔ ان پر ان حالات کا اچھا اثر نہیں پڑ رہا ہے۔ بیٹی سے رویہ نرم ہی رکھو کیونکہ سختی کا کوئی فائدہ نہیں' یہ تم بھی جانتی ہو۔ تم جس ملک میں ہو' وہاں قانون بھی ایسے بچوں کا ساتھ دیتا ہے۔ بہرحال بیٹی! اللہ سے مدد مانگتی رہو' وہ ضرور کرم فرمائے گا۔

□ ثوبیہ نسیم' لاہور کینٹ۔

☆ بیٹی ثوبیہ! اللہ تعالیٰ تمہارے گھر میں محبت اور اطمینان کی فضا قائم کرے۔ نماز پابندی سے ادا کرو اور نمازِ عصر اور مغرب کے بعد ایک مرتبہ سورۃ جن پڑھنے کے بعد 7 تسبیح یا عزیزُ کی ضرور پڑھا کرو۔ گھر والوں پر سے صدقہ خیرات نکالتی رہا کرو۔ اب جب بھی بھائی کی شادی کرو' بغیر استخارے کے مت کرنا۔ ان حالات میں گھر میں نئی آنے والی بہو بھی تم سب سے بدگمان ہو جائے گی۔ حالات کچھ بہتر ہونے دو پھر شادی کا ارادہ کرنا۔ مجھے 14 روز کے بعد وظیفہ جاری رکھتے ہوئے مطلع کرو۔

□ واجد۔ جھنگ۔

○ باباجی! السلامُ علیکم! میں نہم جماعت کا طالب علم ہوں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا پڑھنے میں دل نہیں لگتا۔ نماز میں بھی۔ میری لکھائی بھی اچھی نہیں۔ آپ ایسا وظیفہ بتائیں کہ ہر کام ہو جائے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے نمبر دسویں جماعت میں 620 سے اوپر آئیں۔ یہ میری ماں کی بھی خواہش ہے اور میری بھی۔ آپ اس کے حل کے لیے بھی وظیفہ بتائیں۔

☆ بیٹے واجد! جو کام بھی دلچسپی اور توجہ کے ساتھ کرو گے' اس میں کامیابی نصیب ہوگی۔ ابھی تم بہت کم عمر ہو۔ اگر تعلیم پر توجہ نہیں دو گے تو مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ نماز کی پابندی کرو اور نمازِ مغرب کے بعد 7 بار سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اپنے اوپر دَم کرو۔ خوشخط تحریر کے لیے تختی پر لکھا کرو۔ محنت کرنے والوں کو ہی کامیابی ملتی ہے۔ کوئی بھی وظیفہ کرنے کی بجائے دل لگا کر تعلیم حاصل کرو۔

□ افشاں امین' لاہور۔

☆ بیٹی افشاں! تمہارا خط طوالت اور مصلحت کے تحت شائع نہیں کیا جا رہا ہے۔ جو لوگ اللہ پر بھروسا نہیں رکھتے ہیں' وہ مایوسی کی باتیں کرتے ہیں۔ تمہارا دل پڑھائی میں اس لیے نہیں لگتا کیونکہ

تمہارا دماغ دوسرے مسئلے میں الجھا ہوا ہے۔ نماز پابندی سے ادا کرو۔ نمازِ فجر اور عصر کے بعد ایک پیالی پانی لو اور اس پر 12 مرتبہ سورۃ الناس پڑھ کر دَم کرو اور بھائی کے دل میں نرمی کی دُعا کرو پھر یہی عمل والد کے لیے دہراؤ پھر یہ دَم کیا ہوا پانی گھر میں استعمال ہونے والے پانی میں ملا دو۔ یہ عمل نہایت پابندی کے ساتھ ایک ماہ کرو۔ اس کے بعد تمہاری تائی رشتہ لائیں گی تو ضرور قبول ہوگا۔

□ رمشا خان۔ اسلام آباد۔

○ محترم باباجی! السلامُ علیکم! میں آپ کی خدمت میں پہلی دفعہ حاضر ہوئی ہوں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری ساس جی بہت بیمار ہیں۔ دیکھنے میں ٹھیک ٹھاک لگتی ہیں لیکن بلڈ پریشر ہر وقت ہائی رہتا ہے۔ دو دفعہ ہارٹ اٹیک بھی ہو چکا ہے۔ ویسے ہر وقت خوش رہتی ہیں۔ کسی قسم کا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ ہر ڈاکٹر سے علاج کروا چکے ہیں لیکن وقتی طور پر آرام آتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں۔ انہیں دل کی تکلیف اور بلڈ پریشر نہ ہو۔ میری ساس جی پانچ وقت کی نماز اور تہجد باقاعدگی سے ادا کرتی ہیں۔ آپ اچھا سا وظیفہ بتائیں جو میری ساس پڑھیں اور مجھے بھی کوئی وظیفہ بتائیں جو میں نماز کے بعد پڑھا کروں تاکہ ہمارے گھر میں ہمیشہ پیار اور سکون رہے۔

☆ بیٹی رمشا! اللہ تمہاری ساس کو صحت عطا فرمائے۔ تمہارا ان کے لیے پریشان ہونا مجھے بہت اچھا لگا۔ تم نہایت اچھی بیٹی ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں خوشیاں عطا فرمائے گا۔ یقیناً تمہاری ساس بھی بہت محبت کرنے والی خاتون ہوں گی۔ نہار منہ ایک لہسن

کا جوا ضرور کھلایا کرو۔ کھانے میں بہت احتیاط ضروری ہے۔ نمک اور چکنائی سے مکمل پرہیز کرو۔

□ ارم زیب، کراچی۔

○ محترم باباجان! السلامُ علیکم! آپ خدمتِ خلق کا جو کام کر رہے ہیں، وہ بہت بڑی نیکی ہے اور اِس نیکی کا اجر اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دے سکتا ہے۔ آپ کی خدمت میں اپنا جو مسئلہ پیش کر رہی ہوں، وہ ایک طرح سے اجتماعی ہے کیونکہ یہ آج کے ہر گھر، ہر انسان کا مسئلہ ہے یعنی مالی پریشانی...... میں ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں اور بی اے فائنل کی طالبہ ہوں۔ میرے تین بھائی اور ایک بہن ہے اور میرے والد گزشتہ بارہ برس سے بے روزگار ہیں بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ کوئی کام نہیں کرتے اور اب تو ان کی صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ میں گھر میں بہن بھائیوں سے بڑی ہوں اور بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں۔ ایک کی عمر 19 سال اور دوسرے کی عمر 17 برس ہے۔ اس کے بعد بہن اور بھائی چھوٹے ہیں۔ میرے دونوں بھائی گھر کے اخراجات کا بوجھ سنبھالے ہوئے ہیں جو کہ ان کی عمر سے بڑا اور بھاری ہے پھر بھی ہمیں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دیتے لیکن ان دونوں کی نوکری سے گھر کے اخراجات مشکل سے ہی پورے ہوتے ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی چاہتا ہے کہ وہ بیرونِ ملک چلا جائے

لڑکیوں کی بات ہوچکی ہے۔ باباجی! یہ سلسلہ کئی سال سے چل رہا ہے اور اب تو لوگوں نے آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ ابو بھی پھپھو ہی کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ویسے انہیں ہماری فکر تو ہے مگر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ میں نے بہنوں کے رشتے کے سلسلے میں پہلے بھی آپ سے رابطہ کیا تھا اور آپ نے جو وظیفہ بتایا تھا' وہ ہم نے تھوڑے ہی دن کیا تھا کہ ابو کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ وظیفہ چھوڑ دیا تھا۔ حیرت اور پریشانی کی بات یہ ہے کہ ہم اس سلسلے میں جب بھی وظیفہ کرتے ہیں تو ابو کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔ آپ نے ابو کی دوکان کے سلسلے میں سورۃ یٰسین روزانہ 3 مرتبہ پڑھنے کے لیے بھی بتائی تھی۔ وہ 10 دن ہی پڑھی تھی کہ ابو کی طبیعت اتنی زیادہ خراب ہوگئی کہ وہ تین دن اسپتال میں ایڈمٹ رہے تھے۔ کوئی بھی وظیفہ کرنے سے اُن کی طبیعت بہت خراب ہوجاتی ہے۔ پلیز باباجی! ایسا وظیفہ بتایئے گا کہ ابو کی طبیعت خراب نہ ہو۔ برائے کرم اس مسئلے کو حل کرنے میں ہماری مدد کریں۔ ایسا وظیفہ بتائیں کہ ہم دو بہنوں کے لیے اچھے رشتے آجائیں اور والدین بھی مان جائیں۔ باباجی! دوکان کا مسئلہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم دوکان کو فروخت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ ہماری اور چچا کی ایک ہی دوکان ہے۔ دوکان فرنیچر کی ہے اور دوکان تقریباً 5 سے بالکل بھی چل رہی۔ ایسا وظیفہ بتائیں کہ دوکان بھی فروخت ہوجائے اور پہلے والا مسئلہ بھی حل ہوجائے۔ کاروبار ایک ہی ہے جس کی وجہ سے بہت پریشانی ہوتی ہے۔ دونوں کے لیے وظیفہ عنایت فرمائیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔ دوکان فروخت کرکے ابو اور چچا دو دوکانیں لینا چاہ رہے ہیں تاکہ دوکانیں الگ الگ ہوجائیں۔ کاروبار بالکل بھی نہیں چلتا جس کی وجہ سے بھی گھر میں خوشحالی نہیں ہے۔ دوکان کے لیے بھی وظیفہ ضرور بتایئے گا اور دُعا بھی ضرور کیجیے گا دونوں مسائل کے حل کے لیے۔ بڑی مہربانی ہوگی۔

☆بیٹی عذرا! مندرجہ بالا آیت وما کان ربک نسیاً (سورۃ مریم) ہر نماز کے بعد 99 بار پڑھو اور حاجات بیان کرو۔ خیال رہے' نماز قضا نہ ہو۔ مدت ایک ماہ ہے۔ انشاءاللہ' ضرور کرم ہوگا۔

□ رحمہ علی۔ ریاض۔

o باباجان! میں شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ سعودی عرب آگئی تھی۔ شروع شروع میں تو اندازہ ہی نہیں ہوا مگر آہستہ آہستہ مجھے پتہ چلا کہ میرے شوہر بہت شکی ہیں' وہ کام پر جاتے ہوئے مجھے گھر میں لاک کرکے چلے جاتے ہیں' ہر وقت پوچھ تاچھ سے میں بہت پریشان ہوگئی ہوں' مجھے لگتا ہے کہ میری سانس بند ہوجائے گی۔ گھر والوں کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ اللہ کے واسطے میری مدد کریں۔ حالات ایسے ہی رہے تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔

☆بیٹی رحمہ! ہمت رکھو۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھو۔ اس مسئلے پر شوہر سے بات کرو۔ دیکھو بیٹی! شک کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا' شروع شروع میں دونوں فریق ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پاتے اس لیے کچھ مسئلے مسائل ضرور پیدا ہوتے ہیں مگر رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہوجاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص شکی طبیعت رکھتا ہو تو وہ خود بھی اذیت میں رہتا ہے اور دوسروں کو بھی پریشان رکھتا ہے۔ زندگی پریشان رہ کر نہیں گزاری جا سکتی۔ شوہر کو واضح الفاظ میں بتادو کہ اس طریقہ کار کے ساتھ گزارہ ممکن نہیں۔ مجھے حالات سے آگاہ کرو۔

سچی کہانیاں ملنے میں اگر دشواری ہے تو ان نمبرز پر رابطہ کیجیے

کراچی ایجنٹ	0300-2680248	
لاہور ایجنٹ	042-37249813	0300-4009578
راولپنڈی	051-5765665	0345-5058891
ملتان	061-4586533	0300-6301461
حیدر آباد	022-2780128	0321-3060477
پشاور	091-2212515	0344-9290185
فیصل آباد	0300-6698022	041-8503629
نواب شاہ	0244-362138	0344-3445464
الفتح نیوز ایجنسی، سکھر	0300-9313528	071-5613548

نمائندہ خصوصی

جاوید راہی	0300-9479844	اوکاڑہ
ارشد اقبال چوہان	0300-9657926	فیصل آباد/جڑانوالہ
عبدالغفار عابد	0300-4319264	چیچہ وطنی/ساہیوال
مور شاہد	0301-2868143	قمبر/شہداد کوٹ
مجید احمد جائی	0301-7472712	ملتان

آپ کی ڈائری

یہ ہے آپ کی پسند' آپ کا انتخاب

قارئین

فرمان الٰہی

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمان والا تمہیں زمین میں نہ دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے یا کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسائے پھر تمہیں معلوم ہو ہی جاۓ گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا اور ان سے پہلے بھی لوگوں نے جھٹلایا تھا تو دیکھو ان پر میرا عذاب کیسا ہوا؟ کیا یہ اپنے پر کھولے اور سمیٹے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھتے انہیں اللہ ہی ہوا میں تھامے ہوئے ہے بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے سوائے اللہ کے وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے کافر تو سراسر دھوکے میں ہیں اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر تمہیں روزی دے گا بلکہ (کافر) تو سرکشی اور بدکنے پر اڑ گئے ہیں۔

(سورۃ الملک آیت نمبر 21-16)

سعدیہ وحید سعدی۔ اسلام آباد

حدیث نبوی ﷺ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔" مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ جمعہ کے دن غسل کریں اور ہر ایک اپنے گھر والوں کی خوشبو میں خوشبو لگائے اگر اسے خوشبو میسر نہ ہو تو پانی ہی اس کے لیے خوشبو ہے۔

جامع ترمذی # 528

میرا گزر پل صراط جیسا

ہم سب کا ایمان اور یقین ہے کہ دنیا ایک دن ختم ہو جائے گی اور ہم سب نے بذریعہ پل صراط جنت میں داخل ہونا ہے۔ دل دہلا دینے والا شور ہوگا اور ہر طرف افراتفری کا سماں ہوگا۔

ہر کوئی اپنے اعمال کے بوجھ تلے دب رہا ہوگا۔ جس کے برے اعمال زیادہ ہوں گے اُس کا سفر اتنا ہی دشوار ہوگا۔ اور ان اعمال کو معاف کروانے کا کوئی سوال بھی پیدا نہیں ہوگا۔

الحمداللہ مسلمان ہونے کے ناطے ان تمام باتوں پر یقین تھا مگر آج کچھ ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اندر تک ہلا کر رکھ دیا اور پل صراط کی حقیقت کو گہرائی سے سمجھ لیا۔

ہوا کچھ یوں کہ ہم نے ضروری سامان لینے کی خاطر شاپنگ مال کا رخ کیا۔ آدھے گھنٹے میں ضروری سامان لیا۔ یہاں میں لفظ 'ضروری' اِس لیے استعمال کر رہی ہوں کہ واقعی میں صرف ضروری سامان لیا تھا۔

تمام چیزوں کا بل جمع کروایا اور ابھی بیرونی دروازے کی جانب قدم بڑھائے تھے کہ ایسکلیٹر کے اوپر لگے ہوئے شیشے چھناکے کی آواز سے ٹوٹ پڑا۔

وہ ٹوٹنے کی آواز اتنی زیادہ تھی کہ ہر طرف کہرام مچ گیا۔ کان پڑے آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہر کوئی ایسکلیٹر سے جلد از جلد گزرنے کے لیے بے تاب تھا۔

کیونکہ وہ شیشہ ایک دفعہ نہیں ٹوٹا تھا بلکہ وہ قسطوں میں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہا تھا۔ خوف کی لہر جسم میں سرایت کر رہی تھی۔

مزید یہ کہ باہر موسم حد درجے خطرناک ہو چکا تھا۔ تیز بارش اور آندھی اپنی تاب دکھا رہی تھیں۔

ہر کسی کو اپنی منزل پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ ایسکلیٹر بند کی جا چکی تھی۔ یعنی کہ سب کو اپنے اعمال میرا مطلب ہے کی اپنا سامان خود اٹھا کر اوپر کی طرف جانا تھا۔

اوپر سے شیشے ٹوٹ کر مستقل گر رہے تھے۔ یہ ایسا موقع تھا کہ کوئی چاہتے ہوئے بھی اپنا خریدا ہوا سامان واپس نہیں کرا سکتا تھا۔

یہ ایسا دل دہلا دینے والا منظر تھا جس کو نہ صرف آنکھوں سے مشاہدہ کیا بلکہ محسوس بھی کیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو پل صراط پر سے آسانی کے ساتھ گزرنے والا بنائے۔ آمین۔

بسمیہ فاطمہ۔ فیصل آباد

پرفیوم لگانے کا طریقہ

پرفیوم صرف جلد پر اور اُن جگہوں پر استعمال کریں جہاں آپ کو زیادہ پسینہ آتا ہو، پرفیوم لگا کر اسے اچھی طرح خشک کریں اور کبھی بھی پرفیوم لگا کر اسے ہاتھوں سے نہ رگڑیں اس طرح خارش ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ کبھی بھی پرفیوم کو اپنے چہرے پر یا اس کے اطراف مثلاً بالوں، کانوں یا آنکھوں پر استعمال نہ کریں۔ پرفیوم کو ہمیشہ سوکھی ہوئی جلد پر اور خشک کپڑوں پر لگائیں اور خوشبو زیادہ عرصے تک قائم رکھنے کے لیے دن میں دو بار لگائیں۔ ایک اچھا سینٹ تقریباً استعمال کے چھ سے آٹھ گھنٹوں تک اپنی خوشبو کا احساس دلاتا ہے۔ آفس یا ورک پلیس پر تیز خوشبو والے سینٹ یا پرفیوم استعمال نہ کریں۔ کچھ لوگ ذاتی طور پر پرفیوم یا عطریات سے الجھن کھاتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگوں کو تیز خوشبو سے الرجی ہوتی ہے لہٰذا اپنے گردونواح میں رہنے والے اس طرح کے لوگوں کا خاص خیال رکھیں۔

مرسلہ: حلیم صدیقی۔ پتوکی

محبت

ترسے ہوئے لوگوں سے کبھی نفرت نہ کرو کیونکہ یہ لوگ محبت کے قابل ہوتے ہیں۔ تم ان لوگوں سے تھوڑی سی محبت کرو گے تو یہ لوگ تمہیں ٹوٹ کر چاہیں گے۔ اتنا خلوص دیں گے کہ تمہیں ان کی محبت پر فخر محسوس ہوگا اور اگر ان سے نفرت کرو گے تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔

مرسلہ: روبینہ۔ اٹک

دوستی

بے ریا اور بے تکلف دوستی ایک ایسی ٹانک ہے جو زندگی کے عروق مردہ میں خون تازہ دوڑا دیتی ہے۔ وہ تنہائی کی بہترین مونس اور زندگی کا بہترین سہارا ہوتی ہے۔ جو شخص زندگی میں کوئی دوست نہیں بنا سکتا وہ ایک پودے کے مشابہ ہے جو جنگل میں اگ آگیا ہو دوستی تہذیب ہے شرافت ہے اور انسانیت ہے بے لوث اور بے پناہ محبت دوستی کا سنگ بنیاد ہوتی ہے اور دوست کی محبت کوئی معمولی چیز نہیں ہوتی۔ بہادر شاہ ظفر نے اسی نور کی محبت میں کہا ہے۔

محبت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں نے
وہی چاہا کہ جو کچھ تو نے چاہا

مرسلہ: نجم خان۔ اوکاڑہ

تحریر شناس

ایک خاتون تحریر شناس کی حیثیت سے بڑی معروف تھیں اور خواتین کے ایک رسالے میں کالم بھی لکھتی تھیں۔ انہوں نے خواتین کو دعوت عام دے رکھی تھی کہ وہ انہیں اپنی یا کسی بھی شخصیت کی تحریر کا نمونہ ارسال کریں تو وہ اس کی عادات، خصائل اور کردار کے بارے میں بہت سی صحیح اور مفید باتیں بتا سکتی ہیں۔ خواتین انہیں ذوق وشوق سے تحریر کے نمونے ارسال کرتی تھیں جن میں ان کی اپنی تحریروں کے نمونے کم اور دوسروں کے زیادہ ہوتے تھے۔

ایک خاتون نے ایک تحریر کا نمونہ بھیجتے ہوئے انہیں لکھا۔ ''یہ اُن صاحب کی تحریر کا نمونہ ہے، جن سے میں محبت کرتی ہوں۔ برائے مہربانی اس کا بہت توجہ سے تجزیہ کرکے بتایئے کہ یہ اچھے شوہر ثابت ہوسکیں گے یا نہیں؟''

خاتون تحریر شناس نے انہیں کالم میں جواب دینے کی بجائے براہِ راست جواب ارسال کرتے ہوئے لکھا۔ ''محترمہ! اس تحریر کا تجزیہ کرنے کے لیے مجھے توجہ یا غور وفکر کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس تحریر کا حامل شخص گزشتہ تین سال سے میرے لیے تو اچھا شوہر ثابت نہیں ہوسکا۔ اچھا ہوا جو آپ نے قسمت آزمائی سے پہلے اس کی تحریر کا نمونہ مجھے ارسال کردیا۔''

عمران شیرازی، اسلام آباد

رشتے

کچھ رشتے استوار کرنے میں انسان کتنی جدوجہد کرتا ہے۔ کڑی سے کڑی ملا کر مالا تیار کرتا ہے لیکن توڑنے والا ایک پل میں سب کچھ توڑ دیتا ہے۔ چاہے وہ دل ہو یا کوئی موتیوں کی مالا......؟

وہ یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کرتا کہ یہ شخص کتنی مسافتوں کے بعد اس مقام تک پہنچا ہوگا اور اس نے اس عرصے میں کیا کچھ قربان کیا ہوگا؟

شانزے خان، پشین

یادوں کا کارواں

وقت کی لہروں میں ڈوبا یادوں کا کارواں ذہن کی گہرائیوں سے ابھر رہا ہے۔ یادیں جو سرمایۂ حیات ہوتی ہیں، آج پھر میرے ذہن کے شکستہ رباب پر کسی گیت کی پُر درد لے کی طرح دستک دے رہی ہیں۔ دل چیخ چیخ کر رونے کو مچلتا ہے۔ آنکھیں ہر پل برسنے کو لبریز رہتی ہیں لیکن میرے یہ آنسو میرے سینے میں اُبلتے دکھوں کے لاوے کو کبھی ٹھنڈا نہیں کرسکتے۔

برسوں بیت گئے، سینے کے اِن زخموں کو سیتے سیتے مگر آج تک ایک بھی زخم کی رفوگری نہ کرسکا۔ آکاش کو دکھ ملے تو وہ بادلوں کی صورت کائنات کے ذرّے ذرّے پر برس کر اپنے اندر کے دُکھ دور کرلیتا ہے۔ پربتوں کو دکھ ملے تو وہ لاوے کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ پھولوں کو شاخوں سے جدائی کا دُکھ ملے تو وہ مرجھا کر اپنی وفا کا بھرم رکھ لیتے ہیں لیکن...... جب انسان کو ان سب چیزوں سے ہٹ کر دکھ ملے تو نہ وہ آکاش کی طرح جل تھل مچا سکتا ہے، نہ لاوے کی مانند پھٹ سکتا ہے اور نہ ہی پھولوں کی مانند مرجھا سکتا ہے۔ شاید وقت سے بڑھ کر کوئی ایسا مرہم ایجاد نہیں ہوا، جو انسان کے زخموں کا مداوا کرسکے۔

رمضان شاہ، کراچی

میرے لیے کیا کیا

انتخابات کا زمانہ تھا ایک امیدوار نے اپنے ووٹر سے کہا۔ ''تم لوگ میرے مخالف کو ووٹ دو گے تو کیا تمہارا ضمیر ملامت نہیں کرے گا۔ خود سوچو میں نے تمہارے والد کو نوکری دلوائی، تمہارے بھائی کو دکان الاٹ کروادی اور تمہارے دوست کو حوالات سے نکلوایا......''

''یہ سب تو ٹھیک ہے ووٹر نے کہا۔ مگر یہ بتائیں آپ نے میرے لیے کیا کیا؟''

نعیم شعبانہ۔ کوٹری

قولِ محمد علی جناح

میں ہمیشہ درست فیصلے نہیں کرتا میں فیصلے کرتا ہوں اور انہیں درست رکھوں یہ یقین رکھتا ہوں

فرحان خان۔ کوئٹہ

اس سادگی پہ

ایک مسافر دوسرے سے: ''جناب آپ ہر اسٹیشن پر اتر کر اگلے اسٹیشن کا ٹکٹ کیوں خریدتے ہیں؟''

دوسرا مسافر: ''اس لیے کہ مجھے ڈاکٹر نے لمبے سفر سے منع کیا ہے؟''

نوشین رشید۔ کراچی

اقوالِ زریں

وقت ضائع کرتے وقت خیال رکھو کہ وقت بھی تمہیں ضائع کر رہا ہے (ارسطو)

ہر شخص تو سچا دوست تلاش کرتا ہے مگر خود سچا بننے کی کوشش نہیں کرتا (حکیم لقمان)

تمہیں چاہیے کہ حقیقت کو سمجھو تو ہمیشہ مگر ظاہر کرو کبھی کبھی (خلیل جبران)

حقیقی کامیابی مسلسل محنت سے حاصل ہوتی ہے (رومی)

اقبال حسین۔ کراچی

فاتح دنیا

سپاہیوں نے اپنے افسر سے شکایت کی کہ آج جو کھانا انہیں دیا گیا تھا وہ باسی تھا۔

افسر نے کہا: ''آج کا کھانا تو اتنا اچھا تھا کہ اگر نپولین کی فوج کو دیا جاتا تو وہ پوری دنیا فتح کر لیتی۔''

اس پر ایک سپاہی بولا۔

''جی جناب بالکل درست فرمایا کیونکہ یہ کھانا اس وقت تازہ تھا۔''

نثار علی۔ وزیر آباد

لطیفہ

باپ: ''میرے 4 بچے ہیں۔ ایک نے MBA کیا ہوا ہے۔ دوسرے نے PHD کیا ہوا ہے اور تیسرے نے MA کیا ہوا ہے اور چوتھا چور ہے۔''

دوست: ''تو چور کو گھر سے نکالتے کیوں نہیں ہو؟''

باپ: ''وہی تو کماتا ہے باقی سب بے روزگار ہیں۔''

اریب فاطمہ۔ سکھر

اے انسان ذرا غور کر

دنیا بلاشبہ ایک قدرتی معجزہ ہے۔ قدرت کی ہر نعمت، ہر چیز انوکھی ہونے کے ساتھ خوبصورت ترین ہے۔ قدرت نے سورج کی روشنی، پھول کی خوشبو تمام انسانوں کے لیے برابر دی ہے۔ کسی امیر، غریب کا فرق نہیں تو پھر ہم کون ہوتے ہیں یہ فرق پیدا کرنے والے۔

غریب لوگوں کو شادی بیاہ سے لے کر ہر محکمہ اور ہر معاملے میں حقارت سے کیوں دیکھا جاتا ہے؟ ہمارے ملک میں غریب لوگ خودکشیاں اور بچوں کو قتل کر رہے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ جو بے اولاد ہیں بے چین و مضطرب ہیں۔

غریب لوگ اپنے بچوں کو غربت سے تنگ آ کر قتل کرنے کی بجائے کسی فلاحی ادارے میں چھوڑ دیں تو یہ بچے کسی بے اولاد صاحب ثروت کے آنگن کی رونق بن کر باعث اطمینان و ثواب ہوں گے۔

عروج بھٹی۔ گجرات

شادی

شادی کیا ہوتی ہے سمجھنے کے لیے سائنسدان

نے شادی کر لی۔
اب اُس کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ سائنس کیا ہوتی ہے۔

افتخار علوی۔ ریاض

قطعہ

اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور تیرا انجام
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام

زوہیب شاہ۔ قلات

کامیاب لوگ

اگر انسان خوشگوار زندگی گزارنے کا خواہش مند ہے تو اُسے لوگوں اور چیزوں پر توجہ دینے کے بجائے اپنی نظریں اپنے مقصد پر رکھنی چاہئیں۔ (البرٹ آئن سٹائن)

عابدہ رسول۔ کراچی

خون دوڑ رہا ہے

ایک میمن نے عربی کو خون دے کر اُس کی جان بچائی۔ عربی نے مرسیڈیز تحفے میں دے دی۔
عربی کو پھر خون کی ضرورت پڑی۔ میمن نے پھر خون دیا۔ اب کی بار عربی نے تل والے لڈو تحفے میں دیے۔ میمن چیخ پڑا۔
"مرسیڈیز کیوں نہیں دی؟"
عربی: "منا اب ہمارے اندر بھی میمنوں کا خون دوڑ رہا ہے۔"

طلعت وسیم۔ ٹنڈو آدم

بچپن

سب سے خوبصورت دور بچپن کا ہوتا ہے جب تتلیوں کے پیچھے بھاگنا، بارش میں نہانا، مٹی کے گروندے بنانا، پڑوسیوں کے دروازے پر لگی گھنٹی بجا کر بھاگنا اور مٹی سے اَٹے ہاتھ کپڑوں سے پونچھنا بہت اچھا لگتا ہے۔

مرسلہ: وہاب اختر۔ حیدر آباد

سوا سیر

"اللہ کے نام پر چائے پینے کے لیے پچاس روپے دیتے جائیں۔"
"لیکن چائے پچاس روپے کی تو نہیں آتی؟"
"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے، لیکن میرا آج دوستوں کے ساتھ پینے کا ارادہ ہے۔"

مرسلہ: یحییٰ بخش۔ کراچی

قوتِ فیصلہ

شہری دفاع کے لیے ایک صاحب رضا کاروں میں بھرتی ہو گئے۔ پہلے دن ایک ریٹائرڈ حوالدار رضا کاروں کو پریڈ کرانے لگا۔ "لیفٹ ٹرن...... رائٹ ٹرن...... لیفٹ ٹرن...... رائٹ ٹرن......"
پریڈ کرتے کرتے وہ صاحب رک گئے اور ذرا غصے سے بولے۔ "ارے صاحب! آپ پہلے فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے کہ ہمیں کس طرف مڑنا ہے؟ یہ کیا لگا رکھی ہے کبھی لیفٹ ٹرن...... کبھی رائٹ ٹرن...... آپ کے اندر تو قوتِ فیصلہ ہی نہیں ہے۔"

مرسلہ: عاصی علی۔ ملتان

ایک قطعہ

مسافروں کو نصابِ سفر بھی یاد نہیں
پلٹنا چاہتے ہیں اور گھر بھی یاد نہیں
سلیم کوئی مرا منتظر ہے اور مجھے
گلی بھی یاد نہیں، رہ گزر بھی یاد نہیں

شاعر: سلیم کوثر

□□......❀......□□

دوشیزہ کی ایوارڈ ونر قلمکار

'ثمینہ مشتاق' کے قلم سے

"موتی"

ایک ایسا شاہکار ناول

جو آپ کو برسوں یاد رہے گا۔

'دوشیزہ' کے صفحات پر

شعر و سخن

غزل

اے عشق بڑا ج ظالم اے
اے خوں دے اتھرو رُلا چھڈدا

اے ہجر دا زہر پلا چھڈدا
تے سولی وی چڑھا چھڈدا

پہنا کے گھنگھروں پیراں وچ
اے بلھے وانگ نچا چھڈدا

اے عشق کسی دا سنگی نئی
اے دشمن وانگ تڑپا چھڈدا

اے مالک اپنی مرضی دا
اے پاگل وی بنا چھڈدا

اے کاسہ پھڑا کے عاشق نوں
در در دی بھیک منگا چھڈدا

اے عشق بڑا ج ظالم اے
اے خون دے اتھرو رُلا چھڈدا

حنا بشریٰ

غزل

ہر پل تیرے خواب سجاتی رہتی ہوں
مٹی پر تصویر بناتی رہتی ہوں

اک لڑکے کے عشق نے مجھ کو مار دیا
ہر اک کو یہ زخم دکھاتی رہتی ہوں

کون تھا جس نے خواب میرے چرالئے تھے
کس پر یہ الزام لگاتی رہتی ہوں

میں نے غم کی فصلیں کاٹی راتوں کو
دل میں غم کا بیج اگاتی رہتی ہوں

فریدہ فری یوسفزئی

غزل

تُو جانتا ہی نہیں ہے کہ دل کا رنگ ہے کیا
تجھے یہ علم ہی کب ہے کہ آگ سبز نہیں
تجھے خبر ہی نہیں ہو سکی کہ کس لیے
فلک نے طشت اُلٹ کر جو راکھ اُڑائی تھی

وہ کس کی روح سے نکلی، کہاں بجھی جاکر

ترے گمان سلامت، ستارہ ساز مرے
تجھے سفر سے نہیں راستے سے مطلب ہے
تُو اپنے خواب میں خوش ہے مہ و نجوم کے ساتھ
میں تیرے خواب سے باہر دلِ سموم کے ساتھ

کامی شاہ

شعر و سخن

موت کی منتظر اک زندگی

شاید کہ دیکھا ہو کبھی تم نے بھی
نارتھ ناظم آباد کے چوراہے پر
ہے دارالشفاء ہے حسین
ہے نام اس کا اسپتال ضیاء الدین
اور وہاں کی ٹریٹمنٹ مہنگی ترین
پر بہت لاچار ہو کے مجھے کو وہاں جانا پڑا
کہ عارضہ تھا دل کو میرے بدترین
دل کے ہاتھوں میں بہت مجبور تھی
ہاں کسی کے درد فرقت سے میں چورا چور تھی
تیسری منزل کے اک بیڈ پر
میرے نام کی ایک تختی تھی رکھی ہوئی
نرسوں کی پھیکی مسکراہٹ
مردہ لپ اسٹک، اجلے لباس
کر رہے تھے مجھ کو اداس
آہ اور وہ ڈاکٹروں کے قہقہے
کس قدر بے جان تھے کس قدر تھے کھوکھلے
اک موت ہی ایسی وہاں جو مسرور تھی
بیٹھی تھی ہر پیشنٹ کے سرہانے تھوڑی دیر
اور اذنِ رب نہ پا کر کر رہی تھی دوسرے بستر کی سیر
سب مریضوں کے دلوں میں جینے کی بے حد آس تھی
اک میں تھی واحد وہاں پر
جس کے لبوں پر موت ہی کی پیاس تھی
دیکھ کر میری تشنہ لبی میرے پاس آ کر یہ کہا
تُو تو میری تھی سدا سے منتظر اب ساتھ میرے چل ذرا
میں نے کہا موت میری پیاری سہیلی ٹھہر جا
کہہ دوں اپنے گھر کے لوگوں کو کہ آخرالوداع
گو کہ میں تیری تھی سدا سے منتظر
بعد میرے ہو گا کیا گھر کا میرے حشر
بھائی میرا اس جہاں میں جب مجھے نہ پائے گا
ٹکرا کے سر دیوار سے وہ شاید مر ہی جائے گا
باپ کا بھی رابطہ زیست سے کٹ جائے گا
ہائے وہ ماں جس کا کلیجہ سن کے یہ پھٹ جائے گا
اف وہ بیٹا میرا
دو حصوں میں جو بٹ جائے گا
اک میری پیاری بہن ہے دو میری عم زاد ہیں
دیکھ لے اک سمت کھڑی ہیں کس قدر ناشاد ہیں
لگ رہا ہے زیست کے ہاتھوں میں وہ برباد ہیں
اک ہیں چچا میرے نام ہے ان کا نور حسین
کر رہے ہیں میری موت پر وہ کتنا بین
لیکن جس کی تھی میں کتنی آج تک منتظر
دل کو جس کو دیکھ کے آتا تھا چین
وہ کب آئے گا
موت میری اچھی سہیلی جا کے ان کو دے خبر
بستر مرگ پر میں اب بھی اس کی ہوں منتظر
کچھ بتایا اس نے آخر کب آئے گا
جب میرا جسد خاکی سوئے عدم جائے گا
جب تلک نہ آئے گا نہ ساتھ تیرے جاؤں گی
موند کر آنکھیں یونہی میں حشر تک سو جاؤں گی

صفیہ سلطان مغل

شعر و سخن

غزل

بات ہے نصیب کی تو کیا بات کریں ہم
بات صحیح ہو یا غلط اسے سہنے کی عادت ہوگئی ہے

تقاضے الفت میں کبھی بھی آگے نہ بڑھ سکے
ہمیشہ ہی پیچھے رہنے کی عادت ہوگئی ہے

روز شام ہوتی ہے روز رات ہوتی ہے
روز ہی کالا سویرا دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے

در و دیوار درِ بام اور بے نام ہیں یہ سب
اس بے نام سی زندگی کو گزارنے کی عادت ہوگئی ہے

آہ و فغاں ہے کپکپاتے لمحات ہی رہتے ہیں
اک اک گام پہ موت سے لڑنے کی عادت ہوگئی ہے

انتساب پیار آخر کس کے نام کا لکھیں
لفظ داستان کو مٹانے کی عادت ہوگئی ہے

مسلے ہوئے پھول اور پھیکے سے جو بے رنگ ہیں
پھولوں کی مہکار کو بے مہک کرنے کی عادت ہوگئی ہے

اس چاند کی چاندنی میں کوئی چارم نہیں رفعت
اب تو صرف چاند ہی کو بلندی پر دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے

رفعت خان

غزل

جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے
زخم تمہارے ہجر کا بھرتا جاتا ہے

کنکر پھینکنے والوں کو کچھ علم نہیں
پانی میں اک عکس بکھرتا جاتا ہے

دل کی غربت سارے گھر میں پھیل گئی
تصویروں سے رنگ اترتا جاتا ہے

بجھتی آنکھ کے سائے پھیلتے جاتے ہیں
شام کا منظر اور نکھرتا جاتا ہے

محسن اُس نے دل کا شہر اجاڑ دیا
میں سمجھا تھا بخت سنورتا جاتا ہے

محسن نقوی

پاکستانی شوبز

شوبز سے جڑی تہلکہ خیز خبریں......

اور نئی ریلیزز......

ادارہ

ٹوٹکا باجی

ریٹنگ کی اس دوڑ کا اختتام اللہ جانے کہاں ہو۔ مادر پدر اس معاشرے میں اچھائی کی امید تو کرنا ایسے ہی ہے جیسے بچہ کھیلن کو مانگے چاند' پھر لوگ کہتے ہیں کہ معاشرہ تنزلی کا شکار ہے۔ پچھلے دنوں کراچی میں زیادتی اور قتل کی جانے والی بچی کے والدین کو ندا یاسر نے اپنے شو میں بلا کر ثابت کر دیا کہ پیسہ سب کچھ کروا سکتا ہے انسان کو بے حس اور بے ضمیر بنا سکتا ہے۔ جو والدین پہلے ہی اذیت سے گزر رہے ہیں ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے



بجائے ان کا تماشہ بنایا گیا۔ ...

ایسے شوز کرنا نہایت گری ہوئی حرکت ہے۔ندا یاسر تو اب اس قدر تجربہ کار ہو چکی ہیں کہ کم از کم ان سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ لوگوں کی دل آزاری کا باعث ہوں گی۔ آپ دلہنیں سجائیں شادی کے ڈھول بجائیں جوان بننے اور حسین دکھنے کے ٹوٹکے بتائیں بس کافی ہے اس سے زیادہ کی چاہ میں پھر یہی ہوگا کہ رو رو کر معافیاں مانگنی پڑیں گی۔

گر گئیں

پچھلے دنوں اداکارہ نمرہ خان گھر میں سیڑھیوں سے گر کر شدید زخمی ہو گئیں۔نمرہ کی ناک' چہرہ اور



ماتھا شدید متاثر ہوئے۔نمرہ خان مشہور اداکارہ ہیں جو کئی ڈراموں میں اپنے فن کے جوہر دکھا چکی ہیں۔ نمرہ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ چوٹیں سیڑھیوں سے گرنے کی وجہ سے ہی آئی ہوں گی' دعا ہے کہ آپ جلد صحت یاب ہوں۔

بری بات

پاکستانی نژاد کینیڈین اداکارہ آرمینا خان کو اپنا جواب بہت مہنگا پڑ گیا' آپ ترک اداکار جو ستمبر میں پاکستان آئے ہیں ملنا چاہیں گی؟ جس کے جواب



میں ارمینا نے کہا میں انہیں خوش آمدید کہتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ ان کا یہ دورہ خوشگوار ثابت ہوگا بس اگر بات یہیں تک رہتی تو خیر تھی انہوں نے مزید کہا کہ وہ میرا رشتہ دار تھوڑی ہے جو میں اس سے ملنے جاؤں گی۔' بس یہ جملہ ارطغرل کے فینز کے دل پر ٹھاہ کر کے لگا اور انہوں نے آرمینا خان کے وہ لتے لیے کہ بے چاری اداکارہ کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ویسے آرمینا یہ بات تو کوئی نہیں جانتا تھا کہ آپ صرف اپنے رشتے داروں سے ہی ملتی ہیں باقی فلمیں اور ڈرامے تو چلتے چلتے ہی کر لیے۔

حد سے بڑھتی جلن

ARY سے نشر کیا جانے والا ڈرامہ جلن اب



دوبارہ ناظرین دیکھ سکیں گے۔ ہوا کچھ یوں کہ پیمرا کو شکایات موصول ہوئیں کہ ڈرامہ جلن معاشرتی اقدار کی دھجیاں اڑا رہا ہے تو انہوں نے فوراً اس پر پابندی لگا دی۔ ہم نے یہاں پہلے بھی بتایا تھا کہ ڈرامہ دراصل کچھ خامیوں کی جانب نشاندہی کر رہا ہے اور اس کے لیے برے رویے دکھانا ضروری ہے خیر اچھی خبر یہ ہے کہ اب یہ پابندی ہٹالی گئی ہے اور جلد جلن کے شائقین اپنا پسندیدہ ڈرامہ دوبارہ سے پرانے وقت اور دن کے مطابق دیکھیں گے۔ ویسے یہ طے کرنا باقی ہے کہ ڈرامہ جلن کو حد سے بڑھتی ہوئی مقبولیت کی وجہ سے عتاب کا شکار بنایا گیا یا حد سے بڑھتی جلن کی وجہ سے......

دو بچوں کے بعد

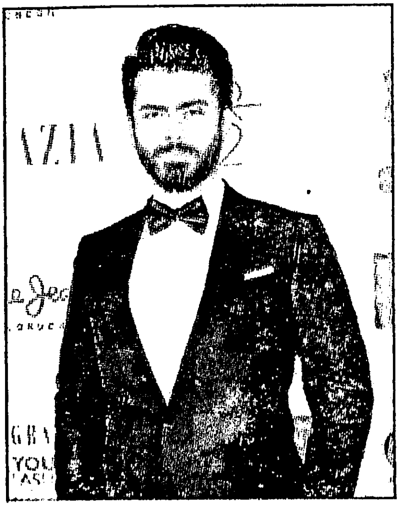
صنم چوہدری کا شمار بہترین اداکاراؤں میں ہوتا ہے ان کی اداکاری کا جواب نہیں رول کتنا ہی مشکل ہو وہ ڈوب کر کرتی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل صنم نے



اچانک انڈسٹری کو خیرباد کہہ کر امریکہ میں شادی کر لی تھی وہ مکمل خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہیں مگر اب وہ واپس ڈرامہ انڈسٹری میں لوٹیں گی بقول ان کے انہوں نے بریک لیا تھا اور اب وہ ضرور دوبارہ ایکٹنگ کو توجہ دیں گی مگر دو بچوں کے بعد......

ٹریننگ ضروری ہے

فواد خان کو کون پسند نہیں کرتا ہمسفر فیم اداکار بہت کم کم ڈراموں میں کام کرتے ہیں مگر جب بھی کرتے ہیں کیا خوب کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ وہ



جلد فلم پروڈیوس کریں گے جس کو لکھنے والا رائٹر وہ ونر ہوگا جو Content Writting کے مقابلے میں اول آئے گا۔ انہوں نے مزید کہا اچھی فلمیں اور ڈرامے اسی صورت پیش کیے جاسکتے ہیں جب رائٹر جانتا ہو کہ وہ کیا لکھ رہا ہے اسکرپٹ رائٹنگ بھی ایک فن ہے جس کے لیے کوئی پلیٹ فارم موجود نہیں اس لیے جس کا دل چاہتا ہے اور تعلقات ہوتے ہیں وہ ڈرامہ رائٹر بن جاتا ہے جب تک ٹریننگ نہیں ہوگی اچھا مواد نہیں میسر آئے گا اور اسکرپٹ کمزور ہوگا تو ڈرامہ یا فلم ایسی ہی ہوں گی جیسی آج کل پاکستان میں دکھائی جارہی ہیں فواد آپ سے ہمیشہ کچھ مختلف اور اچھا کرنے کی ہی امید ہوتی ہے اللہ کرے اس بار بھی آپ کامیاب ہوں۔